تفسیر الفرقان

مرتب محمد طاہر بھٹی چک قاسم کا

جلد دوم

سورہ بقرہ آیت ۴۴ تا ۱۷۸

تفسیر الفرقان

مرتب محمد طاہر بھٹی چک قاسم کا

جلد دوم

سورہ بقرہ آیت ۴۴ تا ۱۷۸

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب========= تفسیر الفرقان

نام مصنف========= محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

صفحات ========= ۴۷۰

قیمت ========= 0

موبائل نمبر

03477172726 , 03183625575

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار

شان نزول:	16
دوغلا پن اور یہودی	17
صبر کیا ہے	19
خشوع والے کون ہیں؟	22
لفظ ظن کی تحقیق	23
ربط آیات	24
شان نزول	28
حشر کا منظر	29
بنواسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان	33
فرعون کا نام	35
آل کا لغوی معنی	35

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کے مصداق کی تحقیق	36
بنواسرائیل کے لیے سمندر پھاڑنے کا بیان	41
حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے نام ونسب کا بیان	43
تورات کا نزول اور بنواسرائیل کی گؤ سالہ پرستی	44
سخت ترین سزا	49
حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معذرت کے لیے ستر بنواسرائیل کو طور پر لے جانا	53
اللہ تعالیٰ کا احسان	56
میدان تیہ میں بنواسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان	57
یہود کی پھر حکم عدولی	61
بنواسرائیل پر طاعون کا عذاب	66
طاعون کے متعلق احادیث	66
زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معجزہ	69
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ	70

احسان فراموش یہود	73
شان نزول	77
صائبین کے دین کی تحقیق	78
ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ	80
عہد شکن یہود	85
امتِ مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ	89
بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا واقعہ	104
قاتل کون؟	107
احترام والدین پر انعام الٰہی	109
احکام خداوندی میں حجتیں نکالنا بڑا جرم ہے	114
گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا	115
پتھر دل ہو گئے	118
شان نزول	122
بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان	122

امی" اور" امنیہ" کا معنی	128
ویل کا معنی	131
شان نزول	133
عذاب یہود کے چند دنوں کا بیان	133
جہنمی کون لوگ ہیں	137
معبودان باطل سے بچو	140
والدین کی اطاعت پر، ثواب کے متعلق احادیث	141
ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث	146
رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث	149
یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے میثاق توڑنا	153
اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد	154
دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا	156
عیسیٰ، مریم اور روح القدس کے معنی	158

انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان	159
دل کی چار قسمیں	163
انکار کا سبب	166
یہود کا حسد	169
خود پسند یہودی مورد عتاب	171
یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت	175
یہودیوں کے دعوی کا رد کہ جنت کے وہی مستحق ہیں	177
شان نزول	181
یہود کا جبرائیلؑ کو اپنا دشمن کہنا	183
جبرائیل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب	185
نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر دلیل	188
شان نزول	190
حضرت سلیمانؑ کی طرف جادو کی نسبت	194
ھاروت اور ماروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت	196

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت	197
ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت پر بحث ونظر	200
علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکما جہل ہے	204
سحر کی حقیقت	205
سحر کے شرعی حکم کی تحقیق	207
سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	208
سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	209
سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	211
سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	215
راعنا" کہنے کی ممانعت اور "انظرنا" کہنے کا حکم	217
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا شرعی حکم	221
شان نزول	222
یہودیوں اور مشرکوں کو گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر خیر نازل ہو	223
شان نزول	224

آیات کی تنسیخ	231
نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوالات کی ممانعت	232
شان نزول	236
حسد کی تحقیق	238
حسد کے متعلق احادیث اور آثار	238
آخرت کے لیے نیکیوں کا بھیجنا	247
شان نزول	249
عند اللہ جنتی کون ہے	251
یہود و نصاری کا فرقوں میں بٹنا	253
شان نزول	257
مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ	261
اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے	266
شان نزول	270
شان نزول	275

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے	275
حق تلاوت سے کیا مراد ہے	278
شان نزول	288
حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	290
عہد جو مترادف حکم ہے	292
مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟	302
تعمیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان	311
دعائے ابراہیم (علیہ السلام) کا ماحصل	317
حضرت ابرہیم (علیہ السلام) کے بیٹوں کی سوانح	325
اپنے ہی عمل کام آئیں گے!	330
شرط نجات	336
مشرکین کے اعمال پر بیزاری	339
آیا مکہ میں ابتداء آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟	343
تحویل قبلہ کا بیان	344

امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا	349
نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق	354
کفر وعناد زدہ یہودی	358
اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا	360
قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی توجیہ	364
سچا قبلہ	365
نیکی میں سبقت	366
تین بار نزول حکم	368
ماقبل سے ربط	377
صبر کا مفہوم	377
صبر کی فضیلت	378
مصائب سے بچنے کے لیے نماز کا اہتمام	378
اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان نزول	379
شہدا اور انبیاء کی حیات برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل	381

دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات	384
صبر کے معانی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت	386
مروجہ ماتم کی شرعی حیثیت	391
صفا اور مروہ کے معنی	393
حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی	393
یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں ہے	397
صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مذاہب ائمہ	400
علم چھپانے پر وعید کا بیان	403
توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کی شرط	409
کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات	414
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت	416
واحد کا معنی اور لا الہ اللہ پڑھنے کی فضیلت:	417
شان نزول	420

حلال وطیب غذا	428
معارف ومسائل	430
شان نزول:	433
گمراہی اور جہالت کیا ہے	433
معارف ومسائل	434
جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق	435
حلال اور حرام کیا ہے	438
حرام کیے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان	439
سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم	443
شان نزول	445
تورات میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا	445
اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ	446
آیت مذکورہ کا شان نزول	451
غلام اور ذمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل	451

453	غلام اور ذمی کے قصاص کے متعلق امام ابوحنفیہ ؒ کا مذہب
457	مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل
462	قصاص لینا حکومت کا منصب ہے
466	دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان

﴿اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

شان نزول:

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہود میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے، وہ اپنے غیر مسلم یہودی اعزاء واقربا سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں رائے لیتے تھے کہ ان کا دین حق ہے، اس پر ان کے عزیز واقارب کہتے کہ تم جس دین پر ہو اسی پر قائم رہو، کیونکہ جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں وہ سب حق ہے مگر خود یہ لوگ اپنی شرارت نفس اور دنیاوی طمع کے باعث ایمان نہ لاتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے، اے قوم یہود دنیا کا نفع تو چندروزہ ہے تم اس قلیل نفع سے میری آیتوں کو بدلتے ہو، کیا تمہارے دلوں میں قیامت کے ہولناک دن کا اندیشہ بالکل نہیں رہا، واحدیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی حدیث روایت کی ہے۔[۱]

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" سے وہ اہل

۱۔ تفسیر بغوی، احسن البیان

کتاب مراد ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے لیکن اس سے نفع نہیں اٹھاتے تھے جو اس کے اندر احکام ہیں (یعنی اس پر عمل نہیں کرتے تھے)۔

امام ابن ابی شیبہ نے شعبیؒ سے روایت کیا ایک قوم جنت میں جھانکے گی ایسی قوم پر جو آگ میں ہوگی (اور) جنت والے ان سے پوچھیں گے تم لوگ آگ میں کس طرح پہنچے تم تو وہ عمل کرتے تھے جو تم ہم کو بتاتے تھے (اس لیے ہم جنت میں پہنچ گئے) دوزخ والے جواب دیں گے کہ ہم تم کو بتاتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

امام عبدالرحمنؒ نے زوائد الزہد میں ولید بن عقبہؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اپنے خطبہ میں فرمایا حکم دینے والے دوزخ میں جائیں گے اور ان کی اطاعت کرنے والے جنت میں داخل ہوں گے تو جنتی پوچھیں گے جبکہ حکم دینے والے آگ میں ہوں گے تم کس طرح آگ میں داخل ہوئے حالانکہ ہم جنت میں تمہاری اطاعت سے داخل ہوئے تو وہ لوگ جواب دیں گے ہم تم کو کچھ چیزوں کا حکم کرتے تھے مگر ہم خود اس کی مخالفت کرتے تھے۔ [1]

دوغلا پن اور یہودی

یعنی اہل کتاب اس علم کے باوجود جو کہے اور نہ کرے" اس پر کتنا عذاب نازل ہوتا ہے پھر تم خود ایسا کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا یہ تو بڑی شرم کی بات ہے دوسروں کو کہنے سے

---

١ تفسیر الدر منثور

پہلے انسان کو خود عامل ہونا ضروری ہے اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے لوگوں کو روکتے ہو لیکن اللہ کے اس نبی کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔ [۱]

صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک شخص کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی پڑی ہوں گی اور وہ اپنی انتڑیوں کے گرد پھرتا ہوگا اور عذاب میں مبتلا ہوگا۔دوزخی لوگ اس سے کہیں گے کہ اے شخص تو تو ہم کو نیک کاموں کی نصیحت کیا کرتا تھا۔وہ کہے گا ہاں یہ تو سچ ہے مگر اس نصیحت کے موافق عمل نہیں کرتا تھا۔ [۲]

۔مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شب معراج میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے دوزخ کے فرشتے کاٹ رہے تھے۔آپ نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ عالم ہیں جو لوگوں کو تو نیک کام کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور خود نیک کام کرنے میں غفلت کرتے تھے۔ [۳]

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے علما پر طرح طرح کا عذاب ہوگا۔اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے

۱۔تفسیر ابن کثیر
۲۔بخاری ، مسلم
۳۔صحیح ابن حبان

علماء کو اس بلا سے بچنے کی توفیق دیوے۔ آمین

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾﴾

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور یقیناً یہ بہت بھاری شے ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (نہیں)۔

صبر کیا ہے

امام عبد بن حمید نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واستعینوا بالصبر والصلوۃ" سے مراد ہے کہ یہ دونوں (یعنی صبر اور نماز) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کرنے والے ہیں لہٰذا ان دونوں سے مدد حاصل کرو۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا کہ صبر دو ہیں ایک صبر ہے مصیبت کے وقت جو اچھا ہے اور اس سے زیادہ اچھا وہ صبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں (سے بچنے) پر صبر ہو۔

حضرت ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب الصبر میں ابو الشیخ نے الثواب میں اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں۔ مصیبت پر صبر کرنا، اطاعت پر صبر کرنا اور معصیت (سے بچنے) پر صبر کرنا۔

امام ابن ابی حاتم نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ صبر دو دروازوں میں ہے اللہ کی رضا کے لیے رک جانا

ان چیزوں میں جو زیادہ محبوب ہیں اگر چہ وہ بھاری ہوں نفسوں پر اور جسموں پر اور اللہ کی رضا کے لیے رک جانا ان چیزوں سے جو ناپسندیدہ ہیں اگر چہ ان کی طرف خواہشات مائل ہوں سو جس شخص کا حال اسی طرح کا ہو تو وہ صابرین میں سے ہوگا اور جن پر انشاء اللہ تعالیٰ سلام بھیجا جائے گا۔ (۱)

حضرت حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ میں ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا کیا میں تجھ کو ایسی باتیں نہ بتاؤں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تجھ کو نفع دے گا میں نے عرض کیا ضرور بتایئے فرمایا لازم پکڑ علم کو کیونکہ علم مومن کا دوست ہے اور علم مومن کا وزیر ہے عقل مومن کی رہنما ہے عمل اس کی قیمت ہے شفقت اس کا باپ ہے اور نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کا لشکر کا امیر ہے۔

امام بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا کہ ایمان چار ستونوں پر (قائم) ہے صبر، عدل، یقین اور جہاد۔ (۲)

سعید بن منصورؒ، ابن المنذرؒ، ابن جریر اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ وہ ایک سفر میں چل رہے تھے ان کو ان کے بیٹے کی موت کی اطلاع دی گئی (یہ سن کر) وہ سواری سے اتر آئے اور دو رکعت نماز پڑھی پھر لفظ آیت "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا ہم نے وہی (عمل) کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا یعنی "واستعینوا بالصبر والصلوۃ"۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں عبادہ بن محمد بن عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ جب عبادہ (ابن صامتؓ) کی وفات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ کسی انسان پر تم میں سے مجھ پر رونا جائز نہیں جب میری

۱۔ تفسیر الدر منثور

۲۔ ایضاً

جان نکل جائے تو تم لوگ اچھی طرح وضو کرنا پھر چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھے پھر اس کے بندوں اور اپنے لیے استغفار کرے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے لفظ آیت "واستعینو ابالصبر والصلوٰۃ" پھر مجھے میری قبر کی طرف جلدی لے جانا۔ [۱]

ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وانھا لکبیرۃ" (یعنی یہ بات مشرکوں پر بھاری ہے) کیونکہ مشرکوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کی قسم تو ہم کو بڑے کام کی طرف چلاتا ہے پھر کہا کہ نماز اور اللہ پر ایمان لانے کی طرف (یہ دونوں کام ہمارے لیے بھاری ہیں)۔ [۲]

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز پڑھا کرتے فوراً نماز میں لگ جاتے۔ چنانچہ جنگ خندق کے موقع پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول (ﷺ) ساری رات نماز میں مشغول رہے صبح تک نماز میں اور دعا میں لگے رہے۔ [۳]

ابن جریر میں ہے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ درد شکم داری؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اٹھو نماز شروع کر دو اس میں شفا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثم کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ آیت (انا للہ) الخ پڑھ کر

۱۔ الدر منثور

۲۔ ایضاً

۳۔ تفسیر ابن کثیر

راستہ سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں غرض ان دونوں چیزوں صبر و صلوٰت سے اللہ کی رحمت میسر آتی ہے۔[1]

﴿ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾ ﴾

جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ بیشک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اس آیت کا تعلق پچھلی آیت سے ہے۔

خشوع والے کون ہیں؟

پھر فرمایا کہ خشوع والے وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ خشوع ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں اس بات کا یقین ہے کہ ان کو موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور میدان قیامت میں حاضر ہونا ہے اور بارگاہ خداوندی میں پیشی ہونی ہے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، جس کو ان باتوں کا یقین ہوگا وہ نماز قضا بھی نہ کرے گا، بے وقت بھی نہ پڑھے گا اچھی نماز بھی پڑھے گا۔ اس کو خشوع کی کیفیت بھی

1۔ تفسیر ابن کثیر

حاصل ہوگی۔ رکوع سجدہ بھی ٹھیک کرے گا۔ اس کی تلاوت بھی صحیح ہوگی۔ [۱]

لفظ ظن کی تحقیق

ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے خود قرآن کریم میں آیت (وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا) 18۔ الکہف:53) یعنی گناہ گار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں قرآن میں ایسی جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے ابو العالیہ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کرتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ، سدیؒ ربیع بن انس اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریج بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے آیت (اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ) 69۔ الحاقہ:20) یعنی مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دو چار ہونا ہے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گناہ گار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھ پر طرح طرح کے اکرام نہیں کئے تھے؟ کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کئے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا ہاں پروردگار یہ سب کچھ دیا تھا۔ پھر کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا ہاں اللہ تعالیٰ اسے نہیں مانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بس تو جس طرح مجھے بھول گیا تھا آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہیں۔

۱۔ (قال ابن کثیر ای یعلمون انھم محشورون الیہ یوم القیامۃ معروضون علیہ وانھم الیہ راجعون ای امورھم راجعۃ الی مشیئۃ فلھذ الما ایقنوا بالمعاد والجزاء سھل علیھم فعل الطاعات وترک المنکرات)۔ (ص ۸۸ ج۱)

﴿ يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ ﴾

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔ اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی۔

ربط آیات

گزشتہ رکوع میں ایمان وتقوی کی دعوت دی گئی تھی اور ثابت قدمی کا طریقہ بتایا گیا جو شکر گزاری سے حاصل ہوتا ہے، اگلے (چھٹے) رکوع میں ان انعامات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی امت پر کئے گئے، یہ بھی مسلمانوں کی راہنمائی اور تعلیم کے لیے ہیں، یہی خصوصی انعام تھا جو ایمان وعمل صالح سے حاصل ہوتا ہے، اسی کی بنا پر بنی اسرائیل کو مخلوقات پر فضیلت حاصل تھی، جب انہوں نے ایمان وعمل صالح کو چھوڑ دیا تو انکی فضیلت بھی جاتی رہی۔

امام ابن المنذرؒ نے ابن ابی حاتمؒ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ جب بھی یہ آیت لفظ آیت "اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم" تلاوت کرتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ وہ قوم گزر چکی اب تم مراد ہو۔

امام ابن جریرؒ نے سفیان بن عینیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "اذکروا نعمتی" سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے جو تم پر احسانات ہیں اور اس کے دنوں کو جو تمہیں عطا فرماتے ہیں ان کو یاد کرو۔

عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یبنی اسراءیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم" سے مراد ہے

اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر شمار فرمائیں یا جو ان کے علاوہ ہیں ان کے لیے پتھر سے چشمے جاری فرمائے ان پر من او سلوی کو اتارا اور ان کو فرعون والوں کی عبادت سے نجات دی۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وانی فضلتکم علی العلمین" سے مراد ہے کہ اس جہاں پر فضیلت دیئے گئے جس میں وہ تھے اور ہر زمانہ کے لیے (علیحدہ) جہاں ہوتا ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وانی فضلتکم علی العلمین" سے مراد ہے کہ ان لوگوں پر انہیں فضلیت دی کہ جن کے درمیان وہ تھے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابو العالیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وانی فضلتکم علی العلمین" سے مراد ہے اس زمانہ میں جو لوگ تھے ان پر ان کو فضیلت دی کیونکہ ان کو بادشاہی پیغمبر اور کتابیں عطا کیں اور بلاشبہ ہر زمانہ کے لیے ایک عالم ہوتا ہے۔ [۱]

ان آیات میں ایک مرتبہ پھر بنی اسرائیل کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی جس فضیلت و برتری پر تمہیں فخر و ناز ہے وہ عظمتیں اللہ ہی نے تو عطا کی تھیں۔ اگر تم پھر وہی عظمتیں حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے دین سے پوری طرح وابستگی اختیار کرلو۔ ان نصیحت آموز باتوں کے بعد بنی اسرائیل کی زندگی کے چند اہم واقعات قرآن کریم میں انتہائی اختصار سے بیان کئے جا رہے ہیں یہ واقعات جو عرب کے بچے بچے کی زبان پر تھے اور سب کو اچھی طرح معلوم تھے وہ ان کے لیے سامان عبرت ہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد حضرت یعقوب (علیہ السلام) تک ان کی اولاد (کنعان) فلسطین میں رہی۔ پھر

۱۔ تفسیر الدر منثور

بھائیوں کے بغض وحسد کی بناء پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کو غلام کی حیثیت سے مصر پہنچایا گیا، بادشاہ مصر کے پاس ان کو بہت زیادہ عروج اور ترقی نصیب ہوئی۔

جب کنعان میں شدید قحط پڑا تو حضرت یعقوب (علیہ السلام) اور ان کے بارہ بیٹے مصر ہی میں آباد ہو گئے۔ مصر میں اللہ نے ان کی اولاد کو خوب بڑھایا اور کئی سو سال کے بعد تو ان کی اولاد اور ایمان والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی ان کو بنی اسرائیل کہا جانے لگا یوسف (علیہ السلام) کے وصال اور فرعون کے مرکھپ جانے کے بعد مصعب فرعون تخت سلطنت پر بیٹھا، اس کو بنی اسرائیل سے اس قدر نفرت اور عداوت تھی کہ اس نے ان کو ذلیل کرنے کے لیے تمام وہ طریقے اختیار کئے جن سے وہ معاشرہ کے سب سے معمولی کام کرنے والے بن کر رہ گئے۔ ادنیٰ کاموں کے علاوہ تمام محنت ومشقت کے کام کھیتی باڑی اور اینٹ گارے کا کام لیا جانے لگا، ہر فرعونی کی خدمت کرنا ان کا فرض تھا، ان پر اتنے زبردست ٹیکس لگائے گئے تھے کہ ان کی کمر دھری ہو کر رہ گئی۔ اس سب کے باوجود بنی اسرائیل کی نسل بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی اس سے فرعون کو اور بھی پریشانی تھی اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے تمام بچوں کے قتل عام اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا تا کہ وہ لڑکیاں جوان ہو کر ان کی لونڈیاں بن سکیں۔

غرضیکہ فرعون نے ہر اعتبار سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس قوم پر رحم آ گیا اور عمران کے گھر میں ایک خوبصورت بیٹا پیدا فرمایا جس کا نام موسیٰ (پانی سے نکالا گیا) رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو فرعون کے محل میں پرورش کرا دیا اور بتا دیا کہ اس کائنات میں ساری طاقت وقدرت اللہ ہی کی ہے، موسیٰ (علیہ السلام) جوان ہوئے انہوں نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور

بتایا کہ تمہاری ان ذلتوں کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے اس سچے راستے کو چھوڑ دیا جو اللہ کے انبیاء کا اور نیک لوگوں کا راستہ ہے۔ اگر تم پھر سے عظمتیں حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے دین کو اختیار کرو۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے خطبات سے قوم بنی اسرائیل میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی عظمت کو تسلیم کرلیا ادھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون کو طرح طرح کے معجزات دکھلائے مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑا رہا۔ ایک دن حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم سے بڑی راز داری کے ساتھ اپنی قوم کو اس بات پر تیار کرلیا کہ راتوں رات مصر سے نکل جائیں تا کہ فرعون کے ظلم سے نجات حاصل ہو سکے۔ ایک رات پوری قوم بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہوگئی۔ یہ قوم سمندر (بحر قلزم) کے کنارے پر پہنچی ہی تھی کہ فرعون کو اطلاع ہوگئی اور وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ جب بنی اسرائیل کو اس کی اطلاع ملی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان کے تعاقب میں بڑھا چلا آ رہا ہے تو وہ اس تصور سے بوکھلا گئے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، دائیں بائیں بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے اس وقت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم سے اپنے عصا کو سمندر پر مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بخیریت پہنچ گئے۔ سمندر میں راستے ابھی اسی طرح بنے ہوئے تھے کہ فرعون اور اس کا لشکر وہاں پہنچ گیا اس نے سمندر میں راستے دیکھ کر اسی میں فوج کو داخل ہونے کا حکم دے دیا۔ جب فرعون اور اس کا لشکر سمندر کے درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ کے حکم سے پانی پھر مل گیا اور فرعون اور اس کے تمام لشکری ڈوب گئے۔

فرعون کے ظلم سے نجات فرعون اور قوم فرعون کے غرق ہونے تک ان دو واقعات کی طرف ان آیات

میں یاد دھانی کرائی گئی ہے کہ ظالم کے ظلم سے نجات اور فرعون اور اس کی قوم کے غرق کرنے میں تمہارے اوپر کتنا بڑا انعام تھا مگر تم نے اللہ کا شکر ادا کرنے بجائے تکبر اور غرور کا راستہ اختیار کیا۔ (۱)

﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾ ﴾

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

شان نزول

شان نزول اس آیت کا یہ ہوا تھا کہ یہود دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ہماری شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان باطل کو رد فرما دیا۔ (۲)

امام ابن ابی حاتم نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "لا تجزی نفس عن نفس" سے مراد ہے کہ کوئی مومن شخص کسی کافر شخص کو کوئی فائدہ یا نفع نہیں پہنچائے گا ذرا بھی۔

امام ابن جریرؒ نے عمر بن قیس ملائیؒ سے روایت کیا کہ اور انہوں نے بنو امیہ کے ایک آدمی سے روایت

۱۔ تفسیر بصیرت القرآن
۲۔ (تفسیر مظہری)

کیا ہے جو اہل شام میں سے تھے جس کی اچھی تعریف کی گئی وہ فرماتے ہیں کہ پوچھا گیا یا رسول اللہ! عدل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فدیہ۔

امام ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولا یؤ خذ منھا عدل" میں عدل سے مراد ہے فدیہ۔ ①

حشر کا منظر

نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا جیسے فرمایا آیت (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی)35۔فاطر:18) یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا اور فرمایا آیت (لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ)80۔عبس:37) یعنی اس دن ہر شخص نفسا نفسی میں پڑا ہوا ہوگا اور فرمایا، اے لوگو اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ارشاد ہے آیت (وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ) 2۔البقرۃ:48) یعنی کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہو اور فرمایا ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی دوسری جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ دوست۔یہ بھی ارشاد ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا اور جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا اور جگہ ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اس کے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی کچھ قبول نہ ہوگا اور

ا تفسیر الدر منثور

دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گےاور جگہ ہے۔ گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں دوسری جگہ ہے آج تم سے نہ بدلہ لیا جائے نہ ہی کافروں سے تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بغیر سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے قرآن میں ارشاد ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کرلو جس دن نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت مزید فرمایا آیت (يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ) 14 ۔ ابراہیم: 31) اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے ایک روایت میں ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عدل کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا فدیہ۔ [1]

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی سفارش قبول نہ ہوگی، مگر دوسرے مقامات پر وضاحت فرمائی ہے کہ جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ کفار کے لیے شفاعت ہے، ہاں جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اس کے لیے سفارش ہوگی اور اسے نفع بھی دے گی۔ قیامت کے دن اہل ایمان کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت کی احادیث متواتر ہیں۔

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، 1 مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے کہ ایک مہینہ کی مسافت سے میرا دشمن مجھ سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ 2 میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے، میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لے۔ 3 میرے لیے اموال غنیمت حلال کردیے گئے ہیں۔ 4 ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا

1۔ تفسیر ابن کثیر

گیا ہے۔5اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔"[۱]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں: "میں سفارش کے لیے روانہ ہوں گا، یہاں تک کہ میں اپنے رب سے اجازت لوں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا، جب تک وہ چاہے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا، اپنا سر اٹھاؤ اور سوال کرو، تمہیں وہ چیز عطا کردی جائے گی جس کا تم سوال کرو گے، کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ تب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ کی تعریف ان الفاظ میں کروں گا جن الفاظ کی تعلیم اللہ مجھے اس وقت دے گا اور پھر میں سفارش کروں گا، پھر اللہ میرے لیے ایک حد مقرر کردے گا تو میں ان لوگوں کو (سفارش کر کے) جنت میں داخل کراؤں گا۔[۲]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔[۳]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور ہر ایک نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کرلیا اور میں اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہے اور یہ انشاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جو

۱۔[بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): جعلت لی الأرض مسجدًا وطہورا: ٤٣٨]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ (وعلم آدم الأسماء کلہا): ٤٤٧٦]

۳۔(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

شرک سے پاک رہے گا۔ (۱)

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص (اویس قرنی یا عثمان) کی شفاعت کے سبب سے بنوتمیم کے افراد سے زیادہ جنت میں داخل ہونگے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایک گروہ کی شفاعت کریں گے، کچھ ایک قبیلہ کی، کچھ ایک جماعت کی اور کچھ ایک شخص کی حتی کہ وہ سب جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم موذن سے اذان سنو تو وہ کلمات دہراؤ، پھر مجھ پر درود شریف پڑھو، کیونکہ جو مجھ پر ایک صلوۃ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے وسیلہ (مقام رفیع) کی دعا کرو، کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (۳)

حضرت عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدھی امت کو جنت میں داخل کردے، یا میں

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۳۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

شفاعت کروں۔ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہو گی جو شرک پر نہیں مرے گا۔ ①

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ ﴾

اور وہ (وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

(فرعون): فرعون، یہ مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر اور فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور چین کے بادشاہ کو خاقان کہتے تھے، اسی طرح مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے۔

(یسومونکم): وہ تمہیں ستاتے ہیں، وہ تمہیں سخت تکلیف دیتے ہیں، سوم سے مضارع۔ (یستحیون): وہ زندہ چھوڑ دیتے ہیں، استحیاء سے مضارع جو حیوۃ سے ماخوذ ہے۔ (بلآئ): آزمائش، ابن عباسؓ، مجاہدؒ ابو العالیہ اور سدیؒ وغیرہ سے یہاں نعمت کے معنی منقول ہیں۔ امتحان اور آزمائش، بھلائی اور برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

۱۔ (جامع ترمذی ص ۱۵۰ ج ۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بنواسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان

سورہ بقرہ کی آیت ۴۹ سے لے کر آیت ۶۰ تک اللہ نے بنواسرائیل پر کی گئی دس نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے' ان میں پہلی نعمت بنواسرائیل کو فرعون کے مظالم اور اس کے عذاب سے نجات عطا فرمانا ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ فرعون بنواسرائیل کو عذاب دیتا تھا' ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا' بعض سے مکان بنواتا' بعض سے کاشتکاری کراتا' بعض سے مزدوری لیتا اور جن سے کوئی کام نہ لیتا ان سے جزیہ لیتا تھا۔ (۱)

سدیؒ نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنواسرائیل کو چھوڑ دیا' اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی' انہوں نے کہا: جس شہر سے بنواسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے' وہاں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے' تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنواسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے' اس نے قبطیوں سے کہا: تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلا لو اور ان کی جگہ بنواسرئیل سے کام لو اور ان سے نیچ اور رذیل کام لو' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طآئفة منھم یذبح ابنآء ھم ویستحی نسآء ھم "۔(القصص:۴)

۱۔(جامع البیان ج۱ص۲۴۱' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ترجمہ: بیشک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے (اپنے) اہل زمین میں الگ الگ گروہ کر کے ان میں ایک گروہ (بنو اسرائیل) کو کمزور کر رکھا تھا' ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔

بنو اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے' اور بنو اسرائیل کے بوڑھے قضاء الٰہی سے مر رہے تھے' ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا' تب قبطیوں نے کہا کہ بنو اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے تھے اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا' پھر ہمارے کام کون کرے گا؟ تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سال بنو اسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں' جس سال وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون (علیہ السلام) پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سال بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ [۱]

فرعون کا نام

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہے اور فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبع ہے اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے' ترک کے بادشاہ خاقان ہے' مسلمانوں کے بادشاہ کا لقب سلطان' ہندوؤں کے بادشاہ کا لقب راجا اور انگلستان کے بادشاہ کا لقب جارج ہے' فرعون کا لفظ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ نے امام ابن اسحاقؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن میں جس فرعون کا ذکر ہے

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس کا نام ولید بن مصعب بن الریان تھا۔ [۱]

آل کا لغوی معنی

علامہ زبیدی حنفیؒ لکھتے ہیں: کسی شخص کے اھل (بیوی) اور اس کے عیال (اولاد) کو اس شخص کی آل کہتے ہیں اور اس شخص متعین اور احباء کو بھی آل کہتے ہیں' حدیث میں ہے: سلمان ہمارے آل بیت سے ہے' قرآن مجید میں ہے: (آیت) "کداب ای فرعون" اس میں آل فرعون سے مراد اس کے متبعین ہیں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے: صدقہ محمد اور آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی آل ہی وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور صدقہ کے بدلہ میں ان کو خمس دیا گیا' اور یہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا: آپ کی آل کون ہیں؟ فرمایا: آل علی' آل جعفر' آل عقیل اور آل عباس' حضرت انسؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا: آل محمد کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہر تقی (متقی)

آل کا استعمال غالباً اشراف میں ہوتا ہے' اس لیے آل اسکاف (موچیوں کی آل) نہیں کہا جائے گا اگرچہ اھل اسکاف کہا جاتا ہے' نیز اس کی اضافت اعلام ناطقین کی طرف ہوتی ہے نکرہ' زمان اور مکان کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوتی' اس لیے آل رجل' آل زمان یا آل مکان نہیں کہا جائے گا' اس کی اصل اھل ہے اور اس کی تصغیر اھیل آتی ہے۔ [۲]

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (تاج العروس ج ۷ ص ۲۱۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

امام ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ آل فرعون سے مراد فرعون کے اہل دین اور اس کے متبعین ہیں۔ (۱)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کے مصداق کی تحقیق

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کے متعلق تین قول ہیں' آپ کے متبعین' اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت' اور مومنین میں سے آپ کے نسبی قرابت دار اور یہ آل علی' آل جعفر' آل عقیل' آل عباس اور آل حارث بن عبدالمطلب ہیں۔ (۲)

آل سے آپ کے متبعین ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں آل فرعون کا لفظ آیا ہے اس سے فرعون کے متبعین اور اس کے اھل دین مراد ہیں اور حضرت نوح (علیہ السلام) سے ان کے بیٹے کے متعلق فرمایا: (آیت) "انہ لیس من اھلک، انہ عمل غیر صالح"۔ (۳)

ترجمہ: بیشک وہ آپ کے اھل سے نہیں ہے' بیشک اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابوجہل اور ابولہب کو آپ کی آل اور اھل نہیں قرار دیا جاتا حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان نسبی قرابت داری ہے۔ امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو! فلاں شخص کی آل میرے ولی نہیں ہیں' میرا ولی اللہ ہے اور نیک مومن

۱۔(جامع البیان ج۱ص۲۱۲' مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت'۱۴۰۹ھ)

۲۔(ہدایہ اولین ص۲۰۶)

۳۔(ھود:۴۶)

میرے ولی ہیں۔ (۱)

امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرزاقؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ایک شخص نے ثوری سے پوچھا: آل محمد کون ہیں؟ ثوری نے کہا: اس میں لوگوں کا اختلاف ہے' بعض نے کہا: اہل بیت ہیں اور بعض نے کہا: جو آپ کی اطاعت کرے اور آپ کی سنت پر عمل کرے وہ آپ کی آل ہے' امام بیہقیؒ نے کہا: امام عبدالرزاقؒ کا بھی یہی قول ہے اور یہی رائے حق کے مشابہ ہے' کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) سے فرمایا کہ کشتی میں ہر جوڑے میں سے دو کو اور اپنے اھل کو سوار کرو' حضرت نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: میرا بیٹا بھی میرے اھل سے ہے' تیرا وعدہ حق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے' فرمایا: اے نوح! بیشک تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے' اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے حضرت نوحؑ کے بیٹے کو ان کے اھل سے نکال دیا۔

(۲)

نیز امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل آپ کی امت ہے۔ (۳)

امام طبرانیؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا گیا کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۳۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

شخص۔ ①

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لوگ اپنے اپنے صدقات لے کر آتے تو آپ فرماتے: اے اللہ! آل فلاں پر صلوۃ نازل فرما' سو میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! آل اوفی پر صلوۃ نازل فرما۔ ②

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی آل پر صلوۃ پڑھی جاتی ہے اور آپ کا آل ابی اوفی پر صلوۃ پڑھنا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی آپ کی آل میں ہیں۔

نیز امام حاکمؒ روایت کرتے ہیں: حضرت مصعب بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: نیک مسلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔ ③

اس حدیث میں بھی اس پر دلالت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہر متبع اور صالح مومن آپ کی آل سے ہے۔

۱۔ (معجم صغیر ج۱ ص۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ) حافظ الہیثمی (رح) نے اس حدیث کو درج کر کے لکھا ہے: اس میں نوح بن ابی مریم ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج۱۰ ص۲۶۹' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ) امام بیہقی (رح) نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ابوھرمز بصری ایک ضعیف روای ہے۔ (سنن کبری ج۲ ص۱۵۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان) قاضی عیاض مالکی (رح) نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ (الشفاء ج۲ ص۶۶ مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان) حافظ سیوطی (رح) نے اس حدیث کو امام ابن مردویہ' طبرانی اور بیہقی (رح) کے حوالوں سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ (الدرالمنثور ج۳ ص۱۸۳' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران) ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف روای ہے لیکن یہ تعدد اسانید کی وجہ سے حسن لغیرہ ہوگئی اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے' نیز اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے

۲۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۹۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۳۔ (المستدرک ج۳ ص۵۹۸ دارالباز مکہ مکرمہ)

آل کے متعلق دوسرا قول ہے: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذریت اور آپ کی ازواج' اس کی دلیل یہ حدیث ہے' امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: ابوحمید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم آپ پر کسی طرح صلوۃ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوۃ نازل فرما اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت پر' جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر صلوۃ نازل فرمائی ہے۔ (۱)

اس حدیث میں آپ نے آل کی جگہ ازواج اور ذریت کا ذکر فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت بھی آپ کی آل ہیں۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کون ہیں؟ ازہری اور دیگر محققین کا مختار یہ ہے کہ تمام امت آپ کی آل ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہل بیت (ازواج) اور آپ کی ذریت ہے۔ (۲)

آل کے متعلق تیسرا قول ہے: مومنین میں سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نسبی قرابت دار' یعنی بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب آپ کی آل ہیں' اس پر دلیل یہ حدیث ہے: امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن ابی طالبؓ نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: چھوڑ' چھوڑ' اس کو پھینک دو' کیا تم کو علم نہیں کہ ہم

۱۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۱۷۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۱۷۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

صدقہ نہیں کھاتے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (۲)

﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۰﴾

اور (وہ وقت یاد کرو!) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دے دی، اور آلِ فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

(فرقنا): ہم نے پھاڑ دیا۔ ہم نے (پانی کو) الگ الگ کر دیا، فرق سے ماضی۔ (البحر): سمندر، ابن کثیر، خطیب اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد بحر قلزم ہے جیسے بحر احمر بھی کہتے ہیں۔

(انجینکم): ہم نے تمہیں نجات دی، ہم نے تمہیں بچا لیا، انجاء سے ماضی۔ (اغرقنا): ہم نے غرق کر دیا، ہم نے ڈبو دیا، اغراق سے ماضی۔ (تنظرون): تم دیکھتے ہو، نظر سے مضارع۔

امام عبد بن حمید نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم واغرقنا ال فرعون" سے مراد

۱۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۳۴۴۔۳۴۳ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' کراچی ' ۱۳۷۵ھ)
۲۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۳۴۵۔۳۴۴ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' کراچی ' ۱۳۷۵ھ)

ہے اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ان کے لیے پھاڑ دیا یہاں تک کہ خشک راستہ بن گیا جس میں وہ چل رہے تھے لفظ آیت ”فانجینکم واغرقنا ال فرعون“ یعنی ان کے دشمن کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا یہ انعام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ان کو جتا رہا ہے تا کہ وہ شکر کریں اور اس کے حق کو پہچانیں۔ [۱]

بنو اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑنے کا بیان

امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں: جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنو اسرائیل کو لے کر مصر جانے لگے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچ گئی اس نے کہا: ابھی رہنے دو' صبح مرغ کی اذان کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے' اس رات مرگ نے اذان نہیں دی' جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک بکری ذبح کرائی اور کہا: جب میں اس کی کلیجی کھانے سے فارغ ہوں تو یہاں چھ لاکھ قبطی جمع ہو جائیں' پھر چھ لاکھ قبطیوں کے ساتھ فرعون نے بنو اسرائیل کا پیچھا کیا' ادھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب سمندر کے کنارے پہنچے تو ان کے اصحاب میں سے یوشع بن نونؑ نے کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا حتی کہ جب وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچا تو پھر لوٹ آئے اور پھر پوچھا کہ آپ کے رب نے کہاں سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ تین بار اس طرح ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف یہ وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر پر ماریں' جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے سمندر پر عصا مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا حتی کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں

۱۔ تفسیر الدر منثور

کے ساتھ اس سے پار گزر گئے۔ بعد میں جب فرعون اور اس کے ساتھ قبطی اس سے گزرنے لگے تو سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اور قبطی غرق ہو گئے۔ یہ سمندر بحر قلزم تھا' قتادہؒ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبطی بارہ لاکھ تھے۔ (۱)

یہ واقعہ عاشوراء (دس محرم) کے دن پیش آیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے دریافت فرمایا: "تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا، یہ بڑی عظمت والا دن ہے، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی، سو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں تمہاری نسبت موسیٰ (علیہ السلام) کا زیادہ حق دار ہوں۔" پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (۲)

پھر رمضان کے روزے فرض ہونے پر عاشوراء کا روزہ نفل قرار دے دیا گیا اور وفات سے پہلے آپ نے فرمایا: "اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو میں ضرور نو (محرم) کا روزہ رکھوں گا۔" مگر آپ اس سے پہلے فوت ہو گئے۔ (۳)

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۹' ۱۱۸۔۲۱۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء: ۲۰۰۴۔ مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء: ۱۱۳۰]

۳۔ [مسلم، کتاب الصیام، باب أی یوم یصام فی عاشوراء؟: ۱۱۳۴]

﴿وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾﴾

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا پھر تم نے بنالیا بچھڑے کو (معبود) اس کے بعد اور تم ظالم تھے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے نام ونسب کا بیان

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے' اور دو کلموں سے مل کر بنا ہے' مو کا معنی ہے پانی اور سا کا معنی ہے: درخت' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی ماں نے فرعون کے خوف سے تابوت میں رکھ دیا تھا اور اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا' سمندر کی موجیں اس تابوت کو فرعون کے گھر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں لے آئیں' فرعون کی بیوی آسیہ کو وہ تابوت ملا' اس نے اس تابوت سے بچہ نکال لیا اور چونکہ یہ بچہ اسے پانی اور درختوں میں ملا تھا تو اس جگہ کی مناسبت سے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا نام ونسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصھر بن قاعث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام)۔ [1]

تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی گؤ سالہ پرستی

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳٤۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق ؒ نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنو اسرائیل کو اس سے نجات دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا' پھر ان کو دس مزید راتوں سے پورا کیا۔ ان راتوں میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب سے ملاقات کی' اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کو بنو اسرائیل پر خلیفہ بنایا اور کہا : میں اپنے رب کے پاس جلدی میں جا رہا ہوں' تم میرے خلیفہ بنو اور مفسدوں کی پیروی نہ کرنا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنے رب سے ملاقات کے شوق میں جلدی چلے گئے' حضرت ہارون (علیہ السلام) قائم مقام ہوئے اور سامری بھی ان کے ساتھ رہا۔

ابو العالیہؒ نے بیان کیا ہے: یہ مدت ایک ماہ ذوالعقدہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے' اس مدت میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنے اصحاب کو چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہارونؑ کو ان پر خلیفہ بنایا اور کوہ طور پر چالیس راتیں ٹھہرے اور ان پر زمرد کی الواح میں تورات نازل کی گئی' اللہ تعالیٰ نے ان کو قریب کر کے سرگوشی کی اور ان سے ہم کلام ہوا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے قلم کے چلنے کی آواز سنی' اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ان چالیس دنوں میں وہ بے وضو نہیں ہوئے حتیٰ کہ طور سے واپس آئے۔ [1]

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے تورات کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو موسیٰ (علیہ السلام)' حضرت ہارون (علیہ السلام) کو خلیفہ بنا کر طور پر چلے گئے' بنو اسرائیل

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص۲۲۲' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

کے پاس قبطیوں کے وہ کپڑے اور زیورات تھے جو آنے سے پہلے قبطیوں سے انہوں نے عاریۃً لیے تھے' حضرت ہارون (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: یہ کپڑے اور زیورات تمہارے لیے جائز نہیں ہیں ان کو جلا دو' انہوں نے ان کو جمع کر کے آگ لگا دی' جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سمندر میں جا رہے تھے تو سامری نے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو ایک گھوڑی پر جاتے ہوئے دیکھا تھا' اس نے اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی تھی' سامری کے پاس جو سونا اور چاندی تھی اس نے اس کو پگھلا کر اس کا ایک بچھڑا بنا لیا اور اس میں وہ مٹی ڈال دی' اس کے اثر سے اس مجسمہ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگی' پھر سامری نے بنو اسرائیل سے کہا: یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا خدا ہے اور وہ قوم اس گؤ سالہ کی پرستش کرنے لگی' حضرت ہارون (علیہ السلام) اور بارہ ہزار دیگر افراد کے علاوہ سب نے گؤ سالہ پرستی کی۔ ①

﴿ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٥٢ ﴾

پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔

(عفونا): ہم نے معاف کیا عفو سے ماضی، عفو گناہ کے محو کرنے کو کہتے ہیں۔ (تشکرون): تم شکر کرتے ہو، تم احسان مانتے ہو، شکر سے مضارع، مفسرین کے مطابق یہاں شکر سے مراد اطاعت ہے، شکر، قلب زبان اور اعضاء سب سے ہوتا ہے، حسن نے کہا کہ نعمت کا شکر اس کا ذکر کرنا ہے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم حقیقی کی رضا میں صرف کیا جائے۔

تشریح:

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳٤٤ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا ایک اور احسان یاد دلایا ہے کہ جب تمہارے نبی عبادت کی غرض سے چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے کوہ طور پر گئے تو ان کے جانے کے بعد تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی، پھر ان کے آنے پر ان کے سمجھانے سے تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بھی بخشدیا۔ ۱

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں منقول ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے مالک وخالق تو نے مجھے بیشمار نعمتیں عطا فرمائیں اور مجھے ان پر شکر ادا کرنے کا حکم بھی فرمایا مگر اے میرے پروردگار میرا کسی نعمت پر شکر ادا کرنا بھی تو تیری ہی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تم بڑے عالم ہو، اس زمانے میں تم سے زیادہ کسی کا علم نہیں، یاد رکھو میرے بندے کو شکر اتنا ہی کافی ہے۔ کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو نعمت حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ ۲

ابن جریرؒ نے ابوالعالیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ثم عفونا عنکم من بعد ذلک لعلکم تشکرون" سے مراد ہے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے کے بعد ہم نے تم کو معاف کردیا۔ ۳

﴿وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝٥٣﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور فرقان عطا فرمائی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

۱۔(ابن کثیر ۹۱-۱)

۲۔(مظہری ۷۱-۱)

۳۔تفسیر الدر منثور

امام عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واذا اتینا موسیٰ الکتب والفرقان" کہ کتاب سے مراد فرقان ہے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔

امام ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ "فرقان" تورات، انجیل، زبور اور فرقان کا جامع اسم ہے۔[۱]

(الفرقان: فرق کرنا)۔فرقان کے کئی معانی کیے گئے ہیں: (1)۔فرقان سے مراد بھی تورات ہی ہے۔ (2) کفر و ایمان میں فرق کرنے والے معجزات جیسے عصا اور ید بیضاء وغیرہ (3) حلال و حرام میں فرق کرنے والی شریعت مراد ہے۔[۲]

(آیت) "موسیٰ الکتب والفرقان"۔:۔الخ نعت: (٦):۔یہاں سے مذکورہ بالا دونوں نعمتوں کی تفصیل کا بیان ہے، "کتاب" سے مراد تورات ہے اور "الفرقان" سے مراد بھی تورات ہے یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی یہ دونوں معانی درست ہیں۔[۳]

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "الفرقان" سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات مراد ہیں سیاق کلام سے بھی یہ بات دور نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تورات کے علاوہ آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کے لیے معجزات بھی عطا فرمائے۔[۴]

۱۔تفسیر الدر منثور

۲۔(مدارک، البقرہ، تحت الایۃ:53، ص52)

۳۔(بیضاوی:ج:۱:ص۷۸:معالم التنزیل:ج:۱:ص:۴۲:ابن کثیر:ج:۱:ص:۱۴۴:بحر محیط:ص:۲۰۲:ج:۱:النہر الماد:ص:۲۰۲:ج:۱)

۴۔(بیضاوی:ج:۱:ص۷۸روح المعانی:ص:۲۵۱:ج:۱)

(آیت) "لعلکم تھتدون"۔ کتاب دینے کی حکمت: تاکہ تم کتاب میں تدبر کرکے اوراس کی آیات میں غور کرکے راہ پاؤ۔

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٤﴾ ﴾

اور یاد کرو! جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

سخت ترین سزا

یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا

یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورہ طٰہ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو بتا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے رہ گئے اور قتل کرنا شروع کیا قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جب اندھیرا ہٹا تو انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ ایک سخت فرمان تھا جس کی ان لوگوں نے تعمیل کی اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمادیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارونؑ نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرمادیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور غذا پا رہے ہیں اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی۔ تلواریں نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں، بھائیوں میں قتل و خون موقوف ہوا اور اللہ تواب و رحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (۱)

۱۔ تفسیر ابن کثیر

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اپنے رب کا یہ حکم دیا کہ تم اپنی جانوں کو قتل کرو تو وہ لوگ جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی وہ گوٹ مار کر بیٹھ گئے اور وہ لوگ کھڑے ہو گئے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں خنجر اٹھا لئے۔ شدید اندھیرا ان پر چھا گیا اور وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ جب ان سے اندھیرا ختم ہوا تو ستر ہزار افراد قتل ہو چکے تھے ہر ایک ان میں سے جو قتل ہوا یہ اس کی توبہ تھی اور جو باقی بچ گیا تھا اس کے لیے بھی یہی توبہ تھی۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ قوم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا ہماری توبہ کس طرح ہوگی؟ انہوں نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو (یعنی جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے پوجا کی ہے) تو انہوں نے چھریاں اٹھا لیں اور ہر ایک آدمی نے اپنے بھائی اپنے باپ اور اپنے بیٹے کو قتل کرنا شروع کر دیا اللہ کی قسم وہ قتل کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار ان میں سے قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ ان کو حکم کرو کہ اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھا لیں (یعنی قتل کرنا چھوڑ دیں) وہ شخص بخشا گیا جو قتل ہو چکا اور اس شخص کی توبہ قبول ہو چکی جو باقی ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ لفظ آیت "انکم ظلمتم انفسکم" (الآیہ) سے مراد ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے قوم کو سخت آزمائش کا حکم فرمایا تو وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور پھر یوں ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگے اور بعض بعض کو قتل کرنے لگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا پوری ہو گئی اور جب وہ اس حد کو پہنچ گئے تو ان ہاتھوں سے چھریاں نیچے گر گئیں اور وہ قتل کرنے سے

رک گئے اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل کو ان میں سے زندہ کے لیے توبہ قرار دیا اور مقتول کے لیے شہادت قرار دیا۔

امام احمدؒ نے الزہد میں اور ابن جریرؒ نے زھریؒ سے روایت کیا کہ جب بنی اسرائیل کو اپنی جانوں کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ میدان کی طرف نکلے ان کے ساتھ موسیٰ (علیہ السلام) بھی تھے انہوں نے تلواریں چلائیں اور خنجر مارنے لگے اور موسیٰ (علیہ السلام) اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھائے ہوئے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے کو فنا کر دیا انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہمارے لیے دعا فرمایئے اور انہوں نے آپ کے بازوؤں کو پکڑ لیا اور ان کے قتل ہونے کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا تو ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔ ان سب نے ہتھیار ڈال دیئے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل اس قتل و قتال پر جو ان میں ہوا (بہت) غم گین ہوئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کس چیز پر آپ غم گین ہو رہے ہیں؟ جو تم میں سے قتل ہوا وہ میرے نزدیک زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے اور جو باقی ہے اس کی توبہ قبول کر لی گئی اس بات سے موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل خوش ہو گئے۔

الطستیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ نافع بن ازرقؒ نے ان سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت "الی بارکم" کا مطلب بتایئے انہوں نے فرمایا اس کا معنی "خلقکم" (یعنی تمہارا پیدا کرنے والا) انہوں نے پھر عرض کیا کیا اس معنی کو عرب جانتے ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے تبع (شاعر) کا قول نہیں سنا۔

شھدت علی احمد انہ رسول من اللہ باری النسم

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کیونکہ وہ روحوں کے پیدا کرنے والے اللہ کے رسول ہیں۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابوالعالیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "الی بارئکم" کا معنی ہے "خلقکم" اور تمہارا خالق (پیدا کرنے والا)

امام عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا کہ ایک دوسرے کو خنجروں کے ساتھ قتل کرو انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ [1]

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾

اور یاد کرو! جب کہ تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین کرنے والے نہیں، جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، تو تمہیں بجلی نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معذرت کے لیے ستر بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا

1۔ تفسیر الدر منثور

امام محمد بن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف لوٹے اور بچھڑے کی عبادت کرنے پر بنو اسرائیل کو ملامت کی اور بچھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا' پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد ستر تھی' سے فرمایا: تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے چلو اور اپنی اس گؤ سالہ پرستی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو' جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا: آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کو کلام سن لیں' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اچھا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اس بادل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا: تم قریب آ جاؤ' جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لا سکتا تھا' تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے' جب قوم اس بادل کے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہنے لگے: ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیان دیکھ نہ لیں اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آ پڑی اور وہ سب مر گئے۔ [۱]

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۲ ۔ ۲۳۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کی دیدار کو طلب کرنا جائز ہے لیکن بنواسرائیل نے چونکہ سرکشی اور عناد سے دیدار طلب کیا تھا اس لیے ان کو بجلی کی کڑک کا عذاب ہوا اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور آخرت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے معتزلہ اس کے منکر ہیں۔

امام ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "حتی نری اللہ جھرۃ" کا مطلب ہے علانیہ (یعنی اعلانیہ طور پر دیکھنا)

امام ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے ربیع بن انسؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واذ قلتم یموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ" سے مراد وہ ستر آدمی ہیں جن کو موسیٰ (علیہ السلام) نے (طور پر لے جانے کے لیے) چنا تھا۔ لفظ آیت "فاخذتکم الصعقۃ" یعنی وہ سب (عذاب کی وجہ سے) مر گئے۔

امام الطستیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نافع بن ازرقؒ نے ان سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت "فاخذتکم الصعقۃ" کے بارے میں بتائیے انہوں نے فرمایا اس سے مراد ہے عذاب اور اس کی اصل ہے موت۔ [1]

﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ ﴾

پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھا دیا تمہاری موت کے بعد، تا کہ تم شکر ادا کرو۔

امام محمد بن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا: اے اللہ! اگر تو چاہتا تو انکو پہلے ہی ہلاک کر دیتا' جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو میری کیسے

1۔ تفسیر الدر منثور

تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے؟

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مسلسل دعا کرتے رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان میں روحیں لوٹا دیں پھر بنو اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا احسان

(بعثنکم): ہم نے تمہیں زندہ کر کے اٹھایا، بعث سے ماضی۔

تشریح: جب بجلی کی کڑک سے بنی اسرائیل کے چنیدہ لوگ ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بارگاہ خداوندی میں التجا اور رحمت کی درخواست کرنے لگے اور عرض کی کہ بنی اسرائیل تو پہلے ہی مجھ سے بدگمان رہتے ہیں، اب یہ خیال کریں گے کہ میں نے ہی کسی تدبیر سے انکا کام تمام کیا ہے اے اللہ مجھے اس تہمت سے محفوظ رکھ، آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک دن رات مردہ حالت میں پڑے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ایک کر کے زندہ کر دیا، جو زندہ ہو کر اٹھتا تھا وہ دوسرے کو زندہ ہوتے دیکھتا تھا۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس لیے زندہ کر دیا تاکہ وہ اپنا رزق اور بقیہ عمریں پوری کر لیں، اگر وہ اپنی عمر ختم کر کے مرتے تو پھر قیامت ہی میں اٹھائے جاتے۔ (۲)

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص۲۳۲۔۲۳۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (معارف القرآن ۱۔۲۲۷، مظہری ۱۔۷۳)

﴿ وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡٓا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝٥٧ ﴾

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا، اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلوی نازل کیا، جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

میدان تیہ میں بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

علامہ قرطبی ؒ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جبارین کے شہر میں داخل ہوں اور ان کے خلاف جہاد کریں' انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا: آپ اور آپ کا رب ان سے جنگ کریں' ہم یہیں بیٹھے رہیں گے' ان کی اس گستاخی کی سزا کے طور پر ان کو میدان تیہ میں چالیس سال تک سرگرداں رکھا گیا' میدان تیہ مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ فرسخ (ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا ہے) کا ایک وسیع وعریض میدان ہے۔ اس کی تفصیل اور پس منظر اس طرح ہے:

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے دور میں یہ لوگ مصر آکر مقیم ہوئے۔ فرعون مصر کی غلامی کا دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا' بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ

(علیہ السلام) کے ذریعے انہیں نجات عطا فرمائی' فرعون سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس دوران ملک شام پر قوم عمالقہ قابض ہو چکی تھی' فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا وطن آزاد کرائیں۔ بنی اسرائیل جہاد کے لیے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے' جب یہ عمالقہ کی حدود کے قریب پہنچے تو ان کی قوت اور طاقت کا حال سن کر ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے' اللہ تعالیٰ نے انکے اس جرم کی سزا یوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے' رات بسر کرنے کے بعد صبح کو اپنے آپ کو وہیں پاتے جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا ہوتا' اسی پریشان حالی کے عالم میں چالیس سال انہوں نے میدان تیہ میں گزار دیئے۔ اس وادی میں نہ کوئی سایا دار درخت تھا اور نہ ہی کوئی عمارت' نہ پینے کے لیے پانی نہ کھانے کے لیے کوئی چیز' نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات' اس بے سروسامانی کے عالم میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا سے ان کے لیے سب سامان مہیا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاؤ اور سایہ کے حصول کے لیے بادل بطور سائبان نازل فرمادیا' کھانے کے لیے من وسلویٰ بھیج دیا' من وسلویٰ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' صحیح قول یہی ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔

سلویٰ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں' صحیح قول یہی ہے کہ وہ بٹیر تھا' بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے' وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے' الغرض من وسلویٰ ان کی شیریں اور نمکین غذائیں تھیں جنہیں کھاتے تھے' حضرت موسیٰ

(علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر پر عصا مارا اور اس سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ تاریکی دور کرنے کے لیے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی۔ لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معجزہ اس طرح دکھایا کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے بچوں کے جسم کے ساتھ ساتھ بچوں کا لباس بڑھتا رہتا تھا۔[1]

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وظللنا علیم الغمام" سے مراد ہے جس بادل سے بنی اسرائیل پر سایہ کیا گیا اس سے ٹھنڈا اور پاکیزہ بادل وہ ہوگا جس میں قیامت کے دن اللہ کا حکم آئے گا قیامت کے دن آئے گا اور یہ وہی بادل ہے جس میں بدر کے دن فرشتے اترے تھے اور یہ بادل ان کے ساتھ میدان تیہ میں رہا تھا۔

حضرت ابوالشیخ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وظللنا علیکم الغمام" سے مراد وہ سفید بادل ہے جس میں پانی نہیں ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ نے ابومجلزؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وظللنا علیکم الغمام" سے مراد وہ بال ہے جس نے ان پر میدان تیہ میں سایہ کیا تھا۔

عبد بن حمید اور ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ "المن" ایک ایسی چیز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر شبنم کی مانند گاڑھے شیرہ کی طرح اتاری تھی اور "السلوی" چڑیا سے بڑا پرندہ تھا۔

امام وکیعؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ "المن" ایک گوند تھی اور "السلوی" ایک پرندہ تھا۔

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج۱ ص ۴۰۸۔۴۰۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ (جب) انہوں نے کہا اے موسیٰ یہاں ہمارے لیے پانی کا کیا ہوگا اور کھانا کہاں سے آئے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر من کو نازل فرمایا اور وہ ترنجبین کے درخت پر گرتا تھا۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے وھب بن منبہؒ سے روایت کیا کہ ان سے پوچھا گیا کہ من کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا جوار، چھنے ہوئے آٹے کی طرح نرم روٹی۔

امام ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتم نے ربیع بن انسؒ سے روایت کیا کہ "المن" ایک پینے کی چیز تھی جو ان پر شہد کی مانند نازل ہوتی تھی وہ اس کو پانی میں ملا لیتے تھے پھر اس کو پیتے تھے۔

امام ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ من ان پر رات کو درختوں پر نازل ہوتی تھی۔ وہ صبح کو اس کی طرف جاتے تھے اور اس میں سے جتنا چاہتے تھے کھا لیتے تھے اور سلویٰ کی مانند ایک پرندہ تھا اس میں جتنا چاہتے کھا لیتے تھے۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ "المن" وہ چیز تھی جو آسمان سے درختوں پر نازل ہوتی تھی لوگ اس میں سے کھاتے تھے اور سلویٰ ایک بٹیر تھی۔ [۱]

(آیت) "وما ظلمونا:۔الخ عدل وانصاف باری تعالیٰ:۔ اور ان لوگوں کو یہ حکم ہوا تھا کہ بقدر خرچ لے لیا کریں آئندہ کے لیے جمع کر کے نہ رکھیں مگر ان لوگوں نے حرص کے مارے اس میں بھی خلاف کیا تو رکھا ہوا گوشت سڑنا شروع ہوا اسی کو فرمایا ہے کہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ [۲]

احمدؒ، بخاریؒ اور مسلمؒ نے حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

۱۔ تفسیر الدر منثور

۲۔ تفسیر جلالین، معارف القرآن، احسن البیان

فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا اور گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے بے وفائی نہ کرتی۔ [1]

﴿ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ ﴾

اور یاد کرو! جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں، اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں سے داخل ہونا اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور عنقریب نیکی کرنے والوں کو زیادہ اجر دیں گے۔

یہود کی پھر حکم عدولی

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق اس شہر سے مراد بیت المقدس ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اریحا ہے' ابن کیسانؒ نے کہا: اس سے مراد شام ہے اور ضحاکؒ نے کہا: اس سے مراد رملہ ہے یعنی اردن اور فلسطین۔ اس آیت میں ایک اور نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو میدان تیہ سے نجات دی اور

۱۔ (مظہری ۷۳۔۱)

بیت المقدس میں داخل ہونے کا موقع عنایت فرمایا' اس کی تفصیل اس جیسا کہ پچھلی آیت میں بیان فرمایا ہے بنواسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں رہے' اس عرصہ میں پہلے حضرت ہارون (علیہ السلام) کی اور پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات ہوگئی۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) نے قوم عمالقہ سے جہاد کیا اور جو بنواسرائیل زندہ بچ گئے تھے' انہوں نے حضرت یوشع بن نون کا ساتھ دیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنواسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی' جب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور حطۃ (ہمارے گناہوں کو معاف فرما) کہتے ہوئے داخل ہونا' مگر یہ لوگ اللہ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور "حنطۃ" یا "حنطۃ فی شعرۃ" (گندم' گندم بالی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے' اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو گندم چاہیے۔[1]

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ادخلوا ھذہ القریۃ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم بیان کرتے تھے کہ وہ بیت المقدس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تھا لفظ آیت "وقولوا حطۃ نغفرلکم خطٰیکم، وسنزید المحسنین" فرمایا کہ جو شخص خطا کار ہوگا اس کی خطاؤں کو بخش دیا جائے گا اور جو شخص نیک ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو (اور) زیادہ مقدر فرمادیں گے۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت "وسنزید المحسنین" کے بارے میں فرمایا کہ جو تم سے پہلے نیکی کرنے والا تھا اس کی نیکیوں کو بڑھا دیا جائے گا اور جو خطا کار ہوگا

۱۔(الجامع الاحکام القرآن ج۱ص۴۱۱۔۴۰۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اس کی خطاؤں کو ہم معاف کر دیں گے۔

جب موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جو ان کی موروثی زمین تھی ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورہ مائدہ میں ذکر ہے قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدیؒ، ربیعؒ، قتادہؒ، ابو مسلمؒ وغیرہ نے یہی کہا ہے، قرآن میں ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لیے لکھ دی گئی ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد اریحاء ہے بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لیے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کی اظہار تشکر کا مظہر ہو گا ابن عباسؓ نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ امام رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا حطۃ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے عکرمہؒ کہتے ہیں اس سے مراد آیت (لا الہ الا اللہ) کہنا ہے ابن عباسؓ کہتے ہیں ان میں گناہوں کا اقرار ہے حسن اور قتادہؒ فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے

ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں تمہاری خطاؤں سے درگزر کرلوں گا۔ فتح مکہ کے موقع پر فرمان الٰہی سورہ اذا جاء نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آجائے مکہ فتح ہو اور لوگ دین اللہ میں فوج درفوج آنے لگیں تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرو اس سے استغفار کرو وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر واستغفار کا ذکر ہے وہاں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آخری وقت کی خبر تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے فرمایا تھا جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر تھے یہاں تک کے سر جھکائے ہوئے تھے اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کہ ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکریہ کی بھی دونوں طرح کے قول محدثین کے ہیں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسری کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعتیں پڑھیں دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں واللہ اعلم۔ (۱)

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا

۱۔ تفسیر ابن کثیر

عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾

سو بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی، تو ہم نے ان لوگوں پر جنھوں نے ظلم کیا تھا، آسمان سے ایک عذاب نازل کیا، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بجائے "حنطۃ" فی شعرۃ کہتے ہوئے جانے لگے۔ نسائی، عبدالرزاق، ابوداؤد، مسلم اور ترمذی () میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت براء فرماتے ہیں سیقول السفھاء میں سفہاء یعنی جاہلوں سے مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا حضرت ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں حطۃ کے بدلے انہوں نے حنطۃ حبۃ حمراء فیھا شعیرۃ کہا تھا ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے ھطا سمعانا ازبتہ مزبا ابن عباس ؓ بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بدلے

حطۃ کہتے ہوئے داخل ہوئے حضرت عطاؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ، حسنؒ، قتادہؒ، ربیعؒ، یحییٰؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔ (۱)

بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زیدؒ نے بیان کیا کہ جب بنو اسرائیل سے کہا گیا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور حطۃ کی جگہ انہوں نے حنطۃ کہا تو طاعون کی وبا کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا جس سے ان کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے اور ان کے بیٹے بچ گئے اور بنو اسرائیل میں جس فضل اور عبادت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کے بیٹوں میں تھا اور ان کے تمام آباء و اجداد طاعون کی اس وبا میں ہلاک ہو گئے تھے۔ (۲)

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (جامع البیان ج۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اس طاعون سے ستر ہزار بنو اسرائیل ہلاک ہوئے تھے۔ (۱)

طاعون کے متعلق احادیث

حافظ سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

امام احمدؒ امام ابن جریرؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ، حضرت سعید بن مالکؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ طاعون گندگی ہے اور تم سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا ان کا بچا ہوا عذاب ہے، اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں ہو تو تم وہاں سے مت نکلو اور اگر تم کو یہ خبر پہنچے کہ فلاں علاقہ میں طاعون ہے تو تم وہاں نہ جاؤ۔ (۲)

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳)

نیز امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ عذاب ہے، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اس کو بھیج دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا، جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہو اور وہ صبر کے ساتھ وہیں ٹھہرا رہے اور اس کا ایمان ہو کہ اس کو وہی مصیبت پہنچے گی جو اس کی تقدیر میں ہے تو

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)
۲۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)
۳۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس کو ایک شہید کا اجر ہوگا۔ (۱)

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔ (۲)

امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو گئے (اور میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو) تو تم پر مختلف عذاب نازل ہوں گے' جب قوم علانیہ بدکاری کرنے لگے تو اس میں طاعون پھیل جاتا ہے اور ایسے دردوں والی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے اس میں قحط سالی' سخت مشقت اور ظالم حکومت نازل کی جاتی ہے اور جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے وہ بارش سے محروم کر دیے جاتے ہیں' اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل نہ ہوتی' اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عہد شکنی کرتے ہیں' ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کے بعض اموال کو لوٹ لیتے ہیں اور جو ائمہ اور حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے اور آپس کی جنگوں کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔ (۳)

۞ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص' ۸۰۴۔۸۰۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص' ۳۹۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۳۔ (سنن ابن ماجہ ص' ۲۹۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ
عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا پتھر پر اپنا عصا مارو، چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر ایک قبیلے نے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی (پھر ہم نے کہا کہ) اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معجزہ

میدان تیہ میں جب بنو اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کریں' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس چٹان پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' وہ چٹان اب بھی جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے' ایک عیسائی محقق نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے فلسطین کا سفر کیا اور اس چٹان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے اور آگے کی طرف جھکی ہوئی ہے۔

ایک پتھر پر عصا مارنا اور اس سے پانی کے چشموں کا پھوٹ پڑنا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معجزہ ہے۔اس پتھر نے زمین کی اندرونی تہوں سے پانی کھینچ لیا تھا' یا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس پتھر میں پانی پیدا کر دیا' چٹان پر لاٹھی مار کر پانی نکالنا خلاف عادت کام ہے لیکن بہت زیادہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین کے نیچے پانی ہوتا ہے اور آلات کے ذریعہ زمین کو کھود کر پانی نکالا جا سکتا ہے۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے آلات کے بغیر لاٹھی کی ایک ضرب سے بارہ چشمے جاری کر دیئے لیکن ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معجزہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کو جاری کر دیا اور وہاں سے پانی نکالا جہاں سے عادتاً پانی ہوتا نہیں ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے چمڑے کا ایک چھوٹا سا برتن تھا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وضو کیا تو سب لوگ ٹوٹ پڑے' آپ نے پوچھا' تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: ہمارے پاس نہ وضوء کے لیے پانی ہے اور نہ پینے کے لیے' صرف یہی پانی ہے جو آپ کے پاس ہے' آپ نے اس برتن پر اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی ابلنے لگا' ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہم سب نے وضوء کیا' راوی نے پوچھا: حدیبیہ کے دن آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ حضرت جابرؓ نے کہا:

ہم لوگ پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کافی ہو جاتا۔ (۱)

حضرت جابرؓ نے پندرہ سو صحابہؓ کے وضو کرنے کا ذکر کیا ہے' یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے' قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے تین سو صحابہ کے وضوء کرنے کو روایت کیا ہے' یہ مدینہ منورہ میں مقام زوراء کا واقعہ ہے۔ (۲)

حسن بصریؒ نے حضرت انسؓ سے ستر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے وضو کا واقعہ روایت کیا ہے' یہ کسی سفر کا واقعہ ہے۔ حمید نے حضرت انسؓ سے اسی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے وضو کرنے کو روایت کیا ہے' یہ مدینہ منورہ میں مسجد کے قریب کسی جگہ کا واقعہ ہے۔ (۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے چشمے پھوٹنے کا معجزہ متعدد بار سفر اور حضر میں رونما ہوا اور یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ سے کئی درجے افضل ہے۔

بارہ چشمے اس لیے کہ بنی اسرائیل کے بھی کل بارہ اسباط (قبیلے) تھے اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلہ کے لے الگ چشمہ نکال دیا جزیرہ نمائے سینا میں اب بھی ایک چٹان پائی جاتی ہے جس پر چشموں کے شگاف ہیں اور سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں اور جس مقام پر یہ چٹان موجود ہے وہ عیون موسیٰ کے نام سے مشہور ہے جس پتھر پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) عصا ماتے تھے اس کے متعلق مفسرین عجیب وغریب حکایات نقل کی ہیں کہ وہ پتھر کس شکل کا تھا اور کہاں سے لایا گیا تھا مگر صحیح یہ ہے وہ کوئی سمعین پتھر نہ تھا بلکہ بوقت ضرورت جس پتھر پر بھی عصا مارتے تو اس سے چشمے جاری ہو جاتے حسن بصریؒ سے یہی منقول ہے

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۰۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۰۴)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۰۵)، (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۰۵)

وھذا اظھر فی المعجزہ ابین فی القدرہ۔ [1]

اور کہا ہم نے بنی اسرائیل سے کھاؤ اور پیو تم اللہ کے خاص رزق سے جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بغیر ظاہری اسباب کے توسط کے تم کو عطاء فرمایا ہے اور دل وجان سے اللہ کا شکر کرو اور اللہ کا رزق کھا کر اس کی معصیت اور نافرمانی پر دلیر مت بنو۔ اور زمین میں فساد مچاتے اور پھیلاتے نہ پھرو یعنی زمین پر اللہ کی معصیت نہ کرو۔

ف: لاتعثوا عثی سے مشتق ہے جس کے معنی سخت فساد مچانے کے ہیں یعنی مفسد اور فسادی تو تم پہلے ہی سے ہو مگر خیر اس فساد کو تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھو۔ اس میں اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرو اور نہ لوگوں میں اس کو پھیلاؤ۔ [2]

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ

۱۔ (تفسیر ابن کثیر)
۲۔ تفسیر معارف القرآن ادریس کاندھلوی

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اور یاد کرو! جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعاء کیجئے وہ ہمارے لیے ان چیزوں میں سے نکال دے جن کو زمین اگاتی ہے۔ یعنی زمین کی ترکاریاں، اس کی ککڑیاں، اس کی گندم، اس کی دالیں اور اس کی پیاز۔ موسیٰ نے کہا" جو (غذا) بہتر تھی کیا تم اس کو ایسی چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو جو گھٹیا درجے کی ہیں؟ کسی شہر میں جا اترو تو یقینا تمہارے لیے وہ کچھ ہوگا جو تم نے مانگا، اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لیے (بھی) ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

احسان فراموش یہود

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی، یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے، مصر سے یہاں ملک مصر مراد نہیں بلکہ کوئی بھی شہر مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو مطلوبہ چیزیں درکار ہیں تو کسی بستی میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں دالیں اگاؤ، یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لیے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا کہ تمہاری مطلوبہ چیزیں وہاں ملیں گی کھیتی باڑی کرا ور کھاؤ، تم کو مَن و سلوی جیسی عمدہ اور لذیذ بے مشقت حاصل ہونے والی غذا کی قدر نہیں ہے۔ (۱)

ترکاریوں سے مقصود، پودینہ، سونف، گندنا، وغیرہ ہیں اور قثاء سے مراد کھیرے، ککڑی وغیرہ ہیں اور فوم سے مراد گندم ہے بلکہ چاول، مکئی، باجرہ، جوار سبھی اجناس اس میں شامل ہیں نیز دال مسور اور پیاز کا بھی مطالبہ کیا قرآن پاک میں پانچ نباتاتی اجناس کا ذکر ہے۔

امام عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " واذ قلتم یموسی نصبر علی طعام واحد" سے مراد من اوسلوی ہے اس کے بدلے انہوں نے سبزیاں طلب کیں اور دیگر دوسری اشیاء جن کا ذکر آیت میں ہے۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتمؒ نے کئی طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ " وفومھا" سے مراد روٹی ہے۔ دوسرے لفظ میں گندم مراد ہے اور لفظ میں حنطہ فرمایا (یعنی گیہوں) بنی ہاشم کی لغت میں۔

وکیعؒ، عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہد و عطاؒ (دونوں) سے روایت کیا کہ " وفوقھا" سے مراد خبز یعنی روٹی ہے۔ (۲)

۱۔ تفسیر جلالین

۲۔ تفسیر الدر منثور

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک ایک بنی اسرائیل ان میں موجود تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے پھر بازاروں میں جا کر اپنے لین دین میں مشغول ہو جاتا (ابوداؤد طیالسی) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا وہ امام جو تصویریں بنانے والا یعنی مصور ہوگا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا بدلہ تھا یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کئے ہوئے کام ہی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے واللہ اعلم۔ ①

جب بنو اسرائیل نے من اور سلوی کی بجائے زمین کی پیداوار میں سے گندم اور مسور کی دال وغیرہ کو طلب کیا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو تعجب اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: تم اس کامل اور لذیذ غذا کے بدلہ میں ادنی درجہ کی چیزیں مانگ رہے ہو' تم کسی بھی زرعی زمین میں چلے جاؤ' وہاں تم کو مطلوبہ اجناس مل جائیں گی' لیکن بنو اسرائیل نے جو کفران نعمت کیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واضح معجزات کا مذاق اڑایا اور انبیاء (علیہم السلام) کو قتل کیا' کیونکہ انہوں نے اشعیا' زکریا اور یحییٰ (علیہم السلام) وغیرھم کو بلاوجہ قتل کیا تھا' اس کی سزا میں ان پر دنیا میں ذلت اور خواری مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہوئے اور اخروی عذاب دائم اس کے علاوہ ہے۔

بنو اسرائیل نے انبیاء (علیہم السلام) کو جو ایذا پہنچائی اور قتل کیا اس کی شہادت تورات سے حسب ذیل ہے:

اور اخی اب نے سب کچھ کیا جو انبیاء نے کیا تھا اور یہ بھی کہ اس نے سب نبیوں کو تلوار سے قتل کر دیا۔ ②

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (۱۔ سلاطین' باب: ۱۹: آیت ۱ پرانا عہد نامہ ص ۳۰۳' مطبوعہ لاہور)

اور شاہ اسرائیل نے کہا: میکایاؔ (یہ نبی تھے۔) کو لے کر اسے شہر کے ناظم امون اور یوآس کے پاس لوٹا لے جاؤ اور کہنا: بادشاہ یوں فرماتا ہے کہ اس شخص کو قید خانہ میں ڈال دو اور اسے مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا جب تک میں سلامت نہ آؤں۔ (۱)

تب خدا کی روح یہویدع کاہن کے بیٹے زکریا پر نازل ہوئی سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا: خدا یوں فرماتا ہے کہ تم کیوں خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا۔ (۲)

یرمیاہؑ نبی کے متعلق لکھا ہے۔

اور جب یرمیاہؑ قید خانہ کے صحن میں بند تھا خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا۔

وہ کلام جو خداوند کی طرف سے یرمیاہؑ پر نازل ہوا' اس کے بعد کہ جلو داروں کے سردار بنوزرادان نے اس کو رامہ سے روانہ کر دیا' جب اس نے اسے ہتھکڑیوں سے جکڑا ہوا ان سب اسیروں کے درمیان پایا جو یروشلم اور یہوداہ کے تھے جن کو اسیر کر کے بابل کو لے جا رہے تھے۔ (۳)

حضرت یحییٰؑ کے متعلق لکھا ہے:

وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی کہ میں چاہتی ہوں کہ یوحنا بپتسما دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں

۱۔(۱۔سلاطین' باب:۲۲ آیت ۲۷۔۲۶ پرانا عہد نامہ ص ۳۵۷' مطبوعہ لاہور)

۲۔(۲۔تواریخ' باب:۲۴ آیت ۲۱۔۲۲ پرانا عہد نامہ ص ٤٤٦' مطبوعہ لاہور)

۳۔(یرمیہ باب: ٤٠ آیت:۱ پرانا عہد نامہ ص ۳۵۳' مطبوعہ لاہور)، یرمیاہ باب ۳۹ آیت:۱٦۔

کے سبب سے اس سے انکار نہ کرنا چاہا۔ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے' اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔[1]

یہودیوں پر ذلت مسلط کیے جانے کے باوجود اسرائیل کی حکومت کی توجیہ:

یہودیوں پر ذلت اور مسکنت جو ڈالی گئی ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو ذلیل اور غیروں کا محتاج رکھا گیا ہے اگرچہ یہودی مال دار ہیں لیکن یہ بہت خسیس اور بخیل ہیں' یہ مال جمع کرنے کی حرص میں ہمیشہ ذلت' خواری اور بدحالی کی زندگی سیاست اور فوجی قوت میں بڑی طاقتوں خصوصا امریکہ کے محتاج ہیں' قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "ضربت علیھم الذلۃ این ماثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس: (آل عمران: ۱۱۲)

ترجمہ: یہ جہاں کہیں بھی رہیں ان پر خوار ہونا لازم کر دیا گیا ہے بجز اس کے کہ یہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی کا سہارا لیں۔

اور آج کل جو ان کی حکومت قائم ہے وہ برطانیہ اور امریکہ کی رسی کے سہارے ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ ﴾

۱۔ (مرقس باب: ٦ آیت: ۲۹۔۲٦ نیا عہد نامہ ص ۳ ۵ ۳' مطبوعہ لاہور)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور نصاریٰ، اور صابئین، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

شانِ نزول

ابن ابی حاتمؒ اور عوفیؒ نے اپنی سند میں ابن ابی نجیحؒ کے حوالہ سے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے ان حضرات کے دین کے حوالہ پوچھا جن کے دین پر میں خود تھا، چنانچہ میں نے آپ سے ان کی نماز اور عبادت کا ذکر کیا اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اور واحدیؒ نے عبداللہ بن کثیرؒ کے ذریعہ سے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلمانؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنے دوستوں کا ذکر کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ وہ سب جہنم میں ہیں۔ حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان سنتے ہی زمین میرے لیے تاریک ہوگئی، تب یہ آیت کریمہ "ان الذین امنوا"۔ نازل ہوئی، فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے میرے اوپر سے ایک پہاڑ ہٹ گیا اور ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ [1]

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ)

صابئین کے دین کی تحقیق

صابئین کا لفظ صباء سے بنا ہے علامہ ابن جریرؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

جو شخص ایک دین کو ترک کر کے دوسرے دین کو اختیار کر لے اس کو لغت میں صابئ کہتے ہیں' مجاہدؒ نے کہا: صابئ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین نہ ہو۔ مجاہدؒ سے ایک روایت ہے کہ صابئ' مجوس اور یہود کے درمیان ایک قوم ہے ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے' حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ صابئ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں' ابوالعالیہؒ نے کہا: صابئین اھل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور کو پڑھنے والا ہے۔ (۱)

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اسحاقؒ نے کہا: صابئین اھل کتاب کا ایک فرقہ ہے' امام ابوحنیفہؒ نے کہا: ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابواللیث سمرقندی حنفیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے نزدیک ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ (۲)

خلیل نے کہا: ان کا دین دین نصاریٰ کے مشابہ ہے' جنوب کی ہوا کی طرف ان کا قبلہ ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے دین پر ہیں' حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ ہمارے علماء نے جو ان کے متعلق بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صابی موحد ہیں اور ستاروں

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۵۳۔۲۵۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۱۲۵)

کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں' اسی وجہ سے ابو سعید اصطخری ؒ نے ان کی تکفیر کی ہے۔ [۱]

علامہ آلوسی حنفیؒ لکھتے ہیں: صابئین کے کئی فرقے ہیں' روم کے صابئی ستارہ پرست ہیں' ھند کے صابئی بت پرست ہیں' امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صابئی بت پرست نہیں ہیں' یہ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ [۲]

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: صابہ کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا اقرار کرتے ہیں۔ (قھستانی) اور بدائع میں مذکور ہے' ان کی کتاب زبور ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان کے کئی فرقے ہوں۔ [۳]

اغلب یہی ہے کہ صابئین کے کئی فرقے ہیں ان کے متعلق جتنے اقوال ہیں' ان کے اتنے ہی فرقے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ جس فرقے کے متعلق کہا کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے وہ حکما اھل کتاب ہیں' تمام صابئین کے متعلق امام اعظم کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔

ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ

اس آیت میں دوسری تحقیق طلب بات یہ ہے کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے یہودی' عیسائی اور صابئی ان میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ان کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوگا' تو جو ایمان لا چکے ہیں ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہوگا' ان میں جو ایمان لائے' کیونکہ ایمان لائے ہوئے لوگوں کا پھر

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۳۵۔۴۳۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ) علامہ بیضاوی (رح) نے ان اقوال کے علاوہ یہ قول نقل کیا ہے کہ صابئی ستارہ پرست ہیں۔ (انوار التنزیل (درسی) ص ۷۹' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

۲۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۲۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

۳۔ (رد المختار ج ۱ ص ۱۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ایمان لانا تحصیل حاصل ہے۔اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱)(آیت)"ان الذین امنوا" سے مراد یہ ہے کہ جو زبان سے ایمان لائے اور (آیت)"من امن باللہ" سے مراد ہے: دل سے ایمان لائیں یعنی جو لوگ صرف زبان سے ایمان لائے ہیں جیسے منافقین ان میں سے جو دل سے ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو ان کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا' اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

(آیت)"یایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ" (النساء:۱۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

یعنی جو صرف زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں وہ دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔

(۲)(آیت)"ان الذین امنوا" سے مراد یہ ہے کہ جو ماضی میں اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور "من امن باللہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں برقرار اور ثابت قدم رہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس ؓ سے منقول ہے کہ (آیت)"ان الذین امنوا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان رکھتے تھے اور یہود اور نصاریٰ نے جو دین میں باطل چیزیں داخل کر لی ہیں ان سے بری تھے' مثلاً قس بن ساعدہ' بحیرہ راہب' حبیب النجار' زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' سلمان فارسی اور نجاشی کا وفد' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: جو لوگ بعثت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے ایمان لائے تھے' اور یہود و نصاریٰ

میں سے جو ادیان باطلہ پر ہیں' ان میں سے جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اس کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہو گا۔ [۱]

آیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟

اس آیت سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ نجات کے لیے مسلمان ہونا اور حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان' یہودی' عیسائی' اور صابئی جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں' ان کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہو گا اور موجودہ یہودی اور عیسائی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' لہٰذا ان میں سے جو بھی نیک کام کرنے والے ہیں ان سب کی نجات ہو گی۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ "من امن باللہ" امعنی ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہو گا جب اللہ تعالیٰ کے ہر قول اور اس کے ہر حکم کو مان لیا جائے اور جب تک سیدنا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ کا رسول اور آپ کو خاتم النبیین نہ مان لیا جائے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہو گا ' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "محمد رسول اللہ"۔ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں۔

(آیت) "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین"۔ (الاحزاب:٤٠)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ہیں۔
ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک سیدنا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ کا رسول اور آخری نبی نہ مان لیا جائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا صحیح نہیں ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
(آیت) ”ان الدین عند اللہ الاسلام“۔ (آل عمران:۱۹)
ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔
(آیت) ”ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون۔ (التوبہ:۳۳)
ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے‘ خواہ مشرکین پسند نہ کریں۔
(آیت) ”ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین“۔ (آل عمران:۸۵)
ترجمہ: اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔
ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی یہودی‘ عیسائی یا صابئی اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول نہیں کرے گا اس کا اللہ پر ایمان نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔
نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے‘ جب تک کہ اس موضوع سے متعلق تمام آیات اور احادیث کا مطالعہ نہ کرلیا جائے‘ کیونکہ بعض آیات

مجمل ہوتی ہیں اور ان کی تفصیل دوسری آیات میں ہوتی ہے' بعض آیات بظاہر متعارض ہوتی ہیں اور ان میں کسی دقیق وجہ سے تطبیق ہوتی ہے اور بعض آیات منسوخ اور بعض ناسخ ہوتی ہے' بعض آیات عام ہوتی ہیں اور بعض دوسری آیات ان کے لیے مخصص ہوتی ہیں اور یہی حال احادیث کا ہے اس لیے کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر نتیجہ نکلنا صحیح نہیں ہے۔

نجات کے لیے صرف دین کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے۔

امام ابن جریرل اور امام ابن ابی حاتم ؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان یہود اور نصاری آپس میں ملے' یہود نے مسلمانوں سے کہا: ہم تم سے بہتر ہیں' ہمارا دین تم سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تم سے پہلے ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہم ہی دین ابراہیم پر ہیں اور جنت میں صرف یہودی ہی داخل ہوں گے' نصاری نے بھی اسی طرح کہا' مسلمانوں نے کہا: ہماری کتاب تمہاری کتاب کے بعد ہے' اور ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے نبی کے بعد ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین کے بعد ہے اور تم کو اپنے دین کے ترک کرنے اور ہمارے دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں' ہم ہی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے دین پر ہیں اور جنت میں وہی شخص داخل ہوگا جو ہمارے دین پر ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

(آیت) "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب، من یعمل سوءا یجزبہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا۔ ومن یعمل من الصلحت من ذکر اوانثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا"۔ (النساء: ۱۲۴۔۱۲۳)

ترجمہ: تمہاری خواہشوں پر (کچھ موقوف ہے) نہ اھل کتاب کی امیدوں پر' جو برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے سوا کوئی حمائتی اور مددگار نہ پائے گا۔ اور جو حالت ایمان میں نیک کام کریں گے' خواہ مرد ہو یا عورت تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔۔ ①

خلاصہ یہ ہے کہ یہود اور نصاری کا یہ دعوی کرنا باطل ہے کہ جنت ان کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی مسلمان کا محض زبانی ایمان کا دعوی کرنا کافی ہے بلکہ جو اللہ اور اس کے رسول پر صحیح ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا وہ جنتی ہوگا' اسی نہج پر یہ آیت ہے کہ جو لوگ محض زبان سے اسلام کا دعوی کرتے ہیں' اور یہودی' عیسائی' اور صابئ ان کا محض زبان سے اسلام کا دعوی کرنا' یا کسی کا یہودی ہونا یا کسی کا عیسائی ہونا یا کسی کا صابئ ہونا نجات کا سبب نہیں ہے' نجات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور آخرت کو مانیں بایں طور کہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آخری نبی مانیں اور پچھلے تمام ادیان کو منسوخ مانیں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں اور ان کو آخرت میں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ﴾

اور یاد کرو! جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر کوہِ طور کو بلند کیا۔ پکڑو

۱۔ (المنار ج ۱ ص ۳۳۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

قوت کے ساتھ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

عہد شکن یہود

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لیے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جیسے اور جگہ ہے آیت (وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ) 7۔الاعراف:171) جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کر کھڑا کیا اور وہ یقین کر چکے کہ اب پہاڑ ان پر گر کر انہیں کچل ڈالے گا اس وقت ہم نے کہا ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤ گے "طور" سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورہ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہ اور تابعین نے اس کی تفسیر کی ہے ثابت یہی ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ اگتا ہو۔ حدیث فتون میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کی طرف دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹا لیا اسی وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا اس سے مراد تورات ہے قوت سے مراد اطاعت ہے یعنی تورات پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو

اوراس پرعمل کرو یعنی تورات پڑھتے پڑھاتے رہو۔[1]

اس آیت میں جو طور کا لفظ ہے اس کے مصداق میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: اس سے مراد وہ پہاڑ ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا تھا' مجاہدؒ اور قتادہ ؒ نے کہا: اس سے غیر معین پہاڑ مراد ہے' مجاہدؒ نے کہا: سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا: ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو' تو انہوں نے کہا: جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے' پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ ہلاک کیے گئے' اور پھر زندہ کئے گئے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا' انہوں نے پھر انکار کیا' تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں' ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے آگ آرہی تھی' ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا' تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے' انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا: اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا: پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

1۔ تفسیر ابن کثیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو یعنی اس میں تدبر اور غور وفکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے متقضی پر عمل کیا جائے یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور وفکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے، امام نسائیؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا اس حدیث میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ بتلا دیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔ [1]

ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کہا کہ لفظ آیت "خذوا ما اتینکم بقوۃ" میں قوۃ سے مراد بجد ہیں یعنی مضبوطی کے ساتھ پکڑنا۔

ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے ابو العالیہؒ سے روایت کیا کہ "واذکروا ما فیہ" سے مراد ہے کہ جو کچھ تورات شریف میں ہے اس کو پڑھو اور اس پر عمل کرو۔

ابن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ "لعلکم تتقون" سے مراد ہے کہ شاید تم ان اعمال سے رک جاؤ جن میں پہلے مبتلا تھے۔ [2]

ایک شبہ کا ازلہ: یہاں ہوسکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟

جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان واسلام قبول کر لینے اور اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے ہے باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے ان کے لیے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ص ۴۳۷۔۴۳۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

۲۔ تفسیر الدر منثور

جائیں اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے کفر کی سزا قتل نہیں۔ ①

﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾﴾

پھر تم اس کے بعد پھر گئے تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔

بظاہر اس آیت کے مخاطب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے کے یہود ہیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم لوگوں نے اتنے پختہ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور عہد شکنی کر ڈالی، اس کے باوجود ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا تم سے پہلے بے ایمانوں اور عہد شکنوں پر ہوتا رہا، یہ تم پر محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وجود باوجود کا فضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو "رحمۃ اللعالمین"۔ بنا کر بھیجا ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا اور تم اس عہد شکنی کی بنا پر دنیا اور آخرت میں برباد ہو جاتے۔ ②

امتِ مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ

۱۔ معارف القرآن

۲۔ (ابن کثیر ۱۰۵۔۱، مظہری ۷۸، ۷۹۔۱)

امت محمدیہ کے لیے بھی اس میں لحہ فکریہ ہے کہ بنی اسرائیل اور یہود جو امت محمدیہ ہی کی طرح ایک حامل دعوت امت تھے ان کے بارے میں صاف صاف بتایا جارہا ہے کہ ان کی بقا اور عزت کا تمام تر دارومدار ان کی طرف نازل ہونے والی کتاب پر عمل کرنے پر تھا۔ جب تک وہ اس پر عامل رہے تو وہ دنیا کی ایک عظیم قوم تھے۔ انھیں بڑے بڑے ملکوں کی حکمرانی بھی حاصل تھی۔ لیکن جب انھوں نے اپنی کتاب سے اعراض کیا تو وہ سامان عبرت بن کر رہ گئے۔ آج اس امت کے لیے بھی سوچنے کا موقعہ ہے کہ ہماری قسمت بھی ترازو میں ہے۔ قرآن کریم ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت محفوظ شکل میں ہمارے پاس ہے، ہمارے ساتھ بھی اللہ کا وہی وعدہ ہے جو اہل کتاب کے ساتھ تھا۔ ہماری بقا اور سرافرازی کا دارومدار اسی دین سے وابستگی پر ہے۔ ورنہ اس سے اعراض کی صورت میں ہمارے ساتھ بھی وہی ہوگا جو اہل کتاب کے ساتھ ہو چکا۔

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾﴾

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر بن جاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد (علیہ السلام) کے زمانہ میں "ایلہ" میں آباد تھی، یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا' اس جگہ کے سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں

بہت مچھلیاں آتی تھیں' ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیا' ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا' یہی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا' وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے' نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں ملوث رہی' خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے' کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں' نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے' مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ' ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔[۱]

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے' جب مجرموں نے انکی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا' تو مانعین نے کہا: بہ خدا! ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے' انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد (علیہ السلام) نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل فرمایا' ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا کہ مجرمین میں سے کوئی نہیں نکلا' جب کافی دیر ہو گئی تو وہ دیوار پھاند کر گئے' دیکھا تو وہ تمام لوگ بندر بن چکے تھے' ایک قول یہ ہے کہ جوان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے' وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے' وہ تین دن اس حال میں روتے رہے' پھر سب ہلاک ہو گئے اور

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔ [1]

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معجزہ کا اظہار ہے' کیونکہ آپ امی تھی آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے' اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الٰہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بہ کثرت مچھلیاں آتی تھیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہتات دیکھ کر پھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے پر جمے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

(آیت) "احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لایفتنون۔ (العنکبوت:۲)

ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟۔

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فرماں برداروں اور نافرمانوں کو متمیز کر دیتا ہے۔

موجودہ بندروں کے مسخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق:

ایک بحث یہ ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر آیا انہی بنو اسرائیل کی نسل سے ہیں جن کو مسخ کر دیا تھا یا وہی بندر اور خنزیر ہیں جو شروع سے نسل در نسل چلا آرہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسخ شدہ بنو اسرائیل تین

۱۔ (تفسیر خازن ج۱ ص۶۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

دن بعد مر گئے تھے۔ امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت ذکر کی ہے' اس میں ہے:

جن لوگوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کیا تھا' ان کی معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا' وہ زمین میں صرف تین دن زندہ رہے' انہوں نے کچھ کھایا' نہ پیا' نہ ان کی نسل چلی' اور اللہ تعالیٰ نے بندروں' خنزیروں اور باقی تمام مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کیا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا اور وہ جس کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۱)

تقریباً تمام علماء اسلام' محدثین' مفسرین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے، البتہ علامہ ابن العربی مالکیؒ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے کہا: اس میں اختلاف ہے کہ جن کو مسخ کیا گیا تھا ان کی ان کے بعد نسل چلی یا نہیں۔ بعض نے یہ کہا: ان کی نسل نہیں چلی اور بعض نے کہا: ان کی نسل چلی ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں' پہلی دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ایک امت مسخ کی گئی تھی اور مجھے خدشہ ہے کہ گوہ اسی امت سے ہے۔ (۲)

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے۔ (۳)

امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۶۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

۳۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ثابت بن ودیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک لشکر میں تھے' ہم نے بہت سی گوہ شکار کیں میں نے ان میں سے ایک گوہ بھون کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے رکھ دی' آپ ایک لکڑی سے اپنی انگلیاں گنتے رہے' پھر آپ نے فرمایا: بنواسرئیل کے ایک گروہ کو مسخ کر کے زمین میں چلنے والا جانور بنا دیا تھا' میں نہیں جانتا وہ کونسا جانور تھا' پھر آپ نے گوہ نہیں کھائی اور نہ اس سے منع فرمایا۔ [1]

امام ماجہؒ نے اس حدیث کو ثابت بن زید انصاریؓ سے روایت کیا ہے' اس میں مذکور ہے: آپ نے گوہ کے متعلق فرمایا:: بنواسرائیل کے ایک گروہ کو مسخ کر کے زمین میں چلنے والا جانور بنا دیا تھا' میں (از خود) جانتا شاید کہ وہ یہی جانور ہو۔ [2]

حافظ الہیثمیؒ بیان کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن حسنہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم ایسی جگہ ٹھہرے جہاں گوہ بہت تھیں' ہم نے ان کو ذبح کیا اور جس وقت ہم پتیلیوں میں ان کو پکا رہے تھے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے اور فرمایا: اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا اور مجھے ڈر ہے کہ وہ یہی گوہ ہیں۔ ان دیگچیوں کو الٹ دو' تو ہم نے بھوکے ہونے کے باوجود

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷٦ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ١٤٠٥ھ) امام نسائیؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۸۔۱۹۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۲۔ (سنن ابن ماجہ ص' ۲۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص' ٦٦۔ ۱۹۔٥' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

دیگچیوں کو الٹ دیا۔ (۱)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چوہوں کے متعلق بھی اسی قسم کے خدشہ کا اظہار فرمایا ہے' امام مسلم ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں بنواسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کہاں ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ (مسخ شدہ) چوہے ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب چوہوں کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکری کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو پی لیتے ہیں' دوسری روایت میں ہے: چوہا مسخ شدہ ہے۔ (۲)

یہ دو حدیثیں جو بہ کثرت اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو غلبہ حال کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ گوہ اور چوہے بنواسرائیل کی مسخ شدہ نسل ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اندیشہ اس وقت تھا جب آپ کو وحی کے ذریعہ یہ قطعی طور پر معلوم نہیں ہوا تھا کہ جن لوگوں کو مسخ کر دیا جائے لیکن بعد میں آپ کو وحی کے ذریعہ قطعی طور پر بتا دیا گیا کہ دجال کا ظہور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کے زمانہ میں ہوگا'

۱۔ اس حدیث کو امام احمد (رح)' امام طبرانی (رح): (نے معجم کبیر میں) امام ابویعلی (رح) نے اور امام بزار (رح) نے روایت کیا ہے اور ان تمام ائمہ کی اسانید صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص' ٣٧ مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ١٤٠٢ ھ)

٢۔ (صحیح مسلم ج ٢ ص' ٤١٣ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ ھ) اس حدیث کو امام عبدالرزاق۔ ١۔ (امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ٢١١ ھ' المصنف ج ٤ ص ٤٤٧' مکتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٠ ھ) امام احمد۔ ٢۔ (امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ ھ' مسند احمد ج ٢ ص ٤١١' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٣٩٨ ھ) اور امام طبرانی۔ ٣۔ (امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ ھ' معجم صغیر ج ٢ ص ٤٤' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ١٣٨٨ ھ) نے بھی روایت کیا ہے

پھر آپ کا اندیشہ زائل ہو گیا۔ مسخ شدہ لوگوں کے فوراً ہلاک ہونے اور ان کی نسل نہ چلنے کے متعلق یہ صریح حدیث ہے' امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا بندر اور خنزیر مسخ شدہ لوگ ہیں؟ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا کسی قوم کو عذاب دے کر اس کی نسل نہیں چلائی اور بندر اور خنزیر تو ان سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ [1]

یہ حدیث زیر بحث مسئلہ میں صاف تصریح ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ بنو اسرائیل نہیں ہیں۔

علامہ ابن العربیؒ نے اپنے نظریہ پر جو دوسری دلیل قائم کی ہے وہ یہ ہے:

امام بخاریؒ نے عمرو بن میمونؒ سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ بندر ایک بندریا کو رجم کر رہے تھے حدیث کی عبارت یہ ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندریا نے زنا کیا تھا' اس کے گرد دوسرے بندر جمع ہو گئے جنہوں نے اس کو سنگسار کیا' میں نے بھی اس کو سنگسار کیا' یہ حدیث "صحیح بخاری" کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے۔

علامہ ابن العربیؒ نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا جانوروں میں بھی بنو اسرائیل کی شریعت کے احکام معروف تھے حتیٰ کہ وہ نسل در نسل ان احکام کے وارث چلے آرہے تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں! اسی طرح حتیٰ کہ جب یہود نے رجم کے حکم کو تبدیل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کیا کہ مسخ شدہ اسرائیلیوں

۱۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اس حدیث کو امام ابو یعلی (رح) نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابو یعلی ج ۵ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار المامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

(بندروں) میں بھی رجم موجود ہے تا کہ ان کے انکار کے خلاف یہ قوی حجت ہو کہ رجم کا حکم ان کی کتابوں میں ہے' ان کے علماء میں معروف ہے اور حتی کہ یہ حکم مسخ شدہ اسرائیلوں میں بھی موجود ہے۔ (۱)

علامہ قرطبیؒ' علامہ ابن العربیؒ کی دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام حمیدیؒ نے کہا: ہم نے اس حدیث کو "صحیح بخاری" کے نسخوں میں تلاش کیا تو یہ بخاری کے تمام نسخوں میں نہیں ہے یہ حدیث "صحیح بخاری" کے بعض نسخوں میں ہے' فربری کی روایت سے یہ حدیث نہیں ہے' ہوسکتا ہے کہ بعد میں کسی نے اس حدیث کو "صحیح بخاری" میں ملا دیا ہو اور یہ حدیث الحاقی ہو' امام بخاری نے "تاریخ کبیر" میں اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمونؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا' ایک بندریا کے گرد بہت سے بندر جمع ہو کر اس کو پتھر مار رہے تھے' سو میں نے بھی انکے ساتھ اس کو پتھر مارے' اس میں یہ لفظ نہیں ہے کہ اس نے زنا کیا تھا' تو اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے امام بخاریؒ کا مقصود صرف اتنا ہے کہ عمرو بن میمونؒ نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں کیا گمان کیا تھا۔ (۲)

ہمارے پاس جو "صحیح بخاری" کے معروف نسخے ہیں' ان سب میں یہ حدیث موجود ہے' امام بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں میں نے ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا' اس کے گرد دوسرے بندر جمع تھے جو اس کو سنگسار کر رہے تھے' میں نے بھی ان کے ساتھ مل کر اس کو

۱۔(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۴۲۔۴۴۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

سنگسار کیا۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

اسماعیلیؒ نے اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے' انہوں نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمرو بن میمونؒ نے کہا کہ میں یمن میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا' میں نے ایک بلند جگہ سے دیکھا کہ ایک بندر' بندریا کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ کے اوپر سر رکھ کر سو گیا' پھر ایک اور بندر آیا اور اس نے بندریا کو اشارہ کیا' بندریا نے چپکے سے بندر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور اس بندر کے ساتھ چلی گئی اور اس بندر نے اس کے ساتھ جنسی عمل کیا' بندریا پھر جا کر چپکے سے اسی بندر کے ساتھ لیٹ گئی جب وہ بندر بیدار ہوا تو اس نے اس بندریا کو سونگھا اور غضب ناک ہو کر چیخا' پھر بہت جلد بہت سے بندر جمع ہو گئے۔ بندر نے اس بندریا کی طرف اشارہ کیا' بندروں نے دائیں بائیں دیکھا اور اس بندر کو پکڑ لائے اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا۔ اس وقت میں نے پہلی بار غیر بنو آدم میں رجم کو دیکھا۔ علامہ ابن التینؒ نے کہا کہ شاید یہ بندر ان لوگوں کی نسل سے تھے جن کو مسخ کر دیا گیا تھا' اور ان میں یہ حکم باقی تھا' پھر انہوں نے کہا کہ ممسوخ کی نسل نہیں چلتی "صحیح مسلم" میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو ہلاک کیا یا عذاب دیا اس کی نسل نہیں چلائی اور ان بندروں کے رجم کرنے کا یہ جواب ہے کہ جب بنو اسرائیل کو مسخ کر کے بندر بنایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اصلی بندر بھی ان کے ساتھ آ کر رہنے لگے ہوں' اور انہوں نے بنو اسرائیل کے بعض افعال دیکھ کر یاد کر لیے ہوں' باقی جانوروں کی بنسبت بندر بہت ذہین جانور ہے اور اس میں شدید غیرت ہے اور ایک بندر اپنی بندریا کے قریب

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

دوسرے بندر کو نہیں جانے دیتا۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے عمرو بن میمونؒ کی اس روایت کو بہت عجیب وغریب قرار دیا ہے اور کہا: اس میں غیر مکلف کے فعل کو زنا کہا ہے اور جانوروں پر حد کا ذکر ہے اور یہ اھل علم کے نزدیک ناقابل یقین ہے اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ بندروں کی صورت میں یہ جن تھے اور جن مکلف ہیں' تاہم یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ فعل صورۃ زنا تھا اسی طرح یہ صورۃ رجم تھا حقیقۃ یہ زنا اور رجم نہیں تھا۔

امام حمیدیؒ نے "الجمع بین الصحیحین" میں نہایت عجیب بات کہی اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ یہ حدیث "صحیح بخاری" کے بعض نسخوں میں ہے' صرف ابومسعودؒ نے اس کا اطراف میں ذکر کیا ہے' اور یہ "صحیح بخاری" کے نسخوں میں اصلا نہیں ہے اور یہ امام بخاریؒ کی کتاب میں الحاقی حدیث ہے' ان کا یہ قول مردو ہے کیونکہ یہ حدیث بخاری کے ان تمام معظم اصول میں موجود ہے جس سے ہم واقف ہیں' اور حافظ ابوذرؒ کا اس حدیث کو تین اماموں کی روایت کے ساتھ فربریؒ سے نقل کرنا کافی ہے' اسی طرح اسماعیلی اور ابو نعیمؒ نے بھی اس کو اپنی اپنی مستخرج میں ذکر کیا ہے اور ابومسعود نے اطراف میں البتہ نسفی کی روایت میں یہ حدیث نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ فربری کی روایت میں نہ ہو' کیونکہ فربری کی روایت سے نسفی کی روایت کی بہ نسبت بہت احادیث زیادہ ہیں' اور یہ کہنا کہ "صحیح بخاری" میں کوئی الحاقی حدیث ہے علماء کے اجماع کے خلاف ہے' کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کتاب میں درج تمام احادیث صحیح ہیں' اور جب کسی ایک حدیث میں یہ مان لیا جائے کہ وہ الحاقی ہوسکتی ہے تو ہر حدیث میں یہ احتمال قائم ہوگا' پھر یہ کتاب قابل اعتماد نہیں رہے گی۔ (۱)

۱۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱٦۱۔ ۱٦۰' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱٤۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور علامہ ابن عبدالبرؒ کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ وہ بندر جن تھے اور امام حمیدیؒ نے جو اس حدیث کو الحاقی قرار دیا ہے اس پر رد کیا ہے۔[1]

﴿ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ ﴾

پھر ہم نے اسے عبرت بنا دیا اس زمانہ کے اور اس کے بعد کے لوگوں کے لیے اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لیے۔

فجعلنا ھا میں ھا کی ضمیر کا مرجع قردہ ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو سبب عبرت بنایا اس کا مرجع حیتان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع عقوبتہ ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قریہ ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لیے عبرتناک امر واقعہ بنا دیا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ میں نکال کہتے ہیں عذاب و سزا کو جیسے اور جگہ ہے آیت (فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى) 79۔النازعات:25) اس کو عبرت کا سبب بنایا آگے پیچھے والی بستیوں کے لیے جیسے اور جگہ ہے آیت (وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)46۔الاحقاف:27) ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تا کہ وہ لوگ لوٹ آئیں اور ارشاد ہے آیت (اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي

۱۔(الاصابہ ج ۳ ص ۱۱۸ مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۳۹۰ھ)

الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا) 13۔الرعد:41) اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے یہ عبرت ناک واقعہ دلیل راہ بن جائے گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرتناک ہو دلیل نہیں بن سکتا اس لیے کہ وہ تو گزر چکے تو ٹھیک قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ کی۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کو ایسے ہی گناہوں کے لیے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا، لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی، یعنی آس پاس کی بستیاں، قرآن فرماتا ہے آیت (وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡقُرٰى وَصَرَّفۡنَا الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ) 46۔الاحقاف:27) اور فرمان ہے آیت (وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً اَوۡ يَاۡتِيَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَقِيۡمٍ) 22۔الحج:55) اور فرمان ہے آیت (اَفَلَا يَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ) 21۔الانبیآء:44) غرض یہ عذاب ان کے زمانے والوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک سبق ہے اور اسی لیے فرمایا آیت (وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ) 2۔البقرۃ:66) یعنی یہ جو بعد میں آئیں گے ان پرہیزگاروں کے لیے موجب نصیحت ہو۔ موجب نصیحت یہاں تک کہ امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزائیں ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے، ان کے مکروفریب سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئیں ان کے بعد بھی جو ایسا کریں گے ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب ان پر بھی آجائیں۔ ایک صحیح

حدیث امام ابوعبداللہ بن بطہؒ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا حدیث (لاترتکبوا ماارتکبت الیھود فستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل) یعنی تم وہ نہ کرو جو یہودیوں نے کیا یعنی حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کرلیا کرو۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں واللہ اعلم۔ [1]

جتنے بھی عذاب آئے سب میں عبرت ہے ان لوگوں کے لیے بھی جو عذاب کے وقت موجود تھے اور ان کے لیے بھی جو بعد میں آنے والے ہیں اور ان عذابوں میں نصیحت بھی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے خاص کر یہ مسخ کا عذاب تو بہت ہی زیادہ عبرت ناک ہے ہلاک تو ہو ہی گئے لیکن ہلاکت سے پہلے تین دن جو بندر رہے اس میں سب کے لیے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی لیے فرمایا کہ ہم نے اس کو عبرت بنادیا ان لوگوں کے لیے جو اس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے ہیں اور نصیحت بنادیا ڈرنے والوں کے لیے فَجَعَلْنٰهَا کی ضمیر عقوبت کی طرف یا قریٰ کی طرف راجع ہے جس سے اہل قریٰ مراد ہیں (لِمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا) کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں ان کو مسخ کرنے کی سزا دی گئی اس زمانہ کے لوگوں کے لیے اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت ہو جائے اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کے قریب کی بستیوں اور دور کی بستیوں کے لیے عبرت ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ دوسرا معنی منقول ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ عن ابن عباس لما بین یدھا من القری وما خلفھا من القری۔

اس کے بعد حضرت ابوالعالیہؒ کا قول نقل کیا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر

وما خلفھا لما بقی ما بعدھم من الناس من بنی اسرائیل ان یعملوا مثل عملھم ۔

یعنی ما خلفھا سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو اس عبرت ناک واقعہ کے بعد باقی رہے یہ واقعہ ان کے لیے عبرت ہے تا کہ اپنے اسلاف جیسا عمل نہ کریں۔ (۱)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ
قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا
لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ
النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ
تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ

۱۔ تفسیر انوار البیان

لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا
وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

اور وہ وقت یاد کرو! جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ذبح کرو ایک گائے کو، تو انہوں نے کہا کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں (٦٧) انھوں نے کہا! ہماری طرف سے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا! اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے ایسی ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، بلکہ اوسط عمر کی ہو، لہٰذا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرو (٦٨) وہ بولے! اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کا دل خوش کر دے (٦٩) انہوں نے (پھر) کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ بیشک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور بیشک ہم اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہدایت

پانے والے ہوں گے(۷۰) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو، جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ پوری طرح صحیح سالم ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں! اب آپ ٹھیک ٹھیک پتہ لے کر آئے۔ پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے(۷۱)۔

بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا واقعہ

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ ابوالعالیہؒ سے روایت کرتے ہیں:

بنواسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا' (علامہ قرطبیؒ نے کہا: اس کا نام عامیل تھا) اس کی اولاد نہ تھی' اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا (سدیؒ کی روایت میں ہے: وہ اس کا بھتیجا تھا) اس نے اس مالدار شخص کو قتل کر دیا تاکہ اس کا وارث ہو' اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جا کر کہا: میرا رشتہ دار قتل کر دیا گیا اور میرے نزدیک آپ کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قاتل کا نام بتا سکے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قاتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آ کر بیان کرے' جب کوئی شخص نہ آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا اور کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں' آپ اللہ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتلا دے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کریں' ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے' اس لیے انہوں نے کہا:

آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: میں جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں' انہوں نے کہا: آپ اللہ سے معلوم کریں کہ وہ کیسی گائے ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا' پھر کہا: اللہ سے دعا کریں کہ فرمائے اس کا رنگ کیسا ہو' کہا: اللہ فرماتا ہے: وہ شوخ زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو' انہوں نے پھر کہا: معلوم کریں اس کی صفت کیسی ہو؟ یہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور انشاء اللہ ہم ہدایت پا جائیں گے۔ فرمایا: وہ گائے محنت کے کام نہ کرتی ہو' نہ ہل چلاتی ہو نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو اور وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو' انہوں نے کہا: اب آپ نے پوری بات بتائی ہے' پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے۔

جس وقت ان لوگوں کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اگر یہ اسی وقت کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا' لیکن انہوں نے سوالات کر کے گائے میں قیودات لگوائیں تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اور اگر یہ آخر میں انشاء اللہ نہ کہتے تو یہ اس گائے کی طرف کبھی بھی ہدایت نہ پاتے' جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ صرف ایک بوڑھی عورت کے پاس تھی جس کے یتیم بچے تھے' جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ اس گائے کے علاوہ اور کسی گائے کا ذبح نہیں کریں گے تو اس نے اس گائے کی قیمت بہت بڑھا دی (سدیؒ کی روایت میں ہے: اس عورت نے اس کے وزن سے دس گنا زیادہ سونا طلب کیا۔ (1)

وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس گئے اور کہا: وہ عورت بہت زیادہ قیمت مانگ رہی ہے' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: تم نے خود اپنے اوپر سختی کی ہے' اب اس کی منہ مانگی قیمت دو' انہوں نے وہ

۱۔ (طبری ج۱ ص ۲۶۹)

قیمت ادا کر کے گائے کو خریدا اور اس کو ذبح کیا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حکم دیا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول کے جسم پر مارو' جب مقتول پر گائے کی ہڈی ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر مر گیا اور قاتل وہی شخص تھا جس نے اس کے قاتل کا مطالبہ کیا تھا اس کو اس برے عمل کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ (۱)

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں:

اس کا مقتول عامیل تھا' عطاء اور سدیؒ نے کہا کہ اس کا قاتل اس کا چچازاد بھائی تھا ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھائی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھتیجا تھا' نیز عطاءؒ نے کہا ہے کہ عامیل کے عقد میں اس کی چچازاد تھی اور وہ بنواسرائیل میں سب سے حسین عورت تھی' قاتل نے اس لیے قتل کیا کہ وہ اس عورت سے بعد میں نکاح کرے۔ (۲)

بنواسرائیل کی گائے کا بیان:

بنواسرائیل نے جس گائے کو ذبح کیا تھا اس کے متعلق حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ بنواسرائیل میں ایک نوجوان ایک دکان میں کچھ چیزیں فروخت کرتا تھا' اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا' ایک دن ایک اور شہر سے ایک شخص آیا اور اس سے کچھ سودا طلب کیا' اور اس کی قیمت دے دی' وہ اس کے ساتھ دکان کھولنے گیا' تا کہ اس کو وہ چیز دے دے' چابی اس کے والد کے پاس تھی اور وہ دکان کے سائے میں سو رہا تھا' اس شخص نے کہا: اس کو جگا دو اس لڑکے نے کہا: وہ سویا ہوا ہے اور میں اس کو بیدار نہیں کروں گا' اس شخص نے اس کو جگانے

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۶۸۔۲۶۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۴۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۲ھ)

کے لیے دگنی قیمت پیش کی' اس لڑکے نے انکار کردیا' حتیٰ کہ وہ شخص چلا گیا' اس لڑکے نے جو اپنے باپ کے ساتھ نیکی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزا دی کہ ان کی گائے سے وہ گائے پیدا ہوئی جس کی بنو اسرائیل کو تلاش تھی' بنو اسرائیل اس گائے کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ لڑکا راضی نہ ہوتا تھا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اس کو راضی کر کے گائے خریدو' بالآخر اس کی قیمت یہ طے کی گئی کہ اس کے وزن کے برابر سونا دیا جائے۔ [۱]

قاتل کون؟

اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تونگر تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ اور اس کی لڑکی سے نکاح بھی کرلوں قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقع پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آکر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے، اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آکر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچادی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران) امام ابن جریر (رح) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۶۹۔ ۲۶۸' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

کرنے لگا انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا، لیکن یہ اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو ایک گائے ذبح کریں انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقع پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچہ ہے جوان عمر کی ہے انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمایئے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے باہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں اتری جاتی ہے پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمایئے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی، کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے یک رنگی ہے کوئی داغ دھبہ نہیں جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

احترام والدین پر انعام الٰہی

اب ایسی گائے ڈھونڈنے کو نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرماں بردار تھا ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک

سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دونگا اس نے کہا ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا یونہی ادھر سے کمی اور ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کے آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب واحترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوائے اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے پھر کہتے ہیں تین لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آ کر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے اس نے کہا میرے بھتیجے نے

اس لیے کہ وہ میرا مال لے لے اور میری لڑکی سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ وجدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بظاہر اً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق، تکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔ ⓵

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (حضرت موسیٰؑ نے) کہا پناہ اللہ کی اس سے کہ میں نادان بن جاؤں) مطلب یہ ہے کہ ہنسی اور دل لگی اور جواب مطابق سوال نہ دینا تو جاہلوں کی عادت ہے جاہلوں سے اللہ کی پناہ میں ایسا کیوں ہوں گا گویا اس کلام میں موسیٰؑ نے تمسخر کی تہمت کا انکار کر دیا۔ اعوذ باللہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ تہمت استہزاء اور خاص کر مجھ پر کہ میں نبی برحق ہوں نہایت سخت اور عظیم ہے جب ان لوگوں نے جانا کہ گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے۔ وہ کوئی بڑی عجیب گائے ہوگی اس لیے اس کی صفات کے طالب ہوئے اور یہ ان کی بڑی حماقت تھی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کوئی سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو کافی تھی لیکن انہوں نے آپ پر تنگی کی اللہ تعالیٰ نے ان پر تنگی وتشدد فرمایا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر

اِس حدیث کو حضرت سعید بن منصورؒ نے عکرمہؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن جریرؒ نے بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے ان کی اس پوچھ گچھ میں جو انہیں ایک خاص گائے ذبح کرنی پڑی۔ خدا تعالیٰ کی ایک عجیب حکمت تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد صالح تھا اور اس کا ایک صغیر سن لڑکا تھا اور اسکے پاس ایک گائے کا بچہ تھا جسے وہ اپنے مرنے سے پہلے جنگل میں لایا اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کی۔ خداوندا میں اس گائے کے بچہ کو اپنے بیٹے کے جوان ہونے تک آپ کے پاس امانت رکھتا ہوں پھر اسے چھوڑ کر چلا آیا اور آ کر مر گیا۔ وہ بچھیا جنگل میں چرا کرتی جو اسے دیکھتا اس سے دور بھاگ جاتی جب وہ لڑکا جوان ہوا تو بڑا نیک تھا۔ والدہ کا بہت خدمت گذار بنا رات کے تین حصے کر کے ایک میں سوتا۔ دوسرے حصہ میں نماز پڑھتا۔ تیسری میں اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھ جاتا اور سویرے جنگل سے لکڑیاں لا کر بازار میں فروخت کرتا اور اس کی قیمت کے تین حصہ کر کے ایک حصہ تو اللہ کی راہ میں دیتا اور ایک حصہ والدہ کو دیتا اور ایک میں آپ کھاتا پیتا ایک دن اس کی والدہ نے کہا بیٹا تیرا باپ تیرے لیے ایک گائے میراث میں چھوڑ گیا ہے اور فلاں جنگل میں سپرد خدا ہے تو جا اور یہ کہہ کر آواز دے کہ اے ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے معبود وہ گائے عنایت فرما دے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی کھال سے گویا سورج کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور چونکہ وہ گائے بہت خوبصورت اور زرد رنگ تھی اس لیے لوگ اسے سنہری گائے کہا کرتے تھے وہ جوان اپنی والدہ کے فرمانے کی بموجب اس جنگل میں آیا تو اسے چرتے دیکھ کر جس طرح ماں نے پکارنے کو کہا تھا پکارا وہ گائے بحکم الٰہی دوڑ کر سامنے چلی آئی۔ جوان گردن پکڑ کر کھینچنے لگا۔ گائے بولی اے ماں کے خدمت گزار مجھ پر سوار ہو لے تجھے آرام ملے گا اس نے کہا میری ماں کا یہی حکم ہے کہ گردن پکڑ کر لانا نہ

کہ سوار ہو کر۔ گائے بولی اے جوان تو میرے کہنے سے سوار ہو جاتا تو پھر میں ہرگز تیرے قابو میں نہ آتی اور تیرا اماں کی اطاعت کے سبب وہ مرتبہ ہے کہ اگر تو پہاڑ کو حکم دے تو تیرے ساتھ چلنے لگے القصہ وہ گائے لے کر اپنی ماں کے پاس آیا۔ ماں نے کہا کہ بیٹا تو فقیر ہے دن کو لکڑیاں لانے رات کو قیام کرنے کی تجھ پر سخت مشقت و تکلیف ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ اسے فروخت کر دے۔ جوان نے قیمت پوچھی کہا تین دینار کو دے دے۔ (اس وقت گائے کی عام قیمت یہی تھی) ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جب بیچنے لگے تو مجھ سے پوچھ لینا جوان اپنی مادر مہربان کے فرمانے کے بموجب گائے کو بازار میں لے گیا ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھلانے اور اس کو اس کی والدہ کی خدمت میں جانچنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا آتے ہی اس نے قیمت پوچھی جوان نے کہا تین دینار مگر شرط یہ ہے کہ میں اپنی والدہ سے پوچھ لوں فرشہ نے کہا تو مجھ سے چھ دینار لے اور گائے مجھے دے دے ماں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اس نے کہا تو مجھے اگر اس کے برابر سونا بھی تول دے تو میں بلا رضامندی اپنی والدہ کے نہ دوں گا یہ کہہ کر اپنی ماں کے پاس آیا اور کیفیت بیان کی ماں نے کہا جاؤ چھ ہی دینار کو دے دینا مگر خریدار سے میری رضامندی کی شرط کر لینا۔ جوان پھر بازار گیا اور اس سے ملا اس نے کہا تو نے اپنی والدہ سے پوچھ لیا کہا ہاں پوچھ لیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ میری رضامندی کی شرط کر لینا اس خریدار غیبی نے کہا تو اپنی ماں سے نہ پوچھ اور مجھ سے بارہ دینار لے جوان نے انکار کیا اور اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا ماں نے کہا وہ فرشتہ ہے تیرا امتحان لیتا ہے اب اگر اس سے ملنا ہو تو یہ پوچھنا کہ ہم اسے فروخت کریں یا نہ جب وہ بازار گیا اور اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے بیچنے کی بابت دریافت کیا اس نے کہا اپنی والدہ سے کہنا کہ اسے ابھی فروخت نہ کریں۔ موسیٰ (علیہ السلام) تم سے ایک مقتول

کے معاملہ میں خریدیں گے تم اسے کھال بھر دینار سے کم میں فروخت نہ کرنا چنانچہ انہوں نے اسے فروخت نہ کیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ امر مقدر فرما دیا تھا کہ یہ فلاں گائے ذبح کریں گے اس لیے وہ اس کے لیے وہ اس کے اوصاف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھتے رہے اور اللہ تعالیٰ اس گائے کے اوصاف بیان فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کے تمام وکمال اوصاف بیان کردیئے یہ سب اس جوان کی نیک نیتی اور اپنی والدہ کی خدمت کا ثمر تھا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل ورحم تھا۔ [1]

﴿ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۷۲ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳ ﴾

اور (وہ وقت یاد کرو!) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، اور اس کا الزام تم ایک دوسرے پر لگا رہے تھے۔ اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو کچھ تم چھپاتے تھے (۷۲) تو ہم نے فرمایا کہ گائے کے کسی ٹکڑے سے اس مقتول کو مارو، اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ (۷۳)۔

احکام خداوندی میں حجتیں نکالنا بڑا جرم ہے

صحیح بخاری شریف میں "ادارءتم" کے معنی تم نے اختلاف کیا کے ہیں۔ "حضرت مجاہدؒ وغیرہ سے بھی یہی

---

[1] تفسیر مظہری

مروی ہے مسیب بن رافعؒ کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا اللہ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا پھر یہ آیت تلاوت کی آیت (وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ)2۔البقرۃ:72) یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گائے کا حکم ہوا تھا اور

پھر (اپنی برات کے لیے ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم (میں کے مجرم و مشتبہ لوگ) مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لیے (ذبح بقرہ کے بعد) ہم نے حکم دیا کہ اس (مقتول کی لاش) کو اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو (چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہو گیا) آگے اللہ تعالیٰ بمقابلہ منکرین قیامت کے اس قصہ سے استدلال اور اپنے نظیر کے طور پر فرماتے ہیں کہ اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر (قدرت) تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام کرو (اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ)

فائدہ: جب اس مردہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا اس نے قاتل کا نام بتایا اور پھر فوراً ہی مر گیا، اس جگہ صرف مقتول کا بیان اس لیے کافی سمجھا گیا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مقتول سچ بولے گا ورنہ صرف مقتول کے بیان سے بغیر شرعی شہادت کے کسی پر قتل کا ثبوت کافی نہیں ہوتا۔

یہاں یہ شبہ کرنا بھی درست نہیں کہ حق تعالیٰ کو تو مردہ زندہ کرنے کی ویسی ہی قدرت تھی یا مقتول کو زندہ کئے بغیر قاتل کا نام بتایا جا سکتا تھا پھر اس سامان کی کیا ضرورت تھی تو بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل

ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے تو ہوتا نہیں بلکہ مصلحت اور حکمت کے لیے ہوتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کے احاطہ علمی میں آسکتی ہے نہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہر واقعہ کی مصلحت معلوم کریں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آجائے اس لیے اس کے پیچھے پڑ کر اپنی عمر عزیز ضائع کرنے کے بجائے بہتر طریقہ تسلیم وسکوت کا ہے۔[۱]

گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا

ان آیات میں بھی اسی قصہ کو بیان فرمایا ہے جس واقعہ کا اس سے پہلی آیات میں ذکر تھا' اس کا تحقق پہلے ہوا تھا اور اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے تا کہ بنو اسرائیل کو ان کی خودسری' ہٹ دھرمی اور شقاوت پر دوبارہ سرزنش کی جائے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ قتل تو ایک شخص نے کیا تھا اور اس آیت میں تمام بنو اسرائیل کی طرف اس کا اسناد کیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کا اسلوب ہے کہ قبیلہ کے ایک فرد نے فعل کیا ہو تو پورے قبیلہ کی طرف اس کی نسبت کر دیتے ہیں' بنو اسرائیل قاتل کو مخفی رکھنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کرو جس کی تفصیل اس سے پہلی آیات میں ذکر کی جا چکی ہے' اور فرمایا: اس گائے کے کسی عضو کو اسی مقتول پر مارو' اس عضو میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان' دم' کان' ہڈی اور دل وغیرہ' جب گائے کے عضو کو مقتول پر مارا گیا تو اس کی رگوں سے خون بہنے لگا اور اس نے کہا: مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرمائیگا ہر چند کہ یہ آیت بنو اسرائیل سے خطاب کے سلسلہ میں ہے لیکن اس میں ان لوگوں کی تعریض ہے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ

---

۱ تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن

وآلہ وسلم) کے زمانہ میں مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ [۱]

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " واذ قلتم نفسا فادرء تم فیہا" یعنی تم نے اس بارے میں اختلاف کیا" واللہ مخرج ما کنتم تکتمون" (اور اللہ تعالیٰ نکالنے والے یعنی ظاہر کرانے والے ہیں) جو کچھ تم چھپاتے تھے۔

امام احمد حاتم اور بیہقی ؒ نے ابو سعید خدری ؓ سے روایت کیا کہ (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا اگر کوئی آدمی ایسی بند چٹان کے اندر کوئی عمل کرے جس میں نہ کوئی دروازہ ہو اور نہ روشندان ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کیسا ہی عمل ہو۔

وکیع ؒ، الفریابی ؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتم ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فقلنا اضربوہ ببعضھا " سے مراد ہے کہ انہوں نے میت کو اس ہڈی سے مارا جو مونڈے کی کرکری ہڈی سے ملی ہوتی ہے۔

عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ انہوں نے اس میت کو اس (گائے) کی ران کا گوشت مارا جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا یہاں تک کہ اس نے ان کو اپنے قاتل کی خبر دی جس نے اس کو قتل کیا تھا۔ یہ بات کرنے کے بعد وہ (پھر) مر گیا۔

امام وکیع ؒ اور ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ انہوں نے اس میت کو اس (گائے) کی ران کے ساتھ مارا تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے اس بات کے علاوہ کوئی اور زائد بات نہیں کی کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر وہ دوبارہ مر گیا۔

۱۔ تفسیر تبیان القرآن

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انہوں نے گائے کی ران میت کو ماری تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر وہ مر گیا۔

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انہوں نے اس کو کندھوں کے درمیان کا گوشت مارا۔

امام ابن جریرؒ نے ابو العالیہؒ سے روایت کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو حکم فرمایا کہ (اس گائے) کی ہڈی کو لے لو اور اس کے ساتھ مقتول کو مارو انہوں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو واپس لوٹا دیا اس نے اپنے قاتل کا نام بتایا پھر وہ مردہ ہو کر لوٹ گیا جیسے کہ پہلے تھا۔ [1]

میں (محمد طاہر) کہتا ہوں کہ وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان تو قرآن میں نہیں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے اور معلوم نہیں ہونے سے کوئی نقصان ہے سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں ہم بھی اس کی تلاش و تفتیش میں نہ پڑیں ہماری بہتری اسی میں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم ہی رکھیں۔

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؀ ﴾

1. تفسیر الدر منثور

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جاری ہو جاتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔

پتھر دل ہو گے

اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں ان سے چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں بعض پتھر خوف اللہ سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے اور جگہ ہے آیت (تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا) 17۔ الاسراء: 44) یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے

نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم و بردباری والا اور بخشش و عفو والا ہے۔ ابو علی جبانیؒ نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں رازی بھی غیر درست بتلاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اس میں لفظی معنی بے دلیل کو چھوڑنا لازم آیا ہے واللہ اعلم۔ (۱)

امام عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ثم قست قلوبکم من بعد ذلک" یعنی بعد اس کے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کر کے ان کو دکھا دیا اور بعد اس کے کہ جب (اللہ تعالیٰ) ان کو مقتول کے معاملہ میں (اس کو زندہ کر کے دکھایا لفظ آیت "فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ" (تو ان کے دل پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے) پھر اللہ تعالیٰ نے پتھر کی برأت کا اظہار فرمایا لیکن بد بخت شقی القلب انسان کی برأت کا اظہار نہیں فرمایا اور فرمایا لفظ آیت "وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھر، وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء، وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ" (یعنی پتھر تو پھر بھی نرم ہو کر پھٹ پڑتا ہے مگر ابن آدم نرم نہیں ہوتا)۔ (۲)

فائدہ: اس جگہ پتھر کے تین اثرات بیان کئے گئے ہیں اول ان سے زیادہ پانی نکلنا دوم کم پانی نکلنا، ان دو میں تو کسی کو شبہ نہیں پڑتا، تیسری صورت یعنی خدا کے خوف سے پتھر کا نیچے آ گرنا اس میں ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کیونکہ پتھر کو تو عقل کی ضرورت نہیں کیونکہ حیوانات لایعقل میں خوف کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے البتہ حس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جمادات میں اتنی حس بھی نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حس حیات پر موقوف ہے اور بہت ممکن ہے کہ ان میں ایسی لطیف حیات ہو جس کا ہم کو ادراک نہ ہوتا ہو جیسا جوہر

۱۔ تفسیر ابن کثیر
۲۔ تفسیر الدر منثور

دماغ کے احساس کا بہت سے عقلاء کو ادراک نہیں ہوتا، وہ محض دلائل سے اس کے قائل ہوتے ہیں تو دلائل طبیہ سے ظاہر نص قرآن کی دلالت اور قوت کسی طرح بھی کم نہیں،

پھر ہمارا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ہمیشہ پتھر گرنے کی علت خوف ہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بعض پتھر اس وجہ سے گر جاتے ہیں سو بہت ممکن ہے کہ گرنے کے اسباب مختلف ہوں ان میں سے بعض طبعی ہوں اور ایک سبب خوف خدا بھی ہو،

اس مقام پر تین قسم کے پتھروں کے ذکر میں ترتیب نہایت لطیف اور افادہ مقصود نہایت بلیغ انداز میں کیا گیا ہے یعنی بعض پتھروں میں تاثر اتنا قوی ہے جس سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں جن سے مخلوق خدا فائدہ اٹھاتی ہے اور ان (یہودیوں) کے دل ایسے بھی نہیں (کہ مخلوق خدا کی تکلیف و مصیبت میں پگھل جائیں) اور بعض پتھروں میں ان سے کم تاثر ہوتا ہے جس سے کم نفع پہنچتا ہے تو یہ پتھر بہ نسبت اول کے کم نرم ہوئے اور ان کے قلوب ان درجہ دوم کے پتھروں سے بھی سخت ہیں،

اور بعض پتھروں میں گو اس درجہ کا اثر نہیں مگر پھر بھی ایک اثر تو ہے (کہ خوف خدا سے نیچے گر آتے ہیں) گو درجے میں پہلی قسموں سے یہ ضعیف تر ہیں مگر ان کے قلوب میں تو کم درجہ اور ضعیف ترین جذبہ انفعال بھی نہیں۔ (۱)

قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی اس کی کئی مثالیں ہیں، سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ (احد) پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔" (۲)

۱۔ تفسیر معارف القرآن

۲۔ [بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب فضل الخدمۃ فی الغزو: ۲۸۸۹۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ۔۔۔ الخ: ۱۳۶۵]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یقیناً میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، بلاشبہ میں اسے اب تک پہچانتا ہوں۔"(۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس پتھر (حجر اسود) کو قیامت کے دن لایا جائے گا، اس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن سے یہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے کلام کرے گا اور جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے اسے بوسہ دیا ہوگا قیامت کے دن یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔"(۲)

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵﴾

اب کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے۔

۱۔[مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ: ۲۲۷۷]

۲۔[ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الحجر الأسود: ۹۶۱۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب استلام الحجر: ۲۹۴۴]

شان نزول

جب کسی چیز کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اور انسان اس کے حصول کی قوی امید کر لیتا ہے تو اس کو طمع کہتے ہیں، ہم نے اس کا ترجمہ توقع کیا ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں: اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں:

(۱) یہ آیت ان انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہود کے حلیف تھے، وہ ان کے پڑوسی بھی تھے اور ان کے درمیان رضاعت بھی تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔

(۲) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمان یہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں جو یہودی ہیں وہ مسلمان ہو جائیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور ان کے پاس شریعت تھی، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے ساتھ نرمی کرتے تھے اور ان کی وجہ سے دوسروں پر سختی کرتے تھے تاکہ وہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔[۱]

بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان

اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ایک فریق اللہ کا کلام سنتا تھا اس کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا اور پھر اس میں تبدیلی کی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے جس میں وہ تحریف کرتے تھے۔ پہلے قول کے متعلق امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۴۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۱ھ)

امام محمد بن اسحاق ؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ہمارے درمیان کڑک حائل ہوگئی لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہو تو آپ ہمیں اس کا کلام سنا دیں' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ تم غسل کرو' صاف کپڑے پہنو اور روزے رکھو' پھر وہ ان کو لے کر کوہ طور پر آئے' جب بادل نے ان کو ڈھانپ لیا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: سجدہ میں گر جائیں' وہ سجدہ میں گر گئے' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کلام کیا اور انہوں نے اس کلام کو سنا' اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امر کیا اور بعض چیزوں سے منع کیا' انہوں نے اس کو سن کر سمجھ لیا' جب بنو اسرائیل کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کیا ہے' تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بتائے ہوئے احکام کو بدل دیا۔ (۱)

امام ابن جوزی ؒ اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے اس روایت کا شدید انکار کیا ہے' ان میں سے امام ترمذی صاحب ؒ "نوادر الاصول" بھی ہیں انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا واسطہ سننا صرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی خصوصیت ہے' ورنہ ان میں اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) میں کیا فرق رہے گا؟ اس قسم کی احادیث کو کلبی نے روایت کیا ہے اور وہ جھوٹا شخص ہے۔ (۲)

۱۔(جامع البیان ج۱ ص۲۹۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

۲۔(زاد المسیر ج۱ ص۱۰۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱٤۰۷ھ)

دوسرے قول کے متعلق امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زیدؒ نے کہا: اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے' بنو اسرائیل اس میں تحریف کر کے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے تھے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتے تھے۔ جب ان کے پاس صاحب حق رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی منشاء کے مطابق مسئلہ بیان کرتے اور جب باطل پر قائم کوئی شخص ان کے پاس رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی مرضی کے مطابق حکم بیان کرتے' اور جب کوئی شخص رشوت لے کر نہ آتا تو پھر کتاب سے صحیح حکم نکال کر بیان کر دیتے۔ [١]

علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں: زیادہ صحت کے قریب یہ ہے کہ تورات میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جو صفات مذکور تھیں ان میں دانستہ تحریف کرتے تھے اور آپ کی صفات کو تبدیل کر کے بیان کرتے تھے۔ [٢]

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ تورات میں مذکور تھا کہ آپ کا گورا رنگ ہے اور متوسط قد ہے اور جب ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو یہ کہتے: ان کا سانولا رنگ ہے اور لمبا قد ہے۔ [٣]

امام ابن اسحاق اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور اس کے ساتھ جو ایمان والے تھے ان کو (کافروں سے) ناامید کرتے ہوئے فرمایا لفظ آیت "افتطمعون ان یؤمنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلم اللہ" (کیا تم اس بات پر امید رکھتے ہو کہ تمہارے لیے ایمان لائیں گے)۔ یعنی انہوں نے تورات کو سنا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے

١۔ (جامع البیان ج١ ص٢٩١' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ١٤٠٩ھ)

٢۔ (جامع البیان ج١ ص٢٩٢' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ١٤٠٩ھ)

٣۔ (جامع البیان ج١ ص٢٩٨' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ١٤٠٩ھ)

اپنے رب کی روایت کے بارے میں سوال کیا پس اس گستاخی پر ان کو سخت کڑک نے پکڑ لیا۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "افتطمعون ان یؤمنوا لکم ۔۔۔" (الآیہ) یعنی جو لوگ تورات میں تحریف کرتے تھے اور جو لوگ اس کو لکھتے تھے وہ ان میں سے علماء تھے اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا یہ سب کے سب یہودی تھے۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یسمعون کلم اللہ" یعنی وہ تورات تھی جس کو وہ بدل ڈالتے تھے۔ ①

﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶ ﴾

اور جب وہ ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ تم سے جھگڑیں اس کے ذریعہ سے تمہارے پروردگار کے آگے! کیا تم کو عقل نہیں۔

۱۔ تفسیر الدر منثور

یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے شروع حصہ میں ایمان لاؤ پھر آخر میں کفر کرو تا کہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان واسلام ظاہر کرتے تو صحابہان سے پوچھتے کیا تمہاری کتاب میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کی اپنی مخالفت کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو؟ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہوکر فرمایا اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتادیں خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آجائیں گے اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی تم جو چپکے چپکے اپنوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتیں کو چھپاتے ہو تو میں تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں۔ تم جو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔ (1)

علامہ ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب منافقین یہود حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے

1۔ تفسیر ابن کثیر

اصحاب سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ابوالعالیہ اور قتادہ (رضی اللہ عنہم) نے بیان کیا کہ جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہاری کتاب میں جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ تم مسلمانوں کے سامنے کیوں بیان کرتے ہو وہ اس بیان کو تمہارے خلاف بنالیں گے کہ جب یہ وہی آنے والے نبی ہیں تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لائے؟۔[۱]

﴿ اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾ ﴾

اور کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہود کے پڑھے لکھے منافقوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ مومنوں سے اپنا کفر بھی چھپاتے ہیں، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق تورات میں جو بشارتیں اور پیش گوئیاں آئیں ہیں وہ بھی چھپاتے ہیں مگر اس سے ان کو کچھ فائدہ حاصل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام پوشیدہ اور ظاہری امور سے باخبر ہے اور جب چاہے وہ ان کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں پر ظاہر فرمادے۔[۲]

﴿ وَمِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا

۱۔(جامع البیان ج۱ص۲۹۲، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت۱۴۰۹ھ)

۲۔احسن البیان

يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اوران میں ایسے ہیں جوان پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے چند آرزوؤں کے، اور صرف گمان سے کام لیتے ہیں۔

امی "اور" امنیۃ" کا معنی

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کئی گمراہ فرقوں کا بیان فرمایا ہے' پہلے اس فرقہ کا بیان کیا جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرتا ہے' پھر دوسرے فرقہ کا بیان کیا جو منافقین ہیں' پھر تیسرے فرقہ کا بیان کیا جو مجادلین (بحث میں ضد سے کام لینے والے) تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے سامنے تورات کی ایسی آیات بیان کرو جو خود تمہارے خلاف حجت ہوں' اس کے بعد اب چوتھے فرقہ کا بیان کیا جو عوام اور ناخواندہ لوگ ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے امیین فرمایا' امی وہ شخص ہے جو لکھتا ہو نہ پڑھتا ہو یعنی جس طرح ماں کے بطن سے ناخواندہ پیدا ہوا تھا اسی حالت پر ہو اور کسی سے علم حاصل نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کتاب کا علم نہیں رکھتے ماسوا "امانی" کے "امانی" "امنیۃ" کی جمع ہے' "امنیۃ" کا ایک معنی ہے: پڑھنا' یعنی یہ عام ان پڑھ لوگ صرف زبانی تورات کو پڑھ لیتے ہیں اس کا معنی نہیں جانتے' اور اس کا دوسرا معنی ہے: تمنا اور آرزو' یعنی ان کی تمنائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور ان گناہوں پر گرفت نہیں فرمائے گا' اور ان کے آباء واجداد میں جو انبیاء ہیں وہ ان کی شفاعت کریں گے' یا ان کے علماء کی جو تمنائیں تھیں کہ دوزخ کی آگ ان کو صرف چند دن جلائے گی' یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سوائے ان جھوٹی اور من گھڑت باتوں کے کتاب کا علم نہیں رکھتے جو انہوں نے اپنے علماء

سے سن لی ہیں اور ان کو بطور تقلید کے مانتے چلے آ رہے ہیں، لیکن یہاں "امنیہ" کو تمنا کے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیت میں ان کی اس تمنا کا ذکر آ رہا ہے کہ ان کو صرف چند دن آگ جلائے گی۔ (۱)

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾

سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے ان کے لیے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ان کے لیے بڑی ہلاکت اس کی وجہ سے ہے جو وہ کماتے ہیں۔

ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو ڈھول ہو جائیں ابن ابی حاتمؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (صلی

۱۔ تفسیر تبیان القرآن

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے اتنی گہرائی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے منکر بھی ہے اور ضعیف بھی ہے اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ویل ہے یہودیوں نے تورات کی تحریف کردی اس میں کمی یا زیادتی کی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام نکال ڈالا اس لیے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور تورات اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے اور ان کی کمائی برباد اور ہلاک ہو ویل کے معنی سخت عذاب برائی، ہلاکت، افسوس، درد، دکھ، رنج وملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ویل، ویح، ویش، ویہ، ویک، ویب سب ایک ہی معنی میں ہیں گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لیے اسے مبتدا بنا دیا گیا ہے بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز سمجھا ہے لیکن ویلا کی قرأت نہیں یہاں یہودیوں کے علماء کی بھی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہتے تھے اور اپنے والوں کو خوش کر کے دنیا کماتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا اس کی تشہیر کی پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھر وتھوڑے مول سے مراد ساری دنیا مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں کمتر ہے اور جنت کے مقابلہ میں بیحد حقیر چیز ہے پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس

پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔[۱]

ویل کا معنی

علامہ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں؛

اصمعی نے کہا: "ویل" بری چیز ہے اور اس کا استعمال حسرت کے موقع پر ہوتا ہے اور "ویح" کا استعمال ترحم کے طور پر ہوتا ہے۔[۲]

امام ابن جریر طبریؒ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: "فویل لھم" کا معنی ہے: ان پر عذاب ہوا ابو عیاضؒ نے کہا: ویل اس پیپ کو کہتے ہیں جو جہنم کی جڑ میں گرتی ہے، حضرت عثمان بن عفانؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا کہ ویل، جہنم میں ایک پہاڑ ہے اور حضرت ابو سعیدؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے، کافر اس کی گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک گرتا رہے گا۔ ان احادیث اور آثار کے اعتبار سے ویل کا معنی یہ ہے کہ جو یہودی اپنی طرف سے لکھ کر کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں ان کو جہنم کی گہرائی میں اہل جہنم کی پیپ پینے کا عذاب ہوگا۔[۳]

ابو العالیہؒ نے کہا کہ یہود سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات میں تحریف کرتے تھے اور دنیاوی مال کی وجہ سے اس میں تبدیلی کرتے تھے، حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے اپنی

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (المفردات ص ۵۳۵، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ)

۳۔ (جامع البیان ج۱ ص ۳۰۰۔۲۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

خواہش کے مطابق تورات میں احکام لکھ دیئے اور جو احکام ان کو ناپسند تھے ان کو انہوں نے تورات سے مٹا دیا' نیز انہوں نے تورات سے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام مٹا دیا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا۔ (۱)

﴿ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝٨٠ ﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔ کہہ دو! کیا تم اللہ کے ہاں سے اقرار لے چکے ہو کہ اللہ اب اپنے اقرار کے خلاف ہرگز نہ کرے گا یا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

شانِ نزول

اس آیت کے بارے میں طبرانیؒ نے کبیر میں اور ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن اسحاقؒ، محمد بن ابی بکرؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؓ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص۳۰۱۔۳۰۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔اور یہودی یہ کہتے تھے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال کی ہے اور لوگوں کو پورے زمانہ تک عذاب دیا جائے گا اور دنیا کا ایک ہزار سال آخرت میں دوزخ کے دنوں میں سے ایک دن ہے تو یہ سات دن ہو گئے،اس پر اللہ تعالیٰ نے آخر تک یہ آیت کریمہ اتاری اور ابن جریرؒ نے ضحاکؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے مگر قسم کے حلال ہونے کے لیے صرف ان دنوں میں جن میں ہم نے بچھڑے کی پوجا کی ہے اور وہ چالیس راتیں ہیں جس وقت وہ ختم ہو جائیں گی تو ہم سے عذاب ہٹا جائے گا۔[١]

عذاب یہود کے چند دنوں کا بیان

یہودی کہتے تھے:ان کو صرف چند دن عذاب ہوگا اور ان چند دنوں کے متعلق دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے:

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے دشمن یہودیوں نے کہا:اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل کرے گا اور یہ چالیس دن کی مدت ہے جس میں ہم نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

اور دوسرا قول یہ ہے:

مجاہدؒ نے بیان کیا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار کے مقابلہ میں

١۔ تفسیر ابن عباس

ایک دن عذاب دیا جائے گا یعنی کل سات دن عذاب دیا جائے گا۔ (۱)

امام ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے اور الواحدی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں جہنم کے دونوں کناروں کے درمیان چالیس کا فاصلہ پایا تو کہنے لگے کہ دوزخ والے ہرگز عذاب نہیں دیئے جائیں مگر چالیس دنوں کی مقدار جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کو آگ کو لگام دی جائے گی اور وہ ان میں چلیں گے یہاں تک کہ سقر تک پہنچ جائیں گے جس میں زقوم کا درخت ہے اور وہ اس مقام پر معین دنوں میں سے دن کے آخر میں پہنچیں گے۔ ان سے جہنم کے چوکیدار کہیں گے اے اللہ کے دشمنو! تم نے گمان کیا تھا کہ تم ہرگز جہنم میں عذاب نہیں دیئے جاؤ گے مگر معین دنوں میں اب وہ گنتی کے دن گزر چکے اور ہمیشہ ہمیشہ کا سلسلہ باقی ہے پھر اس کی بلندی پر چڑھیں گے اور اپنے چہروں کے بل گریں گے۔

ابن جریرؒ نے زید بن اسلمؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہود سے فرمایا میں تم سے پوچھتا ہوں اللہ کی قسم کے ساتھ اور اس تورات کی قسم کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر طور سینا کے دن اتاری وہ دوزخ والے کون ہیں؟ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تورات میں اتارا۔ تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان پر سخت غصہ ہوا پس ہم آگ میں چالیس دن رہیں گے پھر ہم نکل جائیں گے اور اس میں تم ہی پیچھے رہو گے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو اللہ کی قسم ہم تمہاری جگہ پر ہرگز نہیں آئیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات کی تصدیق اور ان کی بات کی تکذیب کے لیے یہ آیات اتاری لفظ آیت "وقالوا

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص ۳۰۳۔۳۰۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لم تمسنا النار" سے لے کر" ہم فیہا خلدون" تک۔

امام احمدؒ، بخاریؒ، دارمی نسائی اور بیہقیؒ نے دلائل میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایک بکری ہدیہ دی گئی جس میں زہر تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ یہاں جتنے یہودی ہیں سب کو جمع کرو آپ نے ان سے فرمایا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں آدمی ہے۔ انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور اچھی بات کی۔ پھر ان سے آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا اے ابو القاسم ہاں ضرور اور اگر آپ سے جھوٹ بولیں گے تو آپ ہمارے جھوٹ کو پہچان لیں گے۔ جیسا کہ آپ نے ہمارے باپ کے بارے میں پہچان لیا۔ آپ نے ان سے پوچھا دوزخ والے کون ہیں؟ کہنے لگے ہم اس میں تھوڑے دنوں کے لیے ہونگے۔ پھر تم لوگ ہماری جگہ پر آؤ گے۔ آپ نے ان سے فرمایا دفعہ ہو جاؤ اللہ کی قسم ہم کبھی بھی تمہاری جگہ پر آگ میں نہیں آئیں گے۔

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت" قل اتخذتم عند اللہ عھدا" میں عہد سے پکا وعدہ ہے یعنی کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ لے لیا تھا اس بات کا جیسا کہ تم کہتے ہو۔

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ جب یہود نے یہ کہا جو کچھ انہوں نے کہا کہ از خود انہوں نے دوزخ میں چند دن رہنے کا عقیدہ بنا لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا لفظ آیت" قل اتخذتم عند اللہ عھدا" آپ ان سے فرمایئے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق کوئی وعدہ لیا ہے۔ یا فرمایا عہد سے مراد لا الہ الا اللہ ہے یعنی کیا تم نے لا الہ الا اللہ کہا اور تم

نے شرک کیا اور تم نے اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کیا اگر تم اس کلمہ کو کہہ چکے ہو تو پھر میں اب کی امید کر سکتا ہوں اور اگر تم نے اس کو یعنی الا الہ الا اللہ کو نہیں کہا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ لفظ آیت "قل اتخذتم عند اللہ" سے مراد ہے کہ تمہارے گمان کے مطابق تم کو آگ نہیں لگے گی مگر چند دن گنتی کے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ "ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون" کیا تم خود اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ہو فرمایا "قال القوم" قوم نے جھوٹ اور باطل بات کہی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہی جس کو وہ نہیں جانتے۔ (۱)

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾

کیوں نہیں جس نے گناہ کمایا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا سو وہی دوزخ کے رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۸۱)۔ اور جو لوگ ایمان

۱۔ تفسیر الدر منثور امام سیوطیؒ

لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۸۲)۔

جہنمی کون لوگ ہیں

مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہے وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا آیت (لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ) 4۔ النسآء:123) یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا ثواب پائے گا اپنی نیکوکاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا، عورت کا، بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے ابو وائلؒ، ابو العالیہؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، حسنؒ، قتادہؒ، ربیع بن انسؒ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہ بہ تہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے ربیع بن خثیمؒ کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی

چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ (۱)

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس مسلمان نے گناہ کبیرہ کیا اور بغیر توبہ کے مر گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہوں سے باطل ہے:

اول تو اس وجہ سے کہ امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں "سیۃ" (برائی) سے مراد کفر ہے اور ابو وائلؒ مجاہدؒ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ "سئیہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ (۲)

اور جو شخص مشرک ہو، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا' دوسری وجہ یہ ہے یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ برائی اس کا احاطہ کر لے اور احاطہ اس وقت ہوگا جب اس کے دل سے بھی تصدیق نکل جائے گا اور اس میں ایمان اور خیر مطلقا نہ رہے اور ایسا شخص کافر ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

(آیت) "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشآء (النساء:٤٨)

ترجمہ: بیشک اللہ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشے گا اور جو (گناہ) اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان نے شرک نہیں کیا خواہ اس نے کوئی گناہ کیا ہو، توبہ کی ہو یا نہ کی ہو، اللہ چاہے گا تو اس کو بخش دے گا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (جامع البیان ج۱ ص ٣٠٥۔٣٠٤، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ١٤٠٩ھ)

پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم ایسے عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے تمہاری بداعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ کی مسکن جنتیں ملیں گی اور اللہ کے عذاب وثواب دونوں لازوال ہیں۔

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ ﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے، اور رشتہ داروں، اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو گے) اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔

معبودان باطل سے بچو

بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا ذکر ہو رہا ہے ان کی عہد

شکنی کا ذکر ہو رہا ہے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں، یہ حکم نہ صرف بنو اسرائیل کو ہی دیا گیا بلکہ تمام مخلوق کو دیا گیا ہے فرمان ہے آیت (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ) 21۔الانبیآء:25) یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا آیت (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) 16۔النحل:36) یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اسکے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔[1]

ربط آیات:

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے برے کام کیے اور برے کاموں نے ان کا احاطہ کر لیا' اب اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے' لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے' نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے' پھر چند اشخاص کے سوا باقی سب نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت کرنا' نماز قائم کرنا' اور زکوۃ ادا کرنا' ماں باپ' رشتہ داروں'

ا۔ تفسیر ابن کثیر

یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا' یہ اس قسم کی عبادات ہیں جو ہر نبی کے دور میں مشترک رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا اپنی عبادت کے ساتھ متصلاً ذکر کیا ہے اس لیے ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل ذکر کر رہے ہیں اور اس کے بعد رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بیان کریں گے' ان شاء اللہ۔

والدین کی اطاعت پر' ثواب کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا: اللہ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو وقت پر پڑھنا میں نے پوچھا: پھر کونسا عمل؟ فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک شخص نے آ کر جہاد کی اجازت طلب کی' آپ نے فرمایا: کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ [۲]

معاویہ بن جاھمہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاھمہؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے' میں آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں' آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے

۱۔(بخاری' مسلم)

۲۔(بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

ساتھ چمٹے رہو کیونکہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے۔[1]

اس حدیث کو سند جید کے ساتھ طبرانیؒ نے روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گیا اور آپ سے جہاد کے متعلق مشورہ کیا' آپ نے فرمایا: تمہارے ماں باپ ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: ان کے پیروں کے ساتھ چمٹے رہو۔ جنت ان کے پیروں کے نیچے ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں اور مجھے اس کی قدرت نہیں ہے' آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک ہے؟ اس نے کہا: میری ماں ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرنے کی زیادہ کوشش کرو' جب تم یہ کرلو گے تو تم حج کرنے والے' عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہو گے۔[2]

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے تھے' انہوں نے مجھ سے کہا: اس کو طلاق دے دو' میں نے انکار کیا' حضرت عمرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اس کو طلاق دے دو۔[3]

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کے لیے طوبیٰ (جنت کا ایک سایادار درخت) ہے' اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں

۱۔(ابن ماجہ' نسائی' حاکم' حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

۲۔اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور طبرانیؒ نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند عمدہ ہے۔

۳۔(ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان)

زیادتی کرتا ہے۔ (۱)

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلودہ ہو اس کی ناک خاک آلودہ ہو اس کی ناک خاک آلودہ ہو پوچھا: کس کی؟ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے فرمایا: جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بڑھاپا پایا' اس کے باوجود وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (۲)

حضرت جابر بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منبر پر چڑھتے ہوئے فرمایا: آمین' آمین' آمین' آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا: اے محمد! جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کے ساتھ نیکی کیے بغیر مر گیا' وہ دوزخ میں جائے گا اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے' کہیے آمین تو میں نے کہا: آمین' پھر کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور مر گیا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس نے روزے نہیں رکھے) وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے' کہیے آمین' تو میں نے کہا: آمین' اور جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے وہ دوزخ میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے" کہیے آمین' تو میں نے کہا: آمین۔ (۳)

حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین آدمی سفر کررہے

۱۔ (ابویعلیٰ' طبرانی' حاکم' اصبہانی' حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

۲۔ (مسلم)

۳۔ (اس حدیث کو امام طبرانی (رح) نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند حسن ہے' امام ابن حبان (رح) نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے)۔

تھے۔ان کو بارش نے آلیا' انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی' غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آ گری اور غار کا منہ بند ہو گیا' پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو' شاید اللہ غار کا منہ کھول دے' ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی' میں جب شام کو آتا تو بکری کا دودھ' دوھ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا' پھر اپنی بچی کو پلاتا ایک دن مجھے دیر ہو گئی' میں حسب معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا' وہ سو چکے تھے' میں نے ان کو جگانا ناپسند کیا اور ان کے دودھ' دینے سے پہلے اپنی بچی کو دودھ دینا ناپسند کیا' بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا' تو ہمارے لیے اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں' اللہ عزوجل نے ان کے لیے کشادگی کر دی حتی کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں' اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کی رضا والد

۱۔(بخاری' مسلم' ابن حبان)

۲۔(بخاری و مسلم)

کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (۱)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے: کیا اس کی کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں' فرمایا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرو۔ (۲)

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا' کہنے لگا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرسکتا ہوں؟ فرمایا ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو' کسی کے ساتھ ان کے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو' ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو' ان کے دوستوں کی عزت کرو۔ (۳)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب عمل ہے' اس کا ثواب جہاد کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کا اجر حج اور عمرہ کے مساوی ہے' ماں باپ کے قدموں میں رہنا جنت کی طرف پہنچاتا ہے' اس سے عمر زیادہ ہوتی ہے' دعا قبول ہوتی ہے' دوزخ سے نجات ملتی ہے' مغفرت ہوتی ہے' اور ان کو راضی کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

۱۔ (ترمذی' ابن حبان' حاکم' طبرانی)

۲۔ (ترمذی ابن حبان' حاکم)

۳۔ (ابوداؤد ابن ماجہ' ابن حبان) (الترغیب والترھیب ج ۳ ص۔ ۳۲۳۔ ۳۱۴ 'ملتقطا' مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ' ۱٤۰۷ھ)

ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو اور جھوٹ اور جھوٹی گواہی' آپ بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش آپ سکوت فرماتے۔ [۱]

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا' ماں باپ کا نافرمان' شراب کا عادی' کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا' اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے' ماں باپ کا نافرمان' دیوث (اپنی بیوی کی بدکاری پر علم کے باوجود خاموش رہنے والا) اور جو عورت مردوں کی مشابہت کرے۔ [۲]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پانچ سو میل کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی' اپنے کام کا احسان جتانے والے کو ماں باپ کے نافرمان کو اور عادی شرابی کو یہ خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔ [۳]

۱۔ (بخاری' مسلم' ترمذی)

۲۔ (نسائی' بزار ان دونوں کی سند حسن ہے حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کا پہلا حصہ روایت کیا ہے)

۳۔ (طبرانی)

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل' ماں باپ کا نافرمان' احسان جتانے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے' عرض کیا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا؟ فرمایا: وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا' وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (۲)

حضرت عمرو بن مرہ جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور پانچ نمازیں پڑھتا ہوں' اپنے مال کی زکوۃ دیتا ہوں رمضان کے روزے رکھتا ہوں' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اس عمل پر فوت ہوگیا' وہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا' پھر آپ نے دونوں انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا: بشرطیکہ اس نے ماں باپ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ (۳)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات

۱۔ (کتاب السنۃ)

۲۔ (بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی)

۳۔ (احمد' طبرانی' ان دونوں نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک سند صحیح ہے' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اختصار کے روایت کیا ہے)

آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجتا ہے' اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت بھیجتا ہے' اور ہر ایک کو ایسی لعنت بھیجتا ہے جو اس کو کافی ہے' قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے' قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے' قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے' غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والا ملعون ہے' ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ملعون ہے۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا' آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا: ہاں! پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے' آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا: کہو لا الہ الا اللہ" اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا' آپ نے اس کے متعلق پوچھا' کسی نے کہا: یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ' وہ آئی آپ نے پوچھا: یہ تمہارا بیٹا ہے' اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی' آپ نے فرمایا تب تم اللہ کو گواہ کرو' اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو' اس عورت نے کہا: اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں' پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا

۱۔ (طبرانی حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

: اے لڑکے! اب کہو: "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ" تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کی میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔ (۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیر ہے' اس کی وجہ سے انسان جہنم میں جا گرتا ہے' محشر میں جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے' کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے' اس کی وجہ سے انسان جہنم میں جا گرتا ہے محشر میں جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے' ماں باپ کے نافرمان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا' موت سے پہلے اس کو دنیا میں فقر اور ذلت اور مہلک بیماریوں کی سزا ملتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اور فرشتوں کی لعنت ہے' ماں باپ کے نافرمان کا خاتمہ خراب ہوتا ہے' اس کی بصیرت سلب ہو جاتی ہے اور ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ مرتے وقت کلمہ شہادت نہیں پڑھ سکتا۔ اے اللہ! ہم پر ہمارے والدین کو راضی رکھ اور ان کو ہماری طرف سے بہترین جزاء عطا فرما!

رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے وہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے۔ (۲)

۱۔ (طبرانی واحمد) (الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۳۳-۳۲۳ 'ملتقطا' مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (بخاری ومسلم) (الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۲۴ ملتقطا' مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر جمعرات کو جمعہ کی شب بنو آدم کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' جو شخص رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا ہو اس کا عمل قبول نہیں ہوتا'۔ (۱)

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے' آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔ (۲)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم عزت کے ساتھ رہتا ہو۔ (۳)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کی پرورش کے لیے جدوجہد کرنے والا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے اور میرا گمان ہے آپ نے فرمایا: اس شخص کی مثل ہے جو اکتائے بغیر قیام کرے اور مسلسل روزے رکھے۔ (۴)

حضرت ابن عباسؓ نے کہا تم انہیں لا الہ الا اللہ کہو اور انہیں اس کا حکم دو۔ ابن جریجؒ نے کہا: یعنی تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاملہ میں لوگوں سے سچی بات کہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ اس حدیث کا امام احمد (رح) نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (الترغیب والترھیب ج ۳ ص۔ ۳۴۳۔ ملتقطا' مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

۲۔ (بخاری ابوداؤد وترمذی) (الترغیب والترھیب ج ۳ ص۔ ۳۴۶ ملتقطا' مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

۳۔ (طبرانی واصبہانی) (الترغیب والترھیب ج ۳ ص۔ ۳۴۸' ملتقطا' مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

۴۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ) (الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۵۱ ملتقطا' مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

وسلم) کی صفات میں تبدیلی نہ کرو۔ سفیان ثوریؒ نے کہا: لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور انہیں برائی سے روکو۔ ابوالعالیہؒ نے کہا: انہیں اچھی بات کہو اور اچھا بدلہ دو اس سے جو تم چاہتے ہو کہ تمہیں بدلہ دیا جائے۔ یہ تمام مکارم اخلاق پر ابھارنا ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا کلام نرم ہو اس کا چہرہ ہر فاسق و فاجر کے لئے، سنی اور بدعتی کے لیے مسکراتا اور کھلا ہوا ہو لیکن دین میں مداہنت نہ کرے اور ایسی کلام نہ کرے کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کے مذہب سے راضی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کو فرمایا: فقولا لہ قولاً لیناً (طٰہٰ: 44) (اس سے نرم لہجہ میں بات کرو) کوئی قائل، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) سے افضل نہیں ہے اور کوئی فاجر فرعون سے زیادہ خبیث نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کے ساتھ نرم کلام کرنے کا حکم دیا۔

طلحہ بن عمرؒ نے کہا: میں نے عطاؒ سے کہا تیرے پاس مختلف خواہشات کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور میرے اندر تیزی اور سختی ہے میں ان کو سخت کلام کہتا ہوں۔ حضرت عطاؒ نے کہا: تم ایسا مت کیا کرو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وقولوا للناس حسناً اس آیت میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں تو پھر حنیفی (مسلمان) کا کیسا حکم ہوگا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: تو فحش کلام کرنے والی نہ ہو جا، کیونکہ بیشک فحش اگر مرد ہوتا تو برا مرد ہوتا۔ [1]

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ

---

[1] تفسیر قرطبی

اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ

تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا

مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ

وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ

اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ

بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى

الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اور وہ وقت یاد کرو! جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو (۸۴) پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی لوگوں کو قتل کرتے ہو اور

اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ایک دوسرے
کی مدد کرتے ہو ان کے مقابلہ میں گناہ اور ظلم سے! اور اگر وہی لوگ آئیں
تمہارے پاس قید ہو کر تو عوض دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ حرام کر دیا گیا تھا تم
پر ان کا نکالنا ہی پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر
کرتے ہو؟ تو اس شخص کی جزا جو تم میں سے یہ کرے اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی
زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے
جائیں گے اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو(۸۵)۔

یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے میثاق توڑنا

اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنو اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں گے' نسل در نسل یہ عہد و میثاق مدینہ میں آباد یہودیوں میں بھی منتقل ہوا مدینہ میں اوس اور خزرج' مشرکوں کے دو قبیلے تھے جو کسی شریعت کے پیروکار تھے نہ کسی چیز کے حرام اور حلال ہونے کے قائل تھے' یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ مدینہ میں رہنے والے یہود بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے، بنو قینقاع' خزرج کے حلیف تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی تو بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے اور اس جنگ میں یہود ایک دوسرے کو قتل کرتے اور گھروں سے نکال

دیتے اور جب جنگ ختم ہوجاتی تو بنونضیر اور بنوقریظہ کے جولوگ خزرج کی قید میں ہوتے ان کو بنوقینقاع فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور بنوقینقاع کے جولوگ اوس کی قید میں ہوتے ان کو بنوقریظہ اور بنونضیر فدیہ دے کر چھڑا لیتے' اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم فریق مخالف کے قیدیوں کو فدیہ دے کر کیوں چھڑا رہے ہو؟ تو کہتے کہ ہمیں تورات میں یہ حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائیں' پھر ان سے کہا جاتا کہ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور گھروں سے نہ نکالو تو تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم اپنے حلیف سے کیے ہوئے عہد کی پاس داری کرتے ہیں' یعنی مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے تھے اور خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے تھے۔ [۱]

اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد

اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی ہمیشہ آپس میں جنگ وجدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے بنی قینقاع بنونضیر اور بنوقریظہ، بنوقینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے، بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس وخزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے، دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے، دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال ودولت پر بھی قبضہ کرلیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو گھروں سے نہ نکالو اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو یہ اس لیے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کی مانند ہیں حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی، اخوت، صلہ رحمی اور رحم و کرم میں ایک جسم کے مثل ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے بخار چڑھ جاتا ہے راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مسلمان کے لیے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہیے عبد خیر کہتے ہیں ہم سلمان بن ربیعہ کی ماتحتی میں ”بخبر“ میں جہاد کر رہے تھے محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان میں سے ایک یہود لونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہؓ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو اس نے کہا بہت اچھا میں چودہ سو دیتا ہوں آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم میں نہیں بیچوں گا اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا آپ نے کہا سن یا تو تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا تورات میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بے گھر بھی نہ کیا کرو اب یا تو تورات کو مان کر اسے خرید یا تورات کا منکر ہونے کا اقرار کر! وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلامؓ ہو آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا

آپ نے دو ہزار لے لیے اور دو ہزار لوٹا دیئے بعض روایتوں میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچیاں ہوں اس پر حضرت عبداللہؓ نے اسے تورات کی یہ آیت سنائی غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے امانت داری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفتیں آپ کی نشانیاں آپ کی نبوت کی تصدیق آپ کی جائے پیدائش جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرتے تھے اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی۔ ①

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ ٨٦

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے خریدی، سو نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ہی پہنچے گی۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا

(اشتروا): انہوں نے بیچا۔ انہوں نے خریدا، اشترائٌ سے ماضی۔ (یخفف): اس میں تخفیف کی جائے

۱۔ تفسیر ابن کثیر

گی، اس میں کمی کی جائے گی، تخفیف سے مضارع مجہول۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کی ذرا پرواہ نہیں، اور انہوں نے آخرت کے عیش و آرام کے بدلے میں فانی دنیا کے حصول کو مقدم جانا، یہ لوگ احکام خداوندی کو جانتے ہوئے بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں، امانت و دیانت ان میں سے اٹھ گئی ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفتیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نشانیاں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جائے پیدائش اور جائے ہجرت وغیرہ سب تورات میں موجود تھیں مگر یہ ان سب کو چھپاتے رہے۔ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرتے رہے۔

بالاخرة، (آخرت کے بدلے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کے اندر آخرت کا ایمان باقی ہی نہ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے راہ روی اور غلط کاری سے روکنے والی بات صرف اللہ اور آخرت کا تصور ہے۔ اگر انسان کی دوسری ابدی زندگی اور جزاوسزا کا خیال نہ رہے۔ تو اسے گناہ اور سرکشی کی راہ سے کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی۔

لاھم ینصرون، (انہیں مدد نہ پہنچے گی) نصر اس کا مادہ ہے۔ انصار (مدد کرنے والے) بھی اسی لفظ سے ہے۔ اور منصور کا مادہ بھی یہی لفظ ہے۔ اس پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس عذاب سے رہائی کے لئے کسی طرف سے انھیں کوئی مدد نہ پہنچے گی۔

یہودی اس گمان باطل میں مبتلا تھے۔ کہ وہ خواہ کتنے ہی زیادہ گناہ کرتے چلے جائیں۔ آخرت میں ان کی مدد کے لئے ان کے بزرگ اور خدارسیدہ لوگ پہنچیں گے۔ اور انھیں آگ کے عذاب سے بچالیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ عقیدہ غلط اور باطل ٹھہرایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ان کی کسی طرف سے مدد

نہ کی جائے گی۔

پس یہی لوگ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾ ﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے اس کی مدد کی پھر کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا۔ سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔

عیسیٰ، مریم اور روح القدس کے معنی

عیسیٰ اور یسوع عبرانی زبان کے الفاظ ہیں، ان کا معنی ہے: سید یا برکت والا، مریم بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: خادم، کیونکہ ان کی ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے

وقف کردیں گی' بینات سے مراد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات ہیں' مثلاً مردوں کو زندہ کرنا' پیدائشی نابینا کو بینا کرنا' برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کرنا' روح القدس سے مراد ہے پاکیزہ روح' حضرت جبرائیل کو روح القدس کہتے ہیں' قدس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور روح کی اضافت تشریف کے لیے ہے یعنی اللہ کی پسندیدہ روح' قرآن مجید میں حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو روح القدس بھی فرمایا ہے اور الروح الامین بھی فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن کعبؒ، اسماعیل بن خالدؒ، سدیؒ، ربیع بن انسؒ، عطیہ عوفی اور قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہیں۔ [1]

انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان

ان آیات میں یہودیوں کے دل کی سختی بیان فرمائی ہے' اور یہ کہ وہ مادہ پرست اور نفسانی خواہشوں پر چلنے والے تھے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں بار بار رسول بھیجے' امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بعثت تک یکے دیگرے مسلسل رسول آتے رہے' علامہ ابوالحیان اندلسیؒ نے لکھا ہے کہ جب تک حضرت یوشعؑ کو نبی نہیں بنادیا گیا اس وقت تک حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فوت نہیں ہوئے' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد حضرت یوشع (علیہ السلام)' حضرت شمول (علیہ السلام)' حضرت شمعون (علیہ السلام)' حضرت داؤد (علیہ السلام)' حضرت سلیمان (علیہ السلام)' حضرت شعیا (علیہ السلام)' حضرت ارمیا (علیہ السلام)' حضرت عزیز (علیہ السلام)' حضرت حزقیل (علیہ السلام)' حضرت الیاس (علیہ السلام)' حضرت الیسع (علیہ

1۔ تفسیر ابن کثیر

السلام)' حضرت یونس (علیہ السلام)' حضرت زکریا (علیہ السلام)' حضرت یحییٰ (علیہ السلام)'اور بہت سے رسول آئے۔امام ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تک جو رسول بھی مبعوث ہوا وہ بنواسرائیل کو تورات پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وقفینا" یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول اسی منہاج اور اسی شریعت پر بھیجا' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت بعض احکام میں تورات سے مختلف تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے' وہ مردوں کو زندہ کرتے' مٹی سے پرندے کی شکل کا ایک جانور بنا دیتے' اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جاتا' بیماروں کو تندرست کر دیتے' غیب کی خبریں دیتے' ان کے صدق کی تائید میں حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ان کے ساتھ رہتے تھے۔بنواسرائیل ان سے بہت حسد اور بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کے بعض احکام تورات کے خلاف تھے' قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے بنواسرائیل سے فرمایا:

(آیت) "ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم" (آل عمران:٥٠)

ترجمہ:اور (میں اس لیے آیا ہوں) کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی کوئی رسول ایسی شریعت لے کر آتا جو ان کی خواہش کے خلاف ہوتی تو وہ اس کا کفر کرتے اور اس کے خلاف مہم چلاتے اور بغاوت کرتے' ان میں سے بعض رسولوں کی تو انہوں نے تکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور بعض رسولوں کو انہوں نے قتل کر دیا جیسے حضرت یحییٰ

(علیہ السلام) اور حضرت زکریا (علیہ السلام) اور ان آیات میں ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ تسلی دی جارہی ہے کہ اگر بنو اسرائیل نے آپ کی تکذیب کی' اور آپ پر ایمان نہیں لائے تو اس میں کسی تعجب اور غم اور افسوس کی بات نہیں ہے کیونکہ نبیوں سے عناد رکھنا اور ان کی تکذیب کرنا ان کی سرشت اور عادت ہے' ان آیات میں تمام یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے حالانکہ اس زمانہ کے یہودیوں نے انبیاء سابقین کی تکذیب یا ان کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ یہ کام ان کے اسلاف اور آباء واجداد نے کیا تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے یہودی اپنے پہلوں کے ان کاموں پر راضی تھے اور ان سے برأت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (جنت میں) آدم و موسیٰ (علیہ السلام) کی آپس میں بحث کے متعلق بیان کرتے ہوئے آدم (علیہ السلام) کا کلام بیان کیا کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا: "اللہ نے تمہارے لیے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی۔[1]

وَقَفَّيْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ: ارشاد فرمایا: (وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا)[السجدة: ٢٤] "اور ہم نے ان میں سے کئی پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے۔" اور فرمایا: (ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا)[المؤمنون: ٤٤] "پھر ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔"

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بنی اسرائیل میں سیاست کے فرائض انبیاء سرانجام دیا کرتے تھے، جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا تو دوسرا نبی اس کا

۱۔[أبوداؤد، کتاب السنة، باب فی القدر: ٤٧٠١۔ مسند الحمیدی: ٤٧٥/٢، ح: ١١١٥]

جانشین ہو جاتا تھا۔“ [1]

وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ: اس سے مراد جبرائیل (علیہ السلام) ہیں، سیدنا عمرؓ نے جب سیدنا حسانؓ کے مسجد میں شعر پڑھنے پر اعتراض کیا تو سیدنا حسانؓ نے سیدنا ابو ہریرہؓ سے تصدیق کرواتے ہوئے کہا کہ کیا اللہ کے رسول نے یہ نہیں فرمایا: (اَللّٰھُمَّ أَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ) ”اے اللہ! حسان کی روح القدس (یعنی جبرائیل (علیہ السلام) کے ساتھ مدد فرما۔“ [2]

فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ: سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے عائشہ! خیبر میں کھایا ہوا (زہر آلود) لقمہ مسلسل مجھے تکلیف دیتا رہا، حتیٰ کہ اب میری شہ رگ کٹنے کا وقت (آ گیا) ہے۔“ [3]

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ ﴾

اور وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب لعنت کی ہے پس یہ لوگ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

۱۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل: ۳۴۵۵۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ، الأول فالأول: ۱۸۴۲]

۲۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم: ۳۲۱۲]

۳۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ووفاتہ۔۔الخ: ۴۴۲۸، بعد الحدیث: ۴۴۳۰]

(غلف): غلاف، محفوظ ڈھکے ہوئے، یہ اغلف کی جمع ہے، اغلف اس قلب کو کہتے ہیں جس پر خلقی پردہ پڑا ہوا ہو جس کی وجہ سے نہ وہ حق بات سنے اور نہ سمجھے، بعض مفسرین نے غلف کی اصل غلف لام کے ضمہ سے بتائی ہے، پھر لام کو تخفیف کے لیے ساکن کر دیا، حضرت ابن عباسؓ کی قرات سے اس کی تائید ہوتی ہے، پس آیت کے معنی یہ ہوں گے ہمارے دل ہر قسم کے علم کے غلاف اور برتن ہیں یعنی ان میں ہر قسم کا علم بھرا ہوا ہے، ہمیں تمہارے علم کی ضرورت نہیں۔ [۱]

امام طبرانیؒ نے الاوسط میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ دل آپ اس طرح پڑھا کرتے تھے لفظ آیت "وقالوا قلوبنا غلف" تشدید کے ساتھ یہودی کہتے تھے کہ تم کس طرح ہم کو سکھاتے ہو ہمارے دل حکمت کے لیے غلاف نہیں یعنی حکمت کے لیے برتن ہیں۔

ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وقالوا قلوبنا غلف" یعنی ہمارے دل علم سے بھرے ہوئے ہیں اس لیے ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس کے علاوہ کسی اور علم کی۔

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے حضرت عطیہؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "وقالوا قلوبنا غلف" یعنی یہ وہ ایسے دل ہیں جن پر مہریں لگی ہوئی ہیں۔

وکیعؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "وقالوا قلوبنا غلف" یعنی دلوں پر مہر ہے۔

امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "وقالوا قلوبنا غلف" یعنی دلوں پر پردہ ہے۔

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "وقالوا قلوبنا غلف" یعنی انہوں نے کہا

۱۔ (مظہری ۹۴۔۱)

کہ ہمارے دل نہیں سمجھتے۔

دل کی چار قسمیں

ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب الاخلاص میں ابن جریرؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ دل چار قسم کے ہیں وہ دل جو ڈھکا ہوا ہوتا ہے کہ یہ دل منافق کا ہے۔اور وہ جو صاف ہوتا ہے جس میں مثل چراغ کے ایمان کی روشنی ہے اور یہ دل مومن کا ہے۔اور وہ دل جس میں ایمان اور نفاق دونوں ہیں سو ایمان کی مثال ایسے درخت کی ہے جس کو پاک پانی بڑھاتا ہے اور نفاق کی مثال پھوڑے کی سی ہے جس کو پیپ اور خون بڑھاتا ہے۔سو دونوں فاسد مادوں میں سے جو مادہ غالب آتا ہے وہ دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے۔

امام عاصمؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ دلوں پر فتنہ پیش کیا جاتا ہے سو جو دل اس کا انکار کر دیتا ہے اس دل میں ایک سفید داغ پیدا ہو جاتے ہیں اور جو دل اس کا انکار نہیں کرتا اس کو قبول کر لیتا ہے۔تو اس دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر دلوں پر دوسرا فتنہ پیش کیا جاتا ہے اگر اس دل نے پھر انکار کر دیا جس نے پہلے بھی انکار کیا تھا تو اس دل میں ایک اور سفید داغ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر دل نے انکار نہ کیا تو پھر مزید سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔پھر اور فتنہ پیش کیا جاتا ہے اگر اس دل نے پھر انکار کر دیا تو سفیدی شدید ہو جاتی ہے۔اس کو کبھی بھی کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔اور اگر اس نے پہلے دونوں مرتبہ انکار نہ کیا تو وہ کالا ہو جاتا ہے۔اور الٹا ہو جاتا ہے اور جھک جاتا ہے۔پھر ایسا دل حق کو نہیں پہچانتا اور نہ کسی گناہ کا انکار کرتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے کتاب الایمان میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ سے روایت کیا

ہے کہ بلاشبہ ایمان دل میں ایک مختصر سفیدی میں حاضر ہوتا ہے جب ایمان زیادہ ہوتا ہے تو سفید بھی زیادہ ہوجاتا ہی اور نفاق بھی دل میں چھوٹی سی سیاہی کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ جب نفاق زیادہ ہوتا جاتا ہے تو سیاہی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب نفاق مکمل ہوجاتا ہے تو سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور اللہ کی قسم اگر تم مومن کے دل کو چیر کر دیکھو تو اس کو سفید پاؤ گے اور تم منافق کے دل کو چیر کر دیکھو تو اس کو سیاہ پاؤ گے۔

امام احمدؒ نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ دل چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ دل ہے جو صاف ہوتا رہتا ہے اس میں چراغ کی طرح کوئی چیز روشن ہوتی ہے اور دوسرا وہ دل ہے جو غلاف میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اور تیسرا وہ دل جو اندھا کیا ہوا اور چوتھا وہ دل ہے جو ڈھکا ہوا ہوتا ہے وہ دل جو صاف ہوتا ہے وہ مومن کا دل ہے اس میں چراغ ہے جس میں اس کی روشنی ہے اور جو دل غلاف چڑھا ہوا ہے وہ دل کافر کا ہے اور جو دل اوندھا کیا ہوا ہے وہ دل ایسے منافق کا ہے جو کافر ہے جو حق بات پہچانتا ہے پھر بھی انکار کرتا ہے اور جو دل ڈھکا ہوا ہے اس دل میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی ہے۔ اور اس میں ایمان کی مثال ایسی سبزی کی طرح ہے جس کو پاک پانی بڑھاتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال اس پھوڑے کی سے ہے جس کو پیپ اور خون بڑھاتا ہے پھر ان دونوں فاسد مادوں میں سے جس نے دوسرے پر غلبہ کرلیا وہ اس پر غالب ہوگیا سلمان فارسیؓ سے اسی طرح موقوف روایت ہے۔

واما قولہ تعالیٰ: فقلیلا مایؤمنون۔

امام عبدالرزاق اور ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فقلیلا مایؤمنون" سے مراد ہے کہ ان

میں سے بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لاتے ہیں۔ (۱)

تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت ثواب عذاب وغیرہ کا قائل۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھنے والے تورات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقعہ پر بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ (۲)

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ ﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب پہنچی جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے اور وہ پہلے سے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں مانگا

۱۔ تفسیر الدر منثور

۲۔ تفسیر ابن کثیر

کرتے تھے۔مگر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا،تو اس کا انکار کر بیٹھے۔پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

انکار کا سبب

جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب لے کر اللہ عزوجل کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہا اے اللہ تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفتیں ہم تورات میں پڑھتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مل کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنوں سے انتقام لیں۔مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے لیکن جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں۔پہچان بھی لیا۔دل سے قائل بھی ہو گئے۔مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے۔حسد کیا اور آپ کی نبوت سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لعنت یافتہ ہو گئے بلکہ وہ مشرکین مدینہ جو ان سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد کے بارے میں سنتے چلے آتے تھے انہیں تو ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مل کر وہ یہود پر غالب آ گئے ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل ؓ،حضرت بشر بن براء ؓ،حضرت داؤد بن سلمہ ؓ نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہمارے شرک کی حالت میں ہم سے حضور نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور اب جب کہ وہ عام اوصاف جو تم حضرت کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ میں ہیں۔پھر تم خود ایمان کیوں

نہیں لاتے ؟ آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے ؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارے میں نہیں کہتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے تو مانتے تھے منتظر بھی تھے لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے ڈر سے صاف انکار کر بیٹھے۔ (۱)

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ یہود اوس اور خزرج کے خلاف جنگ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرنے کی دعا کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب میں مبعوث کر دیا تو جو کچھ وہ آپ کے متعلق کہتے تھے اس کا انہوں نے انکار کر دیا، ایک دن حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت بشر بن البراء بن معرورؓ نے ان سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ، جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف سیدنا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے، تم ہم کو یہ خبر دیتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور تم اس نبی کی وہی صفات بیان کرتے تھے جو آپ میں موجود ہیں، اس کے جواب میں بنو نضیر کے سلام بن مشکم نے کہا: وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔ (۲)

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

امام ابو نعیمؒ نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (جامع البیان ج۱ ص۲۲۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱٤۰۹ھ)

وسلم) کی بعثت سے پہلے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود کفار کے خلاف جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یوں فتح کی دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہم نبی امی کے وسیلہ سے تجھ سے نصرت طلب کرتے ہیں' تو ہماری مدد فرما' تو ان کی مدد کی جاتی اور جب وہ نبی آ گئے جن کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے ان کا کفر کیا۔
امام ابو نعیمؒ نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس طرح دعا کا ذکر کیا ہے۔
اے اللہ اپنے اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو تو ان پر نازل کرے گا' تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو ان کو آخر زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔[1]

﴿ بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾ ﴾

بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ اس چیز کا انکار کردیں جو اللہ نے نازل فرمائی، حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

یہود کا حسد

۱۔(الدر المنثور ج ۱ ص ۸۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے حضور ﷺ کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا۔ آپ کی نصرت و امداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی اس وجہ سے اپنے آپ کو جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا وہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سے سوائے حسد و بغض تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں چونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے بلکہ آپ عرب میں سے تھے اس لیے یہ منہ موڑ کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ پر کوئی حاکم نہیں وہ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے پس ایک تو تورات کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب نازل ہوا دوسرا حضور کے ساتھ کفر کرنے کے سبب نازل ہوا۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہ ماننے کی وجہ سے اور دوسرا غضب حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے کے سبب سدیؒ کا خیال ہے۔ کہ پہلا غضب بچھڑے کے پوجنے کے سبب تھا دوسرا غضب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کی بناء پر چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضور ﷺ کی نبوت سے منکر ہوئے تھے اور اس حسد بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لیے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تا کہ گناہ کا بدلہ پورا ہو جائے جیسے فرمان ہے آیت (اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ) 40۔ غافر 60:) میری عبادت سے جو بھی تکبر کریں گے وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے "بولس" نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے

جہاں کی آگ دوسری تمام آگوں سے تیز ہو گی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔[1]

﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾ ﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے اسے وہ نہیں مانتے، حالانکہ وہی حق ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجیے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو۔

اور جب ان یہودیوں سے قرآن حکیم پر ایمان لانے کے متعلق کہا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تورات پر ایمان لائیں گے اور تورات کے علاوہ اور سب کتابوں کا انکار کریں گے، حالانکہ قرآن کریم میں بھی سچ

1۔ تفسیر ابن کثیر

ہے اور توحید خالص کے متعلق جو کچھ ان کی کتاب (توریت) میں ہے قرآن کے مطابق ہے۔ کہتے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے باپ دادا مومن تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ جواباً فرمادیجئے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو اس سے پہلے دیگر نبیوں کو کیوں تم قتل کرتے رہے ہو۔ (۱)

خود پسند یہودی مورد عتاب

یعنی جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں تورات انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق موجود ہے، جیسے فرمایا آیت (اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ) 2۔البقرۃ:146) یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ سے انکار کا مطلب تورات انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا تورات اور انجیل پر اگر تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے غلام ہو۔ (۲)

۱۔ تفسیر ابن عباس
۲۔ تفسیر ابن کثیر

﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ ﴾

اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا، اور تم ظالم تھے۔

پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ (علیہ السلام) سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ جوان کی بددعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے لکڑی کا سانپ بن جانا ہاتھ کا روشن چاند بن جانا، دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا، پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جوان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) طور پہاڑ پر گئے ادھر تم نے بچھڑے کو اللہ بنالیا اب بتاؤ کہ خود تورات پر اور خود حضرت موسیٰ پر بھی تمہارا ایمان کہاں گیا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ من بعدہ سے مراد موسیٰ (علیہ السلام) کے طور پر جانے کے بعد ہے دوسری جگہ ارشاد ہے آیت (واتخذ قوم موسیٰ) الخ یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا آیت (ولما سقط فی ایدیھم) یعنی جب انہیں ہوش آیا نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے اس وقت کہا اے اللہ اگر تم ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری خطا نہ

بخشے تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔ (۱)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر پہاڑ کو بلند کیا، اور حکم دیا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو۔ انھوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے کفر کے سبب سے بچھڑے کی پرستش ان کے دلوں میں رچ بس گئی۔ آپ فرمادیجیے کہ بری ہیں یہ باتیں جن کا تمھیں حکم دیتا ہے تمہارا ایمان اگر تم مومن ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں مخالفتیں سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرمارہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کرلیا جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے۔ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی

۱۔ تفسیر ابن کثیر

ہے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا گو بچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ ؑ کے سامنے تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔ [۱]

عبدالرزاق اور ابن جریرؒ نے قتادہؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرہم" یعنی اس بچھڑے کی محبت کو انہوں نے پیا۔ یہاں تک کہ وہ محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔

یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت

اس سے پہلے بھی اسی سورت کے آٹھویں رکوع میں یہودیوں سے پختہ عہد لینے اور کوہ طور ان پر اٹھانے اور مضبوطی کے ساتھ تورات شریف کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کا عہد لینے کا ذکر گزرا ہے یہاں پھر اس کو دھرایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جب ان کو حکم ہوا کہ تورات شریف کو مضبوطی سے تھام لو اور اس کے احکام کو سن لو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اس پر عمل نہ کریں گے حکم تھا کہ دل کے کانوں سے سنو، قبول کرنے کے لیے سنو، عمل کرنے کے لیے سنو لیکن انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ گرنے کے ڈر سے اس وقت تو کہہ دیا کہ ہاں ہم نے سنا اور اوپر کے دل سے اقرار بھی کر لیا جیسا کہ مفسرین نے لکھا

۱۔ تفسیر ابن کثیر

ہے لیکن بعد میں اس قول وقرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر تل آئے اور کہنے لگے کہ سنا تو ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے بچھڑے کی جو عبادت کی تھی وہ ان کے اندر رچ بس گئی تھی اور رگ و پے میں گھس گئی تھی جیسے پینے کی چیز اندر جا کر جہاں جہاں جگہ دیکھتی ہے اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے ان کے کفر کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوا کہ بچھڑے کی محبت ان کے اندر پوری طرح سرایت کر گئی اور جاگزیں ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں تم ایمان کے دعویدار ہو اگر تم مومن ہو (حالانکہ مومن نہیں) تو سمجھ لو کہ تمہارا ایمان تمہیں برے اعمال کی تعلیم دیتا ہے کفر اور شرک پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ کیسا ایمان ہے جو توحید کی تعلیم نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ابھارتا ہے اور نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب پر آمادہ کرتا ہے جن کا نبی ہونا تم پر دلائل سے واضح ہے۔

فائدہ: بچھڑے کی عبادت سے ان لوگوں نے توبہ تو کر لی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ کے چھٹے رکوع میں گزرا لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سوں نے اوپر اوپر سے توبہ کر لی، دل کی گہرائی سے توبہ نہ کی اور بچھڑے کی پرستش کا اثر ان میں باقی رہا اور اس اثر کی وجہ سے اللہ کی کتاب تورات شریف کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جب پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا گیا تو اس وقت جھوٹ موٹ کو مان گئے لیکن بعد میں نافرمانی پر تلے رہے۔ [1]

---

[1] تفسیر انوار البیان

﴿قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً
مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ۝۹۴
وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ
بِالظّٰلِمِيۡنَ۝۹۵﴾

آپ فرما دیجیے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لیے ہے دوسرے سب لوگوں کو چھوڑ کر، تو پھر تم تمنا کرو موت کی، اگر تم سچے ہو (۹۴)۔ اور وہ ہرگز کبھی موت کی آرزو نہ کریں گے اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے (۹۵)۔

یہودیوں کے دعویٰ کا رد کہ جنت کے وہی مستحق ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، کے حق میں اور یہود اور ان کے علماء کے خلاف حجت قائم کی ہے کہ اگر تم اس دعوی میں سچے ہو کہ تمہارا دین برحق ہے اور آخرت میں صرف تم ہی جنت کے مستحق ہو تو تم دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے اور آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کو پانے کے لیے موت کی تمنا کرو تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس کا دین سچا ہے' لیکن انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی کیونکہ آخرت کی تو ویسے ہی انکو امید نہ تھی کہیں دنیا بھی ہاتھ سے جاتی نہ

رہے، مشرکین جو مرنے کے بعد دوسری زندگی پر یقین نہیں رکھتے، اصل میں ان کو دنیا میں لمبی عمر کی تمنا ہونی چاہیے کیونکہ ان کے لیے جو کچھ ہے یہی دنیا ہے لیکن یہ یہودی جو دنیا کے بعد آخرت اور جنت کے دعوی دار تھے ان مشرکوں سے بھی زیادہ لمبی عمر کی خواہش رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اگر وہ ایک دن بھی موت کی تمنا کرتے تو روئے زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا اور صفحۂ ہستی سے یہودیت مٹ جاتی۔ (۱)

دعوت مباہلہ: قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً ، (الآیۃ) حضرت ابن عباس ؓ نے اس کی تفسیر دعوت مباھلہ سے کی ہے یعنی یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ سے دعوائے محبت میں سچے ہو تو مباہلہ کرلو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ: یا اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اسے موت سے ہمکنار کردے یہی دعوت انہیں سورہ جمعہ میں بھی دی گئی ہے، نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے، لیکن چونکہ یہود بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے حافظ ابن کثیرؒ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (۲)

امام بیہقیؒ نے دلائل میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو فرما دیجئے لفظ آیت "ان کانت لکم الدار الاخرۃ" یعنی جنت جیسا کہ تم گمان کرتے ہو۔ "خالصۃ من دون الناس" یعنی مومنین کے علاوہ خالص تمہارے لیے ہے۔ لفظ

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص ۲۳۷-۲۳۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

۲۔ تفسیر جلالین حافظ سیوطیؒ

آیت "فتمنوا الموت ان کنتم صدقین" کیونکہ وہ جنت خالص تمہارے لیے ہے مومنین کے علاوہ اب موت کی تمنا کرو تاکہ جلدی سے پہنچ جاؤ۔ اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو کہو اے اللہ! ہم کو موت دے دے۔ تاکہ ہم جلدی جنت میں پہنچ جائیں۔ سو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہیں کہے گا مگر وہ گلے میں اپنی تھوک نگلنے کی وجہ سے مر جائے گا۔ انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا اور جو کچھ ان کو کہا گیا تھا کہ موت کی تمنا کرو اس کو انہوں نے ناپسند کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم" یعنی جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے برے اعمال کئے تھے "واللہ علیم بالظلمین" اور اللہ ظالموں کو جانتے ہیں۔ اس لیے وہ ہرگز اس بات کی تمنا نہیں کریں گے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کے نازل ہونے کے وقت فرمایا اللہ کی قسم وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے۔ [۱]

امام احمدؒ، بخاریؒ، مسلم، نسائیؒ، ترمذیؒ، ابن مردویہ اور ابو نعیمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اگر یہودی موت کی تمنا کر لیتے تو مر جاتے اور اپنا ٹھکانا آگ میں دیکھتے۔ [۲]

﴿ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا

۱۔ تفسیر الدر منثور

۲۔ تفسیر الدر منثور

هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور بلاشبہ آپ انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائیں گے۔ یہ حرص مشرکوں سے بھی زیادہ ہے ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کاش اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے حالانکہ اتنی عمر پانا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان یہودیوں کو زندہ رہنے کا مشرکین عرب سے زیادہ شیدائی اور حریص پاؤ گے، ان میں سے ہر ایک اس بات کا متمنی ہے کہ وہ ایک ہزار سال تک جیتا رہے، جن میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی ہر شب، شب برات اور ہر روز روز عید ہو۔ (یعنی پوری زندگی خوشی اور عیش وعشرت کے ساتھ گزاریں) لیکن اگر یہ لوگ ایک ہزار سال تک بھی زندہ رہیں تب بھی اللہ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں پاسکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں اور حق بات سے تجاوز اور ان چیزوں سے جو یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف اور صفت کے متعلق خفیہ رکھتے ہیں بہت زیادہ جاننے والا ہے۔[1]

امام ابن اسحاق ؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم ؒ حضرت عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "ولتجدنھم

١۔ تفسیر ابن عباس

احرص الناس علی حیوۃ "یعنی یہود" من الذین اشرکوا" سے مراد مشرک ہیں اس لیے کہ مشرک موت کے بعد اٹھنے کی تمنا نہیں رکھتا اور وہ لمبی زندگی کو پسند کرتا ہے اور یہودی اس رسوائی کو جانتے ہیں جو آخرت میں ان کو ہوگی جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا۔ اور وہ جانتے ہیں۔" وما ھو بمزحزحہ" یعنی اس کو بچانے والا۔

سعید بن منصورؒ، ابن ابی شیبہؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذر اور حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یود احدھم لو یعمر الف سنۃ" یعنی یہ عجمی لوگوں کی بات ہے کہ جب ان میں سے کوئی چھینک مارتا ہے تو کہتا کہ وہ ہزار سال یعنی ہزار سال زندہ رہے۔ روایت صحیح ہے۔

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ" وما ھو بمزحزحہ" یعنی وہ لوگ جنہوں نے جبرائیل (علیہ السلام) سے دشمنی کی۔ [1]

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دو کہ جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو تو بیشک اس نے یہ کتاب

1۔ تفسیر الدر منثور

تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اتاری ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے (۹۷)۔ جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں کا دشمن ہو اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے (۹۸)۔

شان نزول

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں بنواسرائیل کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئیں کہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے اور میکائیل ہمارا دوست ہے' امام ابوجعفر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا: ہم آپ سے چار ایسی چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ جس کا جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم جو چاہو سوال کرو لیکن اس کی ضمانت دو کہ اگر تم ان جوابات کا صدق پہچان لو تو پھر تم اسلام کو قبول کرو گے۔ انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا' انہوں نے سوال کیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات نازل کیا ہے! کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) سخت بیمار ہو گئے اور جب ان کی بیماری طول پکڑ گئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی تو میں اپنا پسندیدہ

طعام اور مشروب اپنے اوپر حرام کرلوں گا' اور ان کا پسندیدہ طعام اونٹ کا گوشت تھا (ابو جعفرؒ نے کہا: میرا گمان ہے کہ ان کا پسندیدہ مشروب اونٹنیوں کا دودھ تھا) انہوں نے کہا: ہاں! ان کا دوسرا سوال تھا کہ مرد کا پانی کیسا ہے اور عورت کا پانی کیسا ہے؟ اور مذکر اور مونث کیسے بنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جس نے موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات نازل کی! کیا تم کو معلوم ہے کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے اور جس کا پانی غالب ہو بچہ اسی (جنس) کا ہوتا ہے اور اللہ کے اذن سے اس کی مشابہت ہوتی ہے' انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا ان کا تیسرا سوال تھا: اس نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کو اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی! کیا تم کو معلوم ہے کہ اس نبی امی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا؟ آپ کا دوست کون ہے؟ اور آپ کے دین قبول کرنے یا نہ کرنے کا مدار اس سوال کے جواب پر ہے' آپ نے فرمایا: میرا دوست جبرائیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس کے وہی دوست تھے' انہوں نے کہا: اب ہم آپ کو چھوڑتے ہیں' اگر کوئی اور فرشتہ آپ کا دوست ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے اور آپ پر ایمان لے آتے' آپ نے فرمایا: تم جبرائیل کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: وہ ہمارا دشمن ہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

یہود کا جبرائیلؑ کو اپنا دشمن کہنا

1۔ (جامع البیان ج1 ص342' 341۔ 341 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' 1409ھ) اس حدیث کو امام احمد۔ 1 (امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ، مسند احمد ج1 ص، 278۔ 274 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1398ھ) اور امام طبرانی (رح)۔ 2 (امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ' معجم کبیر ج12 ص191۔ 190' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) نے بھی روایت کیا ہے اور حافظ سیوطی (رح) نے اس کا امام طیالسی' ابونعیم بیہقی (رح) اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (درمنثور' ج1 ص90' 89۔ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

نیز امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن خطابؓ یہود کے پاس گئے' جب انہوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا تو ان کو خوش آمدید کہا' حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں کوئی تم سے محبت یا تمہاری طرف رغبت کی وجہ سے نہیں آیا ہوں' لیکن میں تمہاری باتیں سننے کے لیے آیا ہوں' پھر دونوں نے ایک دوسرے سے سوالات کیے اور بحث کی' یہودیوں نے پوچھا: آپ کے نبی کا دوست کون ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا: جبرائیل' انہوں نے کہا: وہ تو ہمارا دشمن ہے وہ آسمان سے آ کر (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے راز بتا دیتا ہے وہ جب بھی آتا ہے جنگ اور قحط سالی لے کر آتا ہے البتہ ہمارے نبی کا دوست میکائیل ہے' وہ جب بھی آتا ہے صلح' خوشحالی اور غلہ کی فراوانی کے ساتھ آتا ہے' حضرت عمرؓ نے کہا: تو تم جبرائیل کو پہچانتے ہو اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انکار کرتے ہو' پھر حضرت عمرؓ سے اٹھ گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: کہیے: جو شخص جبرائیل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے)۔[1]

امام نسائیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام (یہودی عالم) آپ کے پاس آئے اور کہا: میں آپ سے تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ بچہ ماں یا باپ میں سے کس پر ہوتا ہے؟ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے ابھی جبرائیلؑ نے ان چیزوں کی خبر دی ہے' عبداللہ نے کہا: فرشتوں میں جبرائیل یہود کا دشمن ہے

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۴۴' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

(صحیح بخاری میں ہے: تب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: "قل من کان عدوا لجبرائیل" الایہ) آپ نے فرمایا: قیامت کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب کی طرف جمع کرے گی، اور جس چیز کو جنتی سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی ہوگی، اور بچہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب مرد کا پانی غالب ہو تو وہ بچے کو کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی غالب ہو تو وہ بچہ کو کھیچ لیتا ہے، عبداللہ بن سلام نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہود بہتان لگانے والے ہیں، اگر میرے متعلق پوچھنے سے پہلے آپ نے ان کو میرے مسلمان ہونے کے متعلق بتادیا تو مجھ پر بہتان باندھیں گے۔ جب یہود آئے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے پوچھا: تمہارے نزدیک عبداللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا: وہ ہم میں سب سے اچھا ہے اور اس کا باپ بھی سب سے اچھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئے؟ انہوں نے کہا: اللہ اس کو اسلام سے اپنی پناہ میں رکھے، تب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ، وہ کہنے لگے: یہ ہم میں سب سے برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی سب سے برا تھا، اور ان کی مذمت کی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اسی بات کا خوف تھا۔ [1]

جبرائیل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

۱۔ (سنن کبری ج ٦ ص ٢٨٧۔٢٨٦، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١١ھ) اس حدیث کو امام بخاری (رح) نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ٢ ص ٦٤٣، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ١٣٨١ھ)

ان آیتوں کی تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! ان سے کہیے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہوگا وہ اللہ کی وحی کا دشمن ہوگا کیونکہ تورایت اور قرآن دونوں وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں اور قرآن مجید' تورات' زبور اور انجیل کا مصدق ہے اور یہ تمام آسمانی کتابیں اللہ کی توحید' عبادات اور اخلاق حسنہ کی دعوت دیتی ہیں اور یہی گمراہی سے ہدایت دیتی ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتی ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص جبرائیل کا دشمن ہوگا وہ اللہ کا دشمن ہوگا کیونکہ جبرائیل کو اللہ تعالیٰ بھیجنے والا ہے اور جو جبرائیل کا دشمن ہوگا وہ سارے فرشتوں کا دشمن ہوگا کیونکہ سارے فرشتے جبرائیل کے موافق ہیں' اور جو جبرائیل کا دشمن ہوگا وہ سب رسولوں کا دشمن ہوگا کیونکہ جبرائیل تمام رسولوں کا ولی اور موید ہے اور جو جبرائیل کا دشمن ہوگا وہ میکائیل کا بھی دوست نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں' دونوں رسل ملائکہ میں سے ہیں اور دونوں مقرب فرشتے ہیں اور جو ان کا دشمن ہے وہ سن لے کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا' اس کے رسولوں کا' اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔

امام ابن جریرؒ اور ابوالشیخ نے العظمہ میں علی بن حسینؒ سے روایت کیا کہ جبرائیلؑ کا نام عبداللہ ہے اور میکائیلؑ کا نام عبداللہ ہے اور اسرافیلؑ کا نام عبدالرحمن ہے اور ہر چیز جو ایل کی طرف راجع ہے وہ اللہ عزوجل کی عبادت کرنے والی ہے۔

ابن ابی شیبہؒ نے ثابت عبداللہ بن عبیدؒ سے روایت کیا کہ جبرائیل (علیہ السلام) لوگوں کی ضرورت پوری کرنے پر مقرر کئے گئے ہیں جب مومن اپنے رب سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں روک

دے روک دے۔ کیونکہ اس کی دعا کی زیادتی مجھے محبوب ہے۔ اور جب کافر سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو دے دو۔ اس کو دے دے اس کی دعا کو ناپسند کرتے ہوئے۔

امام ابوالشیخ نے العظمہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے فرمایا کہ میں اس بات کی خواہش رکھتا ہوں کہ میں تجھ کو تیری صورت میں دیکھوں انہوں نے کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پسند فرماتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا آپ کے ساتھ فلاں رات کو وعدہ ہے بقیع غرقد کے پاس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے ملے انہوں نے اپنے پروں میں ایک پر کو پھیلایا تو آسمان کی فضا بند ہوگئی یہاں تک کہ آسمان میں سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔

ابوالشیخؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک نہر ہے جبرائیل (علیہ السلام) اس کے اندرونی حصہ میں داخل ہو کر باہر نکلتے ہیں اور اپنے پروں کو جھاڑتا ہے تو ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو پیدا فرماتے ہیں۔

امام احمدؒ نے الزہد میں رباحؒ سے روایت کیا کہ مجھے یہ بات بیان کی گئی کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے فرمایا کہ جب تو ہمارے پاس آتا ہے تیری آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں عرض کیا میں نہیں ہنسا جب سے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا فرمایا ہے۔

احمدؒ نے اپنی سند میں اور ابوالشیخؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے فرمایا کہ کیا بات ہے میکائیلؑ کو ہنستے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ میکائیل نہیں ہنسے جب سے دوزخ کو پیدا کیا گیا۔

ابوالشیخؒ نے عکرمہ بن خالدؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سے مخلوق زیادہ عزت والی ہے؟ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا جبرائیل (علیہ السلام) تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا اے جبرائیل ! کون سی مخلوق اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والی ہے؟ انہوں نے کہا میں بھی نہیں جانتا (پھر) وہ آسمان پر چڑھ گئے پھر اتر آئے اور کہا کہ سب سے زیادہ عزت والی مخلوق اللہ تعالیٰ کے نزدیک جبرائیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور ملک الموتؑ ہیں جبرائیلؑ جنگ والے اور پیغمبر والے ہیں (یعنی کافروں کے خلاف جنگ کا حکم لے آنے والے ہیں اور میکائیلؑ بارش برسانے والا اور ہر پتہ کو اگانے اور گرانے والے ہیں اور ملک الموتؑ ہر بندہ کی روح خشک اور نرمی میں قبض کرنے پر مقرر ہیں اور اسرافیلؑ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں ان کے اور ان کے بندوں کے درمیان۔ (۱)

﴿ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝۹۹ ﴾

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تیری طرف واضح آیات نازل کی ہیں اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو نافرمان ہیں۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر دلیل

۱۔ تفسیر الدر منثور

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک یہودی عالم) ابن صوریا القطیونی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم جانتے پہچانتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی آیت بینہ (واضحہ) نازل نہیں فرمائی تا کہ ہم آپ کی اتباع کریں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بیشک ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ [1]

ابن ابی حاتمؒ نے سعیدؒ اور عکرمہؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابن صوریا نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم پہچانتے ہوں اور نہ آپ پر کوئی بیان کرنے والی واضح آیت نازل ہوئی ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے (آیت) "ولقد انزلنا الیک ایت بینت (الخ) کو نازل فرمایا۔ [2]

ابن جریرؒ نے الضحاک کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولقد انزلنا الیک ایت بینت" یعنی آپ (ان آیات کو) ان پر پڑھتے ہیں اور آپ ان کو صبح، شام اور اس کے درمیان اور وقتوں میں بھی اس بات کی خبر دیتے رہتے ہیں اور آپ ان کے نزدیک امی ہیں کتاب نہیں پڑھ سکتے۔ اور آپ (اس کے باوجود) ان کے سامنے ان کو اس بات کی خبر دیتے ہیں جو ان کے ہاتھوں میں سے ہے سو اس میں ان کے لیے عبرت ہے اور بیان ہے اور ان پر حجت ہے کاش کہ وہ اس حقیقت کو جان لیتے۔ [3]

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

۲۔ تفسیر ابن عباس

۳۔ تفسیر الدر منثور

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر واضح آیات نازل فرمائیں جن سے وہ
تمام علوم اور اسرار ظاہر ہو گئے جن کو علماء یہود چھپایا کرتے تھے اور جس شخص نے تورات کا مطالعہ نہ کیا ہو
وہ ان پر مطلع نہیں ہو سکتا تھا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتادیا کہ تورات کے اصل احکام کیا تھا
اور علماء یہود نے ان میں تحریف کر دی سو جو شخص حسد اور بغض کا شکار ہو کر اپنی فطرت سلیمہ کو نہ کھو چکا ہو
اس کے لیے آپ کی نبوت کا صدق بالکل واضح تھا کیونکہ جس شخص نے نہ کسی کتاب کو پڑھا ہو نہ کسی عالم
کی مجلس میں بیٹھا ہو' وہ بغیر اللہ کی وحی کے ان مخفی چیزوں کو کیسے جان سکتا ہے اور کیسے بیان کر سکتا ہے!

﴿ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٠ ﴾

اور کیا جب کبھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو اسے ان میں سے ایک گروہ نے پھینک
دیا، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لاتے ہی نہیں۔

شان نزول

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مالک
بن الصیف یہودی سے فرمایا کہ دین محمدی کے بارے میں تم سے عہد و پیمان لیا گیا ہے کہ جب وہ ظاہر
ہو تو تم اس کی اتباع کرنا، یہ سنکر مالک نے کہا کہ خدا کی قسم ہم سے ہرگز اس کا عہد نہیں لیا گیا، اس کی

تکذیب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

یہاں سے یہود کی ایک اور قبیح عادت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ یہودیوں سے نبی آخر الزماں کی مدد کرنے اور اس پر ایمان لانے کا بھی عہد لیا گیا تھا، مگر وہ اس عہد سے پھر گئے اور کہنے لگے، ہم سے اس قسم کا کوئی عہد نہیں لیا گیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی ہے کہ عہد شکنی تو ان لوگوں کا پرانا شیوہ ہے۔ جب بھی ان سے کوئی عہد لیا گیا ان میں سے ایک گروہ نے اسے پس پشت ڈال دیا، بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ تو تورات پر سرے سے ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ اگر اب عہد شکنی کرتے ہیں تو تعجب کی کیا بات ہے۔ (۲)

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُولٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِيۡقٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ ﴾

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں تھے۔

۱۔ (مظہری ۱۰۴۔۱، ابن کثیر ۱۳۳۔۱) تفسیر ابن عباس

۲۔ تفسیر رازی

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تورات، زبور وغیرہ کی تصدیق فرماتے تھے اور خود ان کتابوں میں بھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری کی خبر اور آپ کے اوصاف واحوال کا بیان تھا۔ گویا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری اور آپ کا وجود باوجود ان کتابوں کی تصدیق تھا تو چاہیے یہ تھا کہ اہل کتاب حضور کی رونق افروزی پر اپنی کتابوں پر ایمان لانے کے ساتھ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ایمان لے آتے تا کہ ان کا اقرار وایمان اور پختہ ہوتا مگر اس کے برعکس انہوں نے یہ کیا کہ اپنی کتابوں میں تحریف کر کے تورات سے بھی کفر کیا۔

علامہ سدیؒ کا قول ہے کہ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے تو یہود نے تورات سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف کا مقابلہ کیا اور جب تورات اور قرآن کو بالکل مطابق پایا تو تورات کو بھی چھوڑ دیا یعنی قرآن سے تو بے التفاقی کر ہی رکھی تھی تورات کو بھی پس پشت پھینک دیا۔

حضرت سفیان بن عینیہؒ فرماتے ہیں کہ یہود نے تورات حریر اور دیبا کے ریشمی غلافوں میں مغرق زری سے مطلا ومزین کر کے رکھ دیا اور اس کے احکام سے ایسے غیر ملتفت ہوئے گویا پس پشت ڈال دیا اور بل اکثرھم لا یومنون جو فرمایا گیا اس کی تصریح یہ ہے کہ یہود کے چار فرقے تھے۔

ایک تورات پر ایمان لایا اور اس کے حقوق ادا کرتے رہے یہ مومنین اہل کتاب ہیں ان کی تعداد کم تھی اور اکثر حوالوں سے یہی پتہ چلتا ہے۔

اور دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے علی الاعلان تورات کے عہد توڑے اس کی حدود سے باہر ہوئے سرکشی کرتے رہے جیسا کہ نبذہ فریق منھم میں ان کا بیان ہے۔

تیسرا فریق وہ تھا جس نے عہد شکنی کا اعلان تو نہ کیا لیکن اپنی جہالت سے عہد شکنی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

یہ بل اکثرھم لا یومنون سکے مورد ہیں۔

چوتھے فرقے نے ظاہری طور پر تو عہد مانے اور باطن میں بغاوت وعناد سے مخالفت کرتے رہے یہ تصنع سے جاہل بنتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کانھم لا یعلمون۔ گویا انہیں معلوم ہی نہیں۔

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ١٠٢﴾

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمانؑ کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے

تھے۔اور سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور نیز (یہ بنی اسرائیل) اس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔حالانکہ وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے، جب تک کہ (صاف طور پر اس سے) یہ نہ کہہ دیتے کہ (دیکھو بھئی) ہم تو محض ایک آزمائش ہیں، پس تم کہیں کفر میں نہ پڑ جانا، مگر لوگ ان دونوں سے وہ علم سیکھتے جس سے وہ جدائی ڈال دیتے مرد اور اس کی بیوی کے درمیان اور وہ اس کے ساتھ ہرگز کسی کو نقصان پہنچانے والے نہ تھے مگر اللہ کے اذن کے ساتھ۔اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتی اور انھیں فائدہ نہ دیتی تھی۔حالانکہ بلا شبہ یقیناً وہ جان چکے تھے کہ جس نے اسے خریدا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور بیشک بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔کاش! وہ جانتے ہوتے۔

حضرت سلیمانؑ کی طرف جادو کی نسبت

مدینہ کے یہود حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو ساحر اور جادوگر کہتے تھے اور جب ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا نبیوں میں ذکر فرماتے تو وہ اس پر طعن اور تشنیع

کرتے اور کہتے کہ دیکھو ان کو کیا ہوا ہے کہ یہ حضرت سلیمانؑ کا نبیوں میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ سلیمانؑ محض جادوگر تھے' امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدیؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے دور حکومت میں شیطان آسمان پر گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور بیٹھ کر فرشتوں کا کلام کان لگا کر سنتے کہ زمین میں کون کب مرے گا' بارش کب ہوگی اور اس قسم کی دیگر باتیں' پھر آ کر کاہنوں کو وہ باتیں بتاتے' کاہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے' اور وہ باتیں اس طرح واقع ہو جاتیں ان کے ساتھ بہت سے جھوٹ ملا کر لوگوں نے وہ باتیں کتاب میں لکھ لیں' اور بنواسرائیل میں یہ مشہور ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم ہے' حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے ان کتابوں کو تلاش کروا کر منگوایا اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا اور شیاطین میں سے جو بھی ان کی کرسی کے قریب جاتا وہ جل جاتا' اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اعلان کر دیا کہ میں نے جس شخص کے متعلق بھی یہ سنا کہ وہ کہتا ہے کہ شیاطین غیب جانتے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا' حضرت سلیمان (علیہ السلام) فوت ہو گئے اور وہ علماء بھی گزر گئے جن کو یہ واقعہ معلوم تھا اور پشت ہا پشت گزر گئیں تو ایک دن وہ شیطان انسان کی صورت بن کر بنواسرائیل کی ایک جماعت کے پاس گیا' اور کہا: میں تم کو ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ دکھاتا ہوں' اس نے ان سے کہا: اس کرسی کے نیچے زمین کھودو' انہوں نے کھودا تو وہ کتابیں نکل آئیں' شیطان نے کہا: حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس جادو کی وجہ سے انسانوں' جنوں اور پرندوں پر حکومت کرتے تھے پھر بنواسرائیل میں نسل در نسل یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) جادوگر تھے' حتی کے جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوئے اور آپ نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا انبیاء (علیہم السلام) میں ذکر کیا تو بنواسرائیل نے

اس پر اعتراض کیا اور کہا: سلیمانؑ تو جادوگر تھے اللہ تعالیٰ نے انکے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان (علیہ السلام) کے دورِ حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمانؑ نے (جادو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ [1]

نیز امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب شیاطین (جنوں) کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی موت کا علم ہوا تو انہوں نے سحر کی مختلف اصناف اور اقسام کو لکھ کر ایک کتاب میں مدون کیا اور اس کے اوپر یہ نام لکھ دیا کہ یہ سلیمان بن داؤدؑ کے دوست آصف بن برخیا کی تحریر ہے اور اس میں علم کے خزانوں کے ذخیرے ہیں' پھر اس کتاب کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا' پھر بعد میں بنو اسرائیل کی باقی ماندہ قوم نے اس کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی کرسی کے نیچے سے نکال لیا' جب انہوں نے اس کتاب کو پڑھا تو انہوں نے جادو پھیلا دیا' اور جب ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کا انبیاء اور مرسلین میں ذکر کیا تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا: کیا تم (حضرت سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تعجب نہیں کرتے کہ وہ سلیمانؑ کا انبیاء میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل کی: اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دورِ حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جادو کر کے) کوئی کفر نہیں

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص۳۰۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگ کو جادو سکھاتے تھے۔ [۱]

ھاروت اور ماروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت

ھاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں' ان کے متعلق علماء اسلام میں اختلاف ہے' محققین کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے بھیجا تھا تا کہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت بتائیں اور لوگوں پر یہ واضح کریں کہ لوگ جو سحر کے نام سے مختلف حیلوں اور شعبدوں سے عجیب وغریب کام کرتے ہیں وہ سحر نہیں ہے وہ لوگوں پر جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لیے جادو کی تعلیم دیتے تھے اور جادو پر عمل کرنے سے روکتے تھے' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لیے سحر کو نازل کیا' جس نے سحر سیکھ کر اس پر عمل کیا وہ کافر ہو گیا' اور جس نے سحر کو نہیں سیکھا یا جادو کے ضرر سے بچنے لیے اور جادو کی حقیقت جاننے کے لیے اس کو سیکھا اور اس پر عمل نہیں کیا وہ اپنے ایمان پر سلامت رہا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب جادو حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جادو سکھانے کے لیے فرشتوں کو کیوں نازل کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر ہر چیز کا خالق ہے' زہر کھانا اور کھلانا حرام ہے' کتے اور خنزیر کو کھانا حرام ہے' شراب پینا حرام ہے' چوری' قتل' زنا کرنا حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں اور تمام کاموں کو پیدا کیا ہے اور انسان کو ان تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کا حکم دیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابتلاء اور آزمائش کے لیے فرشتوں کو جادو کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کون جادو پر عمل کرنے سے باز رہتا ہے اور کون جادو سیکھ کر اس

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص ۳۵٤' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان دونوں روایتوں کو طبری کے حوالے سے ذکر کیا ہے (فتح الباری ج ۱۰' ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' لاہور)

پر عمل کرتا ہے۔

بابل۔عراق کے دار الخلافہ کا نام تھا۔ یہ شہر بغداد سے ۶۰ میل جنوب کی طرف دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ شہر بہت بڑا تھا۔خوشحال تھا۔فرات اور دجلہ اس علاقے کو سیراب کرتے تھے اس شہر میں جادو منتر سفلی عملیات کا بہت چرچا تھا۔

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت

ھاروت اور ماروت اللہ تعالیٰ کے دو مقرب فرشتے ہیں اور ان کا واقعہ صرف اسی قدر ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے‘ بعض روایات میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے کہ انہوں نے زمین پر آ کر گناہ کیا‘ ان تمام روایات کو محققین علماء نے مسترد کر دیا ہے‘ ہم پہلے وہ روایات بیان کرتے ہیں‘ پھر ان کے مردود ہونے پر دلائل کو پیش کریں گے‘ پھر ان کے متعلق محققین کی تصریحات کو بیان کریں گے۔فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق:

امام ابن جریر طبری ؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان سے جھری کی‘ جب انہوں نے بنو آدم کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: اے رب! یہ وہ بنو آدم ہیں جن کو تو نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور وہ گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ان کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی ان کی طرح عمل کرتے‘ انہوں نے کہا: تو سبحان ہے‘ ہم ایسا نہیں کر سکتے‘ پھر ان سے کہا گیا کہ تم دو فرشتوں کو منتخب کر لو تو انہوں نے ھاروت اور ماروت کو منتخب کر لیا‘ انہیں زمین پر بھیج دیا گیا اور ان کے لیے زمین پر ہر چیز حلال کر دی گئی اور شرک‘

چوری، زنا، شراب نوشی اور قتل ناحق سے منع کر دیا، وہ زمین پر آ کر رہنے لگے وہاں انہوں نے بیذغت نام کی ایک عورت دیکھی جو بہت حسین تھی، وہ اس پر فریفتہ ہو گئے انہوں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا لیکن جب وہ عورت اس کے بغیر راضی نہ ہوئی تو انہوں نے یہ سب کام کر لیے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ منظر دکھایا فرشتوں نے کہا: تو سبحان ہے اور تجھ کو خوب علم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کے ذریعہ ان کو یہ پیغام دیا کہ وہ دنیا اور آخرت کے عذاب میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا، سو ان کو بابل (دنیاوند یا عراق یا کوفہ کی ایک بستی) میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ (مجاہدؒ نے بیان کیا کہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور ان کے ٹخنوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ (۱)

امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ فارس میں زہرہ نام کی ایک حسین عورت تھی، ھاروت اور ماروت نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی، اس نے کہا: مجھے وہ کلام سکھاؤ جس کو پڑھ کر میں آسمان پر چلی جاؤں انہوں نے اس کو وہ کلام سکھایا، وہ اس کو پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور وہاں اس کو مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا گیا۔ (۲)

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت کا قرآن مجید سے بطلان:

(جامع البیان ج۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ھاروت اور ماروت کا قصہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے زمانہ سے پہلے کا ہے اور سحر نوح (علیہ السلام) سے پہلے موجود تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قوم نوح نے ان کو ساحر گمان کیا اور قوم فرعون سے پہلے سحر موجود تھا، وہ بھی حضرت سلیمان (علیہ السلام) سے پہلے تھی (فتح الباری ج۱۰ ص ۱۲۳) اور طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے زمانہ کا ہے، واللہ اعلم۔ ۱۲۔

۲۔ (جامع البیان ج۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

زہرہ ستارہ تو آسمان پر شروع سے موجود ہے اس لیے یہ روایت عقلا باطل ہے اور ھاروت اور ماروت کے گناہ کا جو ذکر ہے یہ قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں فرشتوں کی عصمت کو بیان فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون"۔۔(التحریم:٦٦)

ترجمہ: وہ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

(آیت) "بل عباد مکرمون، ۔لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون"۔۔(الانبیاء:٢٧۔٢١)

ترجمہ: بلکہ (سب فرشتے) ان کے مکرم بندے ہیں۔اس (کی اجازت) سے پہلے بات نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند رہتے ہیں۔

(آیت) "وھم لا یستکبرون۔یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون مایؤمرون"۔۔(النحل:٥٠۔٤٩)

ترجمہ: وہ (فرشتے) تکبر نہیں کرتے"۔اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔۔

(آیت) " ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون"۔یسبحون الیل والنھار لا یفترون"۔۔ (الانبیاء:٢٠۔١٩)

ترجمہ: اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں (اور ذرا) سستی نہیں کرتے۔۔

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت پر بحث ونظر

حافظ ابن کثیر شافعیؒ لکھتے ہیں:

ھاروت اور ماروت کے قصہ کو بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی' انہوں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی' اس نے کہا: پہلے مجھے اسم اعظم سکھاؤ' وہ یہ اسم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور ستارہ بن گئی' میرا گمان ہے کہ اس قصہ کو اسرائیلیوں نے وضع کیا ہے' ہر چند کہ اس کو کعب الاحبارؒ نے روایت کیا ہے اور ان سے متقدمین کی ایک جماعت نے بہ طور حدیث بنی اسرائیل کے نقل کیا ہے امام احمدؒ اور امام ابن حبانؒ نے اس کو اپنی صحیح میں اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں بہت طویل قصہ ہے' اور امام عبدالرزاقؒ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ کعب احبارؒ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے' امام حاکمؒ نے "مستدرکؒ" میں اور امام ابن ابی حاتمؒ نے اس کو اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ [1]

نیز حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ھاروت اور ماروت کے قصہ میں تابعین کی ایک جماعت مثلاً مجاہدؒ سدیؒ حسن بصریؒ قتادہؒ، ابوالعالیہؒ زہریؒ ربیع بن انس' مقاتل بن حیانؒ وغیرہ نے روایات ذکر کی ہیں اور بہت سے متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں' کیونکہ اس قصہ میں معصوم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صادق اور مصدوق سے کوئی حدیث مرفوع صحیح متصل الاسناد مروی نہیں ہے' اور قرآن مجید نے ھاروت اور ماروت کا بغیر کسی تفصیل کے اجمالاً ذکر کیا ہے' سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ [2]

۱۔(البدایہ والنہایہ ج۱ ص ۳۸۔۳۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

۲۔(تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی ؒ لکھتے ہیں:

یہ تمام روایات ضعیف ہیں، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسی روایت کریں، ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے، فرشتے اللہ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہیں، وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا رہے، ہر چند کہ عقلاً فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور ان میں شہوت کا پیدا ہونا ممکن ہے اور ہر ممکن اللہ کی قدرت میں ہے، لیکن یہ ممکن بغیر کسی صحیح حدیث کے ثابت نہیں ہوسکتا اور اس قصہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، اور اس کے صحیح نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں ان سات سیاروں کو پیدا کیا، زحل، مشتری، بہرام، عطارد، زہرہ، شمس اور قمر، اور اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ عورت زہرہ ستارہ بن گئی۔ (۱)

قاضی ابوبکر بن العربی ؒ نے لکھا ہے کہ فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں بہ طرق عموم فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے ان میں تخصیص ہوسکتی ہے کیونکہ علم اصول میں مقرر ہے کہ عام میں تخصیص ہوسکتی ہے۔ (۲)

قاضی ابوبکر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور اس کے عموم کا ناسخ اور مخصص بھی اس کے مساوی ہونا چاہیے، اس لیے اس عموم کا مخصص یا تو قرآن مجید ہوسکتا ہے یا حدیث صحیح متواتر، اور ان روایات میں سے تو ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ ہوں۔

امام رازی ؒ لکھتے ہیں:

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

۲۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

یہ تمام روایات فاسد، مردود اور غیر مقبول ہیں، کتاب اللہ میں ان میں سے کسی پر دلالت پر دلالت نہیں ہے، اور قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے، یہ روایات اس کی مخالف ہیں، نیز ان روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ھاروت اور ماروت کو عذاب دنیا اور عذاب آخرت میں اختیار دیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ تا حیات شرک کرنے والے کو بھی توبہ اور عذاب آخرت کے درمیان اختیار دیتا ہے، سو یہ روایات اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے بھی خلاف ہیں، اور ان بعض روایات میں بھی مذکور ہے کہ وہ حالت عذاب میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جادو کی دعوت دیتے تھے اور یہ غیر معقول ہے، رہا یہ امر کہ ان فرشتوں کو کیوں نازل کیا گیا تھا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت جادوگر ہو گئے تھے جو جادو سے عجیب وغریب کام کرتے اور نبوت کا دعویٰ کرتے اور لوگوں کو اس کے معارضہ کا چیلنج کرتے، تب اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے بھیجا تاکہ مومنین جھوٹے نبیوں کا جادو سے معارضہ کر سکیں۔ (۱)

امام رازی کی بیان کردہ یہ وجہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جادو کا معارضہ کرنا جادو کرنے پر موقوف ہے حالانکہ لوگوں کو جادو کرنے سے وہ فرشتے منع کرتے تھے، البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جادو کی حقیقت جاننے کے بعد لوگوں پر یہ بات کھل گئی تھی کہ جھوٹے نبی جو کچھ عجیب وغریب کام دکھا رہے ہیں یہ جادو ہے معجزہ نہیں ہے، اس لیے اس زمانہ میں جادو کا سیکھنا اور سکھانا صحیح تھا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان روایات میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے، اور فرشتے معصوم ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

کرتے‘ اور فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ جس جادو سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اس کے دوستوں میں تفرقہ ہو جائے وہ اس زمانہ میں مباح یا مستحب تھا۔ (۱)

قاضی بیضاوی شافعیؒ لکھتے ہیں:

یہ روایات یہود سے نقل کی گئی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ متقدمین کی رموز ہوں جن کا حل کرنا اھل علم پر مخفی نہیں ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ ھاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی نیکیوں کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا۔ (۲)

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاویؒ نے جو یہ کہا ہے کہ یہ رموز متقدمین ہیں‘ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ فرشتہ بہ حیثیت فرشتہ گناہوں سے معصوم ہے اور جب اس کی حقیقت بدل دی جائے اور اس کو آدمی کے خواص اور اس کی قوتوں سے مرکب کر دیا جائے تو پھر اس کا گناہ کرنا قرآن مجید کی آیات کے مخالف نہیں ہے‘ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قصہ میں تمثیل بیان کی گئی ہو اور ھاروت و ماروت سے مراد انسان کا بدن اور زہرہ سے مراد اس کی روح ہو‘ بدن نے روح کو گناہ پر ابھارا اور جب روح اس پر متنبہ ہوئی تو وہ آسمان پر چلی گئی اور اگر یہ کہا جائے کہ ھاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی عبادت کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بیشک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا اس کا آخرت

۱۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۵۲۸ ‘ مطبوعہ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۲ھ)

۲۔ (انوار التنزیل (درسی) ص ۹۶‘ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

۳۔ (عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۲۱۶‘ مطبوعہ دار صادر بیروت‘ ۱۲۸۳ھ)

میں کوئی حصہ نہیں ہے' اور کیسی بری چیز ہے وہ جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے' کاش! یہ جان لیتے۔۔(البقرہ:۱۰۳)

علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکما جہل ہے

اس آیت کے اول میں یہ فرمایا ہے کہ وہ جادو کی برائی جانتے تھے اور آخر میں فرمایا ہے کہ وہ جان لیتے' یعنی وہ نہیں جانتے اور بظاہر یہ تناقض ہے کہ وہ جانتے بھی تھے اور نہیں بھی جانتے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ انکو جادو کی برائی کا علم تھا لیکن چونکہ وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جادو کرتے تھے اس لیے ان کے علم کو عدم علم کے قائم مقام کر کے فرمایا: کاش وہ جان لیتے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو عالم علم کے مطابق عمل نہ کرے وہ بہ منزلہ جاہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق

"کاش وہ جان لیتے" اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل کریں لیکن اللہ کا چاہا پورا نہیں ہوا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہا ہوا پورا ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی ایک مشیت ہے اور ایک مرضی ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو ہوسکتا ہے لیکن اس کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا' یہودیوں کا ایمان لانا اور ان کا جادو نہ کرنا' اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی' اس کی مشیت نہیں تھی' اللہ تعالیٰ کفر اور بدعملی پر راضی نہیں لیکن دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔" کاش وہ جان لیتے" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جادو کرنا اور علم کے خلاف عمل کرنا اللہ کی مرضی کے خلاف تھا۔

سحر کی حقیقت

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

سحر میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ صرف تخییل ہے' علامہ استر بازی شافعیؒ' علامہ ابوبکر رازی حنفی اور علامہ ابن حزم ظاہریؒ کی یہی رائے ہے۔ علامہ نوویؒ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے' جمہور کے نزدیک یہ قطعی ہے' عام علماء کی یہی رائے ہے۔ کتاب سنت صحیحہ مشہورہ کی اسی پر دلالت ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سحر سے انقلاب حقائق ہوجاتا ہے یا نہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سحر صرف تخییل ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں' اور جو کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت ہے اس کا اس میں اختلاف ہے کہ جادو کی تاثیر صرف کسی چیز کے مزاج میں ہوتی ہے' مثلاً صحت مند کو بیمار کرنا' یا اس سے کسی چیز کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے' مثلاً پتھر کو حیوان بنا دینا' جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس کا اثر صرف مزاج میں ہوتا ہے' اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ علامہ مازریؒ نے کہا ہے کہ سحر' معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ سحر بعض اقوال اور افعال سے مکمل ہوتا ہے اور کرامت میں اس کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ وہ عموماً اتفاقاً صادر ہوتی ہے اور معجزہ میں چیلنج ہوتا ہے' امام الحرمین نے یہ نقل کیا ہے کہ سحر فاسق سے صادر ہوتا ہے' اور کرامت کا ظہور فاسق سے نہیں ہوتا۔ [۱]

اسی طرح جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ فلق اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سحر کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ تین راتیں بیمار رہے۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا گیا' حتی کہ آپ یہ خیال کرتے تھے کہ

۱۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳۔۲۲۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

آپ نے کوئی کام کیا ہے‘ حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ ایک دن میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی‘ پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو پوچھا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا‘ میں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس دو آدمی آئے‘ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور ایک میرے پاؤں کی جانب پھر ایک نے دوسرے سے کہا: اس شخص کو کیا درد ہے؟ اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے‘ پوچھا: جادو کس نے کیا ہے؟ کہا لبید بن اعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے‘ پوچھا: کس چیز میں جادو کیا ہے؟ کہا: ایک کنگھی میں اور نر کھجور کے غلاف میں لپٹے ہوئے خوشہ میں ہے پوچھا وہ کہاں ہے؟ کہا: وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں پر گئے‘ آپ نے اس میں جھانک کر دیکھا‘ اس کنویں کے پاس ایک کھجور کا درخت تھا‘ پھر آپ حضرت عائشہؓ کے پاس واپس گئے اور فرمایا: بہ خدا اس کنویں کا پانی گوندھی ہوئی مہندی کے پانی کی طرح ہے اور گویا اس کھجور کے خوشے شیاطین کے سر میں سے ہیں‘ میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے اس کو کنویں سے نکال کیوں نہ لیا آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی‘ اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس کے نکالنے سے لوگوں کو ضرر پہنچے گا پھر آپ نے اس کنویں کو دفن کرنے (بند کرنے) کا حکم دیا۔[١]

سحر کے شرعی حکم کی تحقیق

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

١۔ (صحیح بخاری ج ٢ ص ٨٥٨)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، جادو کرنا، جس کو قتل کرنے سے اللہ نے منع کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، اور مسلمان پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔ [1]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فی نفسہ جادو کرنا، حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اگر جادو کے عمل میں شرکیہ اقوال یا افعال ہوں تو پھر جادو کرنا کفر ہے اور جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں فقہاء کے مختلف نظریات ہیں۔

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

جادو کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے، اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے، اگر جادو کرنے والے کے قول یا فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جادو کرنا کفر ہے، ورنہ نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے، اس طرح جادو کے سیکھنے یا سکھانے میں کوئی قول یا فعل کفر کا مقتضی ہو تو کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے، ہمارے نزدیک جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے

۱۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۳۸۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۶۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

گا' اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

(۱)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ دردیر مالکیؒ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربیؒ نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف حوادث کائنات کو منسوب کیا جاتا ہے' امام کا قول یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا کفر ہے خواہ اس سے جادو کا عمل نہ کیا جائے' کیونکہ شیاطین کی تعظیم کرنا اور حوادث کی نسبت اس کی طرف کرنا یہ ایسا کام ہے کہ کوئی عاقل مسلمان یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ فعل کفر نہیں ہے' اگر جادو کا توڑ اسی کی مثل جادو سے کیا جائے تو یہ بھی کفر ہے' جادو کے توڑ کے لیے کسی کو کرایہ پر لینا جائز ہے' بشرطیکہ جادو سے یہ توڑ نہ کیا جائے' جادو کے ذریعہ احوال اور صفات میں تغیر ہو جاتا ہے اور حقائق بدل جاتے ہیں' اگر یہ کام آیات قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ سے ہو جائیں تو پھر یہ کفر نہیں ہے' البتہ اگر جادو کے ذریعہ دو آدمیوں کے درمیان عداوت پیدا کی جائے یا کسی کی جان اور مال کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ حرام ہے' اگر کوئی شخص علی الاعلان جادو کرتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال فئی ہے (یعنی لوٹ لیا جائے گا) بشرطیکہ وہ توبہ

۱۔ علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی (رح) نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲٤ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱٤۰۱ھ) نیز علامہ نووی (رح) نے لکھا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جادو کا سیکھنا جائز ہے تا کہ انسان کو جادو کی معرفت سیکھنے پر نہیں (صحیح مسلم ج ۱ ص ٦٥ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷٥ھ)

نہ کرے۔ [1]

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں اہل علم کا اتفاق ہے' جادو کے سیکھنے اور جادو کے عمل کی وجہ سے ساحر کی تکفیر کی جائے گی' خواہ وہ جادو کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس کے مباح ہونے کا اور امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی' کیونکہ امام احمدؒ نے فرمایا: عراف' کاہن اور ساحر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ ان کے ان افعال پر ان سے توبہ طلب کی جائے' کیونکہ میرے نزدیک وہ حکما مرتد ہیں' اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے۔ راوی نے پوچھا: اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا؟ تو کہا: نہیں بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتی کہ وہ توبہ کر لے' راوی نے پوچھا: اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟ کہا: جب تک وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی توبہ اور رجوع کی توقع ہے۔ امام احمدؒ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ساحر کافر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آیت) "وما کفر سلیمان" ۔سلیمان نے کفر نہیں کیا" یعنی انہوں نے جادو نہیں کیا حتی

ا۔(الشرح الکبیر ج ٤ ص ٣٠٢' مطبوعہ دار الفکر بیروت) علامہ دسوقی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ٤ ص ٣٠٢' مطبوعہ دار الفکر' بیروت) علامہ خرشی مالکی۔١(علامہ محمد بن عبداللہ علی الخرشی المتوفی ١١٠١ھ' الخرشی علی مختصر خلیل ج ٨ ص ٦٣' مطبوعہ دار صادر' بیروت) علامہ علی مالکی۔٢(علامہ علی بن احمد الصعیدی العدوی المالکی' حاشیۃ العدوی علی الخرشی ج ٨ ص ٦٣' مطبوعہ دار صادر' بیروت) علامہ خطاب مالکی۔ ٣'(علامہ ابو عبداللہ محمد بن الخطاب المالکی' المتوفی ٩٥٤ھ' مواہب الجلیل ج ٦ ص ٢٨٠-٢٧٩' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا) علامہ العبدری۔٤ (علامہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف العبدری المتوفی ٨٩٧ھ' التاج والاکلیل علی ہامش مواہب الجلیل ج ٦ ص ٢٨٠-٢٧٩' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا') نے بھی یہی لکھا ہے۔

کہ ان کی تکفیر کی جائے اور فرشتوں نے کہا: (آیت) "انما نحن فتنۃ فلا تکفر"۔ ہم تو محض آزمائش ہیں تو تم جادو سیکھ کر کفر نہ کرو"۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے' اور حضرت علیؓ نے فرمایا: ساحر کافر ہے۔

حضرت عمرؓ حضرت عثمان بن عفانؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت حفصہؓ، حضرت جندب بن عبداللہؓ، حضرت حبیب بن کعبؓ، حضرت قیس بن سعدؓ کا قول یہ ہے کہ ساحر کو بطور حد کے قتل کر دیا جائے گا' امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے' امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجہوں سے جائز ہے' ایمان لانے کے بعد کفر کرے' شادی کرنے کے بعد زنا کرے' یا ناحق قتل کرے۔ (1)

ساحر نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا' اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ سحر کرنا بھی ارتداد ہے' نیز حضرت جندب بن عبداللہؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ ساحر کی حد' اس کو تلوار سے مارنا ہے (ابن المنذرؒ) اور امام داؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہر ساحر کو قتل کر دو۔ (2)

علامہ مرداوی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

ساحر کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا' یہی مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب کا نظریہ ہے' ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور جو شخص دواؤں اور دھوئیں سے شعبدہ بازی کرتا ہوا اس کو

1۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

2۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۶۔۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صرف تعزیر دی جائے گی۔ (۱)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن ہمام حنفیؒ لکھتے ہیں:

سحر کی حقیقت ہے اور جسم کو تکلیف پہنچانے میں اس کی تاثیر ہے' جادو کو سکھانا بالاتفاق حرام ہے اور اس کی اباحت کا اعتقاد کرنا کفر ہے' ہمارے بعض اصحاب' امام مالک اور امام احمدؒ کا یہ مذہب ہے کہ جادو کا سیکھنا اور جادو کا کرنا کفر ہے' خواہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے یا نہ رکھے' اس کو قتل کر دیا جائے گا' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت جندب بن عبداللہؓ، حبیب بن کعبؓ' قیس بن سعدؓ' اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے ساحر سے توبہ طلب کئے بغیر اس کے قتل کا فتویٰ دیا' حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ساحر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے' امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک ساحر جادو کے مباح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو کافر کہا جائے نہ اس کو قتل کیا جائے' ساحر کو کافر قرار دینے نہ دینے میں امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے' البتہ اس کو قتل کرنا واجب ہے' جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کوشش کر کے جادو کرتا ہے' اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا جائے۔ (۲)

علامہ شامی حنفیؒ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ساحر جب تک کسی کفریہ امر کا اعتقاد نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی: النہر الفائق"

۱۔(الانصاف ج ۱۰ ص ۳۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۷۲ھ)

۲۔(فتح القدیر ج ۵ ص ۲۳۳۔۲۳۲۔ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

میں اسی پر اعتماد کیا ہے' اور علامہ حصکفی ؒ نے بھی اسی کی اتباع کی ہے اور ساحر کو مطلقاً قتل کر دیا جائے گا" فتاوی قاضی خاں" میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کے لیے کوئی عمل کرے' وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ وہ تفریق میں اس عمل کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہو' اور جو شخص لوگوں کو ضرر پہنچانے کے لیے سحر کرتا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا' اور جو ساحر تجربہ کے لیے سحر کرتا ہو اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جس شخص کا سحر کرنا اس کے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی' اس میں مسلمان' ذمی' آزاد اور غلام برابر ہیں' ساحر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو معوذات سے جادو کو دور کرتا ہو' نہ طلسم کرنے والا مراد ہے (شعبدہ باز) علامہ ابن ہمامؒ نے جو ہمارے بعض اصحاب سے سحر کا حکم کفر نقل کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ سحر کا تحقق کلمات کفریہ کہنے پر موقوف ہے۔ [۱]

مذاہب اربعہ کا خلاصہ اور تجزیہ:

امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر ہے اور امام شافعی ؒ اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر نہیں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سحر کفریہ عقائد اور کفریہ اقوال اور افعال کے بغیر متحقق نہیں ہوتا' اس لیے وہ سحر کو مطلقاً کفر کہتے ہیں' اور امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سحر عام ہے' یہ کفر کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اس لیے سحر مطلقاً کفر نہیں ہے' البتہ جس سحر میں کفر کا دخل ہو وہ ان کے نزدیک بلا شبہ کفر ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے واضح ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ سحر حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے' البتہ بعض

۱۔ (رد المختار ج۱ ص ۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ) ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ (رح) کے نزدیک ساحر کافر ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ (التفسیر المنیر ج۱' ص ۲۵۲۔۲۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ دفع ضرر کے لیے جادو کا سیکھنا جائز ہے' اور امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ ' کے نزدیک ساحر کو حداً قتل کرنا واجب ہے اور وہ ڈاکو کے حکم میں ہے' امام شافعیؒ' کے نزدیک ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝١٠٣﴾

اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں کہیں بہتر ہوتا۔ کاش! وہ جانتے ہوتے۔

اور اگر یہ یہودی قرآن کریم اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں اور یہودی مذہب اور جادوگری سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے بدلے میں جو انہیں ثواب ملے گا وہ اس یہودیت اور جادوگری سے اچھا ہے۔ کاش یہ اللہ تعالیٰ کے صلہ کی تصدیق کریں لیکن یہ نہ اس کو سمجھتے ہیں نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ایک یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں کے ذریعے اس کی سچائی اور حقانیت سے اچھی طرح واقف ہیں (مگر اس کے باوجود اسے تسلیم نہیں کرتے)۔ [1]

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ: اور اگر وہ (یہود) ایمان لے آتے (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر) اور (اللہ کے عذاب سے معاصی اور سحر کو چھوڑ کر) بچتے تو ان کا بدلہ) کسی فعل کے بدلہ کو ثواب

1۔ تفسیر ابن عباس

اور مثوبہ اس لیے کہتے ہیں کہ ثاب یثوب کے معنی لوٹنے کے ہیں چونکہ نکوکار بندہ بھی نیک کام کے بدلہ کی طرف رجوع کرتا ہے اس لیے اس بدلہ کو بھی ثواب کہنے لگے۔

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ " (اللہ کے پاس بہتر ہوتا) لَمَثُوبَةٌ ۔۔ لَوْ کا جواب ہے اور اصل اس کی لَاُثِيْبُوا مَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرًا بِمَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ ہے (بیشک ایسا ثواب دیئے جاتے کہ وہ اللہ کے یہاں اس سے بہتر ہوتا جس کے بدلہ انہوں نے اپنے نفس بیچے) فعل کو حذف کر کے باقی کو جملہ اسمیہ اس غرض سے بنا دیا کہ ثواب کے دوام اور ثبات اور اس کے یقینی خیر ہونے پر دلالت کرے اور مفضل علیہ (سحر) کو یا تو اس لیے حذف کیا کہ مفضل کو اس سے عالی سمجھا کہ مفضل علیہ سے اس کو کسی قسم کی مناسبت ہو اور یا اس واسطے کی تخصیص کسی شے کی نہ رہے۔ تفضیل کل ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ جملہ اشیاء سے بہتر ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ لَوْ تمنی کا ہے اور لَمَثُوبَةٌ کلام مستقل ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (اگر جانتے ہوتے تو ایمان لے آتے) یعنی اگر جانتے کہ اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کی جزاء میں بھی مثل سابق کے کلام ہے۔ [1]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ ﴾

(اے وہ لوگو! جو ایمان رکھتے ہو، تم " رَاعِنَا " نہ کہو " اُنْظُرْنَا " کہا کرو اور غور سے

1۔ تفسیر مظہری

سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

راعنا" کہنے کی ممانعت اور "انظرنا" کہنے کا حکم

ان آیات میں یہود کے ایک اور عناد اور حسد کو بیان فرمایا ہے' وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کلام کرتے ہوئے ایسا لفظ استعمال کرتے تھے جس سے گستاخی کا پہلو نکلتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے "راعنا" کہتے تھے' یعنی ہماری رعایت فرمائیں" یہود کی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا' اور اس کا معنی تھا: سنو تمہاری بات نہ سنی جائے' انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کہنے لگے کہ پہلے ہم ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں میں اور برسر مجلس ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے' تو وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے "راعنا" کہتے تھے اور آپس میں ہنستے تھے' حضرت سعد بن معاذؓ کو یہود کی لغت کا علم تھا' انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو' اگر میں نے آئندہ تم کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا' یہود نے کہا: کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے تو) تم "راعنا" نہ کہو بلکہ "انظرنا" کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات غور سے سن لیا کرو تاکہ یہ نوبت نہ آئے۔ [۱]

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

مدینہ میں رہنے والے بعض یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملتے تو آپ سے کہتے تھے "راعنا" عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت فرمایئے، اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا اور اس میں گستاخی کے کوئی معنی نہیں تھے لیکن عبرانی زبان میں جو یہودیوں کی مذہبی زبان تھی اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بددعا اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا نیز اگر اسی لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو وہ راعینا بن جاتا ہے، جس کے معنی ہیں "ہمارے چرواہے" غرض یہودیوں کی اصل نیت لفظ کو خراب معنی میں استعمال کرنے کی تھی؛ لیکن چونکہ عربی میں بظاہر اس کا مطلب ٹھیک تھا اس لیے بعض مخلص مسلمانوں نے بھی یہ لفظ بولنا شروع کر دیا، یہودی اس بات سے بڑے خوش ہوتے اور اندر اندر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، اس لیے اس آیت نے مسلمانوں کو اس شرارت پر متنبہ بھی کر دیا، آئندہ اس لفظ کے استعمال پر پابندی بھی لگا دی اور یہ سبق بھی دے دیا کہ ایسے الفاظ کا استعمال مناسب نہیں ہے جن میں کسی غلط مفہوم کا احتمال ہو یا ان سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو، نیز اگلی آیت میں اس سارے عناد کی اصل وجہ بھی بتا دی کہ درحقیقت ان کو یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نعمت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیوں عطا فرما دی ہے۔ [1]

امام بن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان موڑ کر "راعنا" کی جگہ "راعن" کہتے تھے اور "راعن" کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کر کے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ [2]

سو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سد باب کرنے کے لیے مسلمانوں کو "راعنا" کہنے سے منع فرما دیا۔

۱۔ آسان ترجمہ قرآن

۲۔ (امام محمد بن جریر طبری (رح) متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان ج ۱ ص ۳۷۴، مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا شرعی حکم

قاضی عیاض مالکیؒ لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (۱)

بعض فقہاء حنفیہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی' علامہ علائیؒ لکھتے ہیں:

جو شخص کسی نبی کو گالی دینے سے کافر ہو گیا اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گالی دینا بندے کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ (۲)

علامہ شامی حنفیؒ عدم قبول توبہ کی تشریح کرتے ہیں:

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے

۱۔(الشفاء ج ۲ ص ۱۹۰' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

۲۔(درمختار علی الرد ج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی، اسی طرح "البحرالرائق" میں ہے۔ (۱)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دینے والے کی توبہ مطلقا قبول نہیں ہے۔ علامہ عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

علامہ ابن منذرؒ نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو صراحتہ گالی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابوبکر فاسیؒ نے "کتاب الاجماع" میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قذف صریح کے ساتھ گالی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے، اگر وہ توبہ کرے گا تب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (۲)

احناف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دی اس کو قتل کیا جائے گا خواہ اس نے توبہ کرلی ہو، امام مالکؒ کی مشہور روایت اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور احناف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی وہ کافر ہوگیا خواہ مذاق سے خواہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے استہزاء کیا یا اس کی ذات سے یا اس کے رسولوں سے یا اس کی کتابوں سے وہ کافر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱۔ (درمختار علی الردج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

۲۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۸۱ مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

(آیت) "ولئن سالتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اباللہ وایتہٖ ورسولہ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم"۔ (التوبہ: ٦٥-٦٤)

ترجمہ اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے: ہم تو صرف مذاق کررہے تھے آپ کہیے: کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول کا استہزاء کررہے تھے؟۔ اب عذر نہ پیش کرو کیونکہ تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔ ①

مشہور آزاد محقق شیخ ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے۔ اس کے متعلق عذاب الہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کو بالاتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے' اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے اور اگر گالی دینے والا ذمی ہو تو امام مالکؒ اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور عنقریب ہم ان کی عبارت نقل کریں گے' اور امام احمدؒ اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے' امام احمدؒ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے' حنبلؒ کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ (امام احمدؒ سے سنا وہ فرماتے تھے: جس شخص نے نبی کریم کو گالی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ ②

١۔ (المغنی ج ٩ ص ٣٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ)

٢۔ (الصارم المسلول ص ٤' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

قاضی عیاض مالکیؒ لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالکؒ ' ان کے اصحاب ' سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا نہ بطور کفر ' شیخ ابوالحسن قابلیؒ نے فرمایا: جب کسی شخص نے آپکو گالی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس گالی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے ' ابو محمد بن ابی زیدؒ نے بھی یہی کہا ہے ' البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عنداللہ مومن قرار پائے گا۔ (۱)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے ' اور امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان میں سے یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ نتف وغیرہ سے منقول ہے ' جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالی دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے کا حکم بطریق اولی یہی ہوگا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہوگئی کہ احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالکؒ سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ (۲)

۱۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۲۳ ' مطبوعہ ملتان)

۲۔ (ردالمختار ج ۳ ص ۴۰۴۔۴۰۱ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

﴿ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ ﴾

نہیں چاہتے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے اور نہ مشرکین کہ تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے کوئی رحمت نازل ہو اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

شان نزول

مفسرین کا قول ہے کہ مسلمان جب اپنے یہود حلیفوں سے کہتے کہ محمد پر ایمان لاؤ تو وہ جواب دیتے کہ جس بات کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس سے وہ بہتر ہے جس پر ہم قائم ہیں اگر تمہاری دعوت اس سے بہتر ہوتی تو ہم اسے ضرور پسند کرتے تو اللہ نے ان کی بات اور ان کے موقف کی تردید و تکذیب کے لیے یہ آیت نازل کی۔ [1]

کعب بن اشرف یہودی اور اس کے ساتھی اور مشرکین عرب میں سے ابو جہل اور اس کی جماعت ہرگز یہ برداشت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل امین (علیہ السلام) کے ذریعہ سے تمہارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نبوت، اسلام اور کتاب اللہ کی بھلائیاں اتارے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین نبوت، اسلام

1۔ تفسیر اسباب نزول

اور اپنی کتاب کے نازل کرنے کے لیے جو اس کا اصل ہوتا ہے یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتخاب فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نبوت واسلام کی بدولت بہت ہی عظیم الشان فضل فرماتے ہیں۔ [1]

یہودیوں اور مشرکوں کو گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر خیر نازل ہو

جب مسلمان یہودیوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام قبول کرو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ تم جس دین کی طرف بلاتے ہو ہمارے دین سے بہتر نہیں ہے اور ہماری خواہش ہے کہ تمہارا دین بہتر ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ اے مسلمانو! ان کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم کو کسی طرح کی خیر نصیب ہو، یہودی تو اس حسد میں مرے جا رہے ہیں کہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کیوں آیا اور حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے کیوں نہ ہوا اور مشرکین اس لیے ناراض ہیں کہ حضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو دین پیش فرمایا وہ ان کی خواہشوں کے خلاف ہے ان کو توحید پسند نہیں۔ اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے محبت ہے جب ان کی تردید کی جاتی ہے تو انہیں برا معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے یہود اور مشرکین کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خیالات کا پابند نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے، وہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے اور جسے

۱۔ تفسیر ابن عباس

چاہے ہدایت دے۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے اور حسد کرنے کا کوئی حق نہیں۔[1]

مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اہل کتاب اور مشرکین کی سخت دشمنی کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان مودت اور محبت بالکل منقطع ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بیان فرمایا جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمایا یعنی شریعت کاملہ عطا فرمائی (مَنۡ يَّشَآءُ) کا عموم خود آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے متبعین سب کو شامل ہے۔

﴿ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ
اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ ﴾

ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

شان نزول

ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ بعض اوقات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر رات کو وحی آتی ہے اور دن میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس

۱۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۳ ص ۱، روح المعانی ص ۳۵۰ ج ۱)

کو بھول جاتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں الخ۔ (۱)

قریش و یہود کہتے تھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کسی بات کے کرنے کا ہمیں حکم دیتے ہیں اور پھر خود ہی اس سے منع بھی کر دیتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم بس ایسے حکم کو کہ جس پر عمل ہو چکا ہے اسے تبدیل کرتے ہیں کہ پھر اس پر عمل نہ کیا جائے یا اس آیت ہی کو مٹا دیتے ہیں مگر اس پر عمل منسوخ نہیں ہوتا تو پھر ہم منسوخ شدہ سے زیادہ فائدہ منداور عمل میں زیادہ آسان یا ثواب نفع اور عمل میں اسی جیسی جبرائیل امین (علیہ السلام) کے ذریعے سے دوسری آیت اتار دیتے ہیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ ناسخ ومنسوخ میں سے ہر ایک چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔ (۲)

آیات کی تنسیخ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں نسخ کے معنی بدل کے ہیں مجاہدؒ فرماتے ہیں مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد اور ابوالعالیہؒ اور محمد بن کعب قرظیؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں عطاؒ فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنی ہیں سدیؒ کہتے ہیں اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ یعنی زانی مرد وعورت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت (لوکان لابن ادم وادیان من ذھب لابتغی لھما ثالثا یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں جب بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ امام

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)
۲۔ تفسیر ابن کثیر

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں حلال کو حرام حرام کو حلال جائز کو ناجائز ناجائز کو جائز وغیرہ امرونہی روک اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے ہاں جو خبریں دی گئی ہیں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں ردوبدل و ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا، نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے بھی ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لیے نسخ کہتے ہیں خواہ وہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری اور کبھی بھاری کے بدلہ ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا ہے نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرطیں وغیرہ ہیں اس کے لیے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے تفصیلات کی بسط کی جگہ نہیں طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو شخصوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک سورت یاد کی تھی اسے وہ پڑھتے رہے ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن یاد نے ساتھ نہ دیا گھبرا کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی دلوں میں نکال لی گئی تم غم نہ کرو بے فکر ہو جاؤ حضرت زہریؒ نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے اس کے ایک راوی سلیمان بن راقم ضعیف ہیں۔ ابوبکر انباریؒ نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے جیسے قرطبیؒ کا کہنا ہے۔ "ننسھا" کو "ننساھا" بھی پڑھا گیا ہے۔ "ننساھا" کے معنی موخر کرنے پیچھے ہٹا دینے کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں منسوخ کرتے ہیں، ہم اسے موخر کرتے ہیں اور ملتوی کرتے ہیں عطیہ عوفیؒ کہتے ہیں۔ یعنی منسوخ نہیں کرتے سدی

اور ربیعؒ بھی یہی کہتے ہیں ضحاکؒ فرماتے ہیں ناسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں ابو العالیہؒ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں حضرت عمرؓ نے خطبہ میں ”ننسلھا“ پڑھا اور اس کے معنی موخر ہونے کے بیان کئے ننسھا جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھا لینا چاہتا تھا وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھلا دیتا تھا اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ننسھا پڑھتے تھے تو ان سے قسم بن ربیعہؒ نے کہا کہ سعید بن مسیبؒ تو ننسا ھا پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیت (سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى) 87۔ الاعلی: 6) ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا اور فرماتا ہے آیت (وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ) 18۔ الکھف: 24) جب بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر۔ مخلوق میں تغیر و تبدل کرنے والا پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا۔ ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح جسے چاہتا ہے بناتا ہے جسے چاہے نیک بختی دیتا ہے جسے چاہے بدبختی دیتا ہے جسے چاہے تندرستی جسے چاہے بیماری، جسے چاہے توفیق جسے چاہے بےنصیب کر دے۔ بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے جسے چاہے حلال جسے چاہے حرام فرمادے جسے چاہے رخصت دے جسے چاہے روک دے وہ حاکم مطلق ہے جیسے چاہے احکام جاری فرمائے کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں کسی چیز کا کسی سے باز پرس نہیں کر سکتا وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں کسی چیز کا مصلحت کی وجہ سے حکم دیا پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو ہٹا دیا اب آزمائش ہوتی ہے نیک لوگ اس وقت بھی اطاعت کے لیے کمر بستہ تھے اور اب بھی ہیں لیکن بد باطن لوگ باتیں بناتے

ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرنی چاہیے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہیے، جو حکم دے بجالانا چاہیے جس سے روکے رک جانا چاہیے، اس مقام پر بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے بعض تو کہتے تھے اس میں عقلی محال لازم آتا ہے اور بعض نقلی محال بھی مانتے تھے اس آیت میں گو خطاب فخر عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام تورات کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے اور صرف عناد و تکبر کی بنا تھی ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لیے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں با اختیار ہے اسی طرح اپنے حکموں میں بھی با اختیار ہے جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے اگلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے حضرت آدمؑ کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا پھر اسے حرام کر دیا نوح (علیہ السلام) جب کشتی سے اترتے ہیں تب تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہوگئی دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر تورات میں اور اس کے بعد حرام ہوگیا ابراہیم (علیہ السلام) کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں

کو ان کا اقرار ہے لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے، بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی رہتا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے آپ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں ہو گیا یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے کہ اگلی شریعتیں صرف آپ کے آنے تک ہی تھیں اس لیے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے بہرصورت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا سورہ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں بنی اسرائیل کو خطا کیا گیا ہے نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے فرماتا ہے آیت (کل الطعام) الخ یعنی سبھی کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ مسلمان کل کے کل متفق ہیں کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے بلکہ واقع بھی ہے اور پروردگار کی حکمت بالغہ کا دستور بھی یہی ہے۔ دیکھئے پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر جائے ایک سال تھی لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی اور دونوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں قبلہ پہلے بیت المقدس تھا۔ پھر کعبۃ اللہ ہوا اور دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے پہلے کے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن یہ پھر حکم منسوخ کر کے دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں پہلے حکم تھا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے یا کرو پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں وغیرہ واللہ اعلم۔ (۱)

علامہ سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

امام عبدالرزاقؒ نے "مصنف" میں، امام طیالسی اور امام سعید بن منصورؒ نے، امام عبداللہ بن احمدؒ نے "زوائد مسند" میں امام نسائیؒ اور امام ابن منذرؒ نے اور ابن الانباریؒ نے "مصاحف" میں، امام دارقطنیؒ نے، امام حاکمؒ نے تصحیح سند کے ساتھ، امام ابن مردویہؒ نے اور امام الضیاء نے "المختارۃ" میں زر بن حبیشؒ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا: تم سورہ احزاب میں کتنی آیات پڑھتے ہو؟ میں نے کہا تہتر آیات، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا: مجھے یاد ہے کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی اور ہم نے اس میں یہ آیت پڑھی تھی کہ جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کردو، یہ اللہ کی طرف سے عبرت والی سزا ہے اور اللہ عزیز اور حکیم ہے، پھر ان میں سے جو آیتیں محو کردی گئیں وہ محو کردی گئیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی "تاریخ" میں حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے سورہ احزاب پڑھی تھی، مجھے اس کی ستر آیتیں بھلا دی گئی ہیں جن کو اب میں نہیں پاتا۔ (۲)

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا لَكُمْ

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (درمنثور ج ۵ ص ۱۸۰۔۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی ولی ہے اور نہ مددگار۔

ربط آیات:

اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب نہیں ہے' بلکہ اس میں عام مخاطب یا عام مسلمانوں سے خطاب ہے' کیونکہ اس آیت کے دوسرے جز میں فرمایا ہے: اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ پر دلیل قائم کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور حاکم ہے' اور جو مالک اور حاکم ہو وہ اپنے محکوم اور مملوک لوگوں کی مصلحتوں اور ان کے احوال کی رعایتوں سے واقف ہوتا ہے' اس لیے وہ ان کی رعایتوں اور مصلحتوں اور ان کے احوال کی رعایتوں سے واقف ہوتا ہے' اس لیے وہ ان کی رعایتوں اور مصلحتوں کے اعتبار سے احکام بدلتا رہتا ہے' کبھی اعتبار سے دوسرا حکم نازل کرتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی مملوک میں جو حکم چاہے نازل کرے' اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ ولی کا معنی ہے: قریب اور دوست' اور نصیر کا معنی ہے: مددگار' کبھی دوست مددگار ہوتا ہے اور کبھی دوست ہوتا ہے اور مددگار نہیں ہوتا اور کبھی اجنبی مدد کرتا ہے اور وہ دوست نہیں ہوتا' ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔[1]

یہاں خطاب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہے اور مراد امت ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے وما لکم من

---

[1] تفسیر تبیان القرآن

دون اللّٰہ الخ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے: اے محمد! (صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے کیا تم نہیں جانتے کہ اللّٰہ کے لیے حکمرانی اور سلطانی ہے۔ آسمانوں اور زمین میں تمہارے لیے اللّٰہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ولیؒ یہ ولیت امر فلاں سے مشتق ہے۔ یعنی میں نے فلاں کے معاملہ کی دیکھ بھال کی۔ اسی سے ولی العھد ہے یعنی مسلمانوں کے جو معاملات اس کے سپرد کئے گئے ہیں ان کی نگرانی کرنے والا۔ من دون اللّٰہ کا معنی ہے اللّٰہ کے سوا، اللّٰہ کے بعد۔ جیسے امیہ بن الصلت نے کہا
:

یا نفس مالک دون اللّٰہ من واق وما علی حدثان الدھر من باق

اے نفس! اللّٰہ کے سوا تجھے کوئی بچانے والا نہیں اور زمانے کے واقعات میں سے کوئی باقی رہنے والا نہیں۔ [1]

﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ ﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اس طرح کے سوال کرو جس طرح کے سوال اس

---

[1] تفسیر قرطبی

سے پہلے موسیٰ ؑ سے کیے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوالات کی ممانعت

اس آیت میں کن سائلین کی طرف خطاب متوجہ ہے؟ اس میں تین قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ سوال کرنے والے یہود تھے اور یہی سیاق اور سباق کے مناسب ہے' دوسرا قول ہے: یہ آیت مشرکین مکہ کے سوالوں کے رد میں ہے اور تیسرا قول ہے کہ مسلمانوں کے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی' امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شان نزول

حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ رافع بن حریلمہ اور وھب بن زید (یہودیوں) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا: ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جو آسمان سے نازل ہو اور ہم اس کو پڑھیں' اور ہمارے لیے دریا جاری کر دیں' پھر ہم آپ کی اتباع اور تصدیق کریں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہدؒ نے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہا کہ وہ ان کے لیے پہاڑ صفا کو سونے کا بنا دیں۔

ابوالعالیہؒ نے بیان کہ ایک مسلمان شخص نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کاش ہمارے کفارات' بنواسرائیل کے کفارات کی طرح ہوتے! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو جو

کفارے عطا فرمائے ہیں وہ بنی اسرائیل کے کفاروں سے بہت بہتر ہیں' جب ان میں کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو اس کے دروازہ پر وہ گناہ اور اس کا کفارہ لکھا ہوا ہوتا تھا' اگر وہ کفارہ دے دیتا تو اسے دنیا میں ذلت اٹھانی پڑتی اور اگر کفارہ نہ دیتا تو اس کے لیے آخرت میں رسوائی ہوتی' اور تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی برائی کی یا اپنی جان پر ظلم کیا' پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا پائے گا' اور فرمایا: دن کی پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کا وقفہ ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں اور جس شخص نے کسی نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اللہ کے غضب میں وہی ہلاک ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کسی بڑے گناہ میں مبتلا کر لیتا ہے۔۔۔[۱]

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (لایعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیے گئے تھے۔ اس آیت کے بعد فرمایا ہے: جس نے ایمان کو کفر سے بدلا یعنی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا' اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کوئی ایسا سوال کیا تھا جو کفر تھا' یہودیوں نے ایک مکمل کتاب لانے کا مطالبہ کیا تھا اور مشرکین نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں اور نبوت پر کسی دلیل کا مطالبہ کرنا کفر نہیں ہے۔ لیکن ان کا یہ سوال چونکہ بہ طور عناد اور سرکشی تھا اس وجہ سے اس کو کفر فرمایا جیسے بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے یہ کہا تھا کہ جب تک ہم خدا کو دیکھ نہ لیں ایمان نہیں لائیں گے' امام

۱

جریرؒ نے مسلمانوں کا جو سوال نقل کیا ہے کہ ہمارے لیے بنو اسرائیل کے کفاروں کی مثل کفارے ہوں' یہ کفر نہیں ہے' امام رازیؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایک خدا بنا دیا جائے جس پر ہم چڑھاوے چڑھائیں' تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ سوال کرنا یقیناً کفر ہے' تاہم زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یا بلا ضرورت اور لایعنی سوالات کرنا ممنوع ہے لیکن کوئی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے' یا کسی چیز کی وضاحت کے لیے سوال کرنا جائز ہے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے' صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مسائل دینیہ معلوم کرتے تھے اور آپ ان کو جوابات دیتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "فسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون"۔۔(النحل:٤٣)

ترجمہ: اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے سوال کرو۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام قرار دے دی گئی۔"[1]

سیدنا سہل بن سعد الساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ عویمر بن حارثؓ بنی عجلان کے سردار عاصم بن عدیؓ کے پاس آئے اور کہا، آپ لوگوں کا ایسے آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پالیتا ہے، کیا وہ اسے قتل کردے؟ لیکن تم اسے قصاصاً قتل کردو گے، آخر ایسی صورت میں انسان کیا

---

[1]۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب مایکرہ من کثرۃ السؤال۔۔الخ:٧٢٨٩۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وترک إکثار سؤالہ:٢٣٥٨]

طریقہ اختیار کرے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھ کر مجھے بتاؤ۔ چنانچہ عاصم بن عدیؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صورت مذکورہ میں خاوند کیا کرے؟) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان مسائل کو ناپسند کیا۔ جب عویمرؓ نے ان سے پوچھا تو انھوں نے بتادیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان مسائل کو ناپسند کیا ہے۔ عویمرؓ نے کہا، اللہ کی قسم! میں خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھوں گا۔ (چنانچہ انھوں نے سارا معاملہ گوش گزار کیا تو اس کے جواب میں) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن نازل کیا ہے۔" اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دونوں کو لعان کا حکم دیا۔ [۱]

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں کہ بیشک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فضول گفتگو (قیل وقال) ، کثرت سوال اور اضاعت مال سے منع فرمایا کرتے تھے۔ [۲]

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، تو تم حج کیا کرو۔" ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ اس نے تین بار یہ پوچھا اور آپ خاموش رہے، پھر فرمایا: "نہیں! اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو حج ہر سال واجب ہوجاتا، تو تمہیں ہر سال کرنے کی استطاعت نہ ہوتی۔ مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف ہی نے تباہ وبرباد

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ عزوجل (والذین یرمون أزواجھم ولم یکن لھم شھداء):۴۷۴۵۔ مسلم، کتاب اللعان:۱۴۹۲]

۲۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال ۔۔ الخ:۷۲۹۲۔ مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل ۔۔ الخ:۱۷۱۵]

کر دیا تھا، لہٰذا میں جب تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجا لاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے مکمل اجتناب کرو۔"[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منع کر دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کسی چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لیے ہماری خواہش ہوتی تھی کہ کوئی دیہاتی آدمی آئے، وہ آپ سے پوچھے اور ہم سنیں۔[2]

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ ﴾

بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان کے بعد پھر تمہیں کفر کی حالت میں پلٹا دیں اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ ان کے لیے حق خوب واضح ہو چکا۔ سو تم معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

۱۔ [مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر: ۱۳۳۷۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورہ المائدۃ: ۳۰۵۵]

۲۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب السؤال عن أرکان الاسلام: ۱۲]

شان نزول

امام رازیؒ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

جب مسلمان جنگ احد میں شکست کھا گئے تو فنحاص بن عاز اور زید بن قیس اور کچھ اور یہودی' حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور عمار بن یاسرؓ کے پاس گئے اور کہا: تم نے دیکھا تم پر کیسی مصیبت آئی ہے' اگر تم حق پر ہوتے تو تم پر یہ مصیبت نہ آتی' اب تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ' وہ تمہارے لیے بہتر اور افضل ہے اور ہمارا دین سیدھا راستہ ہے' حضرت عمارؓ نے پوچھا: تمہارے ہاں عہد شکنی کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: وہ بہت بڑا گناہ ہے! انہوں نے کہا: میں نے عہد کیا ہے کہ میں تاحیات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کفر نہیں کروں گا' یہود نے کہا: وہ اپنا آبائی دین ترک کر چکے ہیں؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: میں اس پر راضی ہوں کہ میرا رب اللہ ہے' اسلام میرا دین ہے' قرآن میرا امام ہے، کعبہ قبلہ ہے اور سب مسلمان بھائی ہیں' پھر وہ دونوں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ کو سنایا' آپ نے فرمایا: تم نے درست کہا' اور تم کامیاب ہو گئے۔ [۱]

ابن ابی حاتمؒ نے اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب، دونوں یہودی تھے اور عربوں سے اس لیے بہت حسد کرتے تھے کہ ان میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیوں ہوئے اور رات دن لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲۔ (مظہری ۱۱۴۔۱)

یہود اپنے شعروں میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجو کیا کرتا تھا گو ان کی کتاب میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفتیں جانتے تھے اور آپ کو اچھی طرح پہچانتے تھے پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بنا پر کہ یہ عرب میں آپ کیوں مبعوث ہوئے کفر و افکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگزر کرتے رہو اور اللہ کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرو۔ (۱)

حسد کی تحقیق

علامہ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

جس مستحق شخص کے پاس نعمت ہو اس سے نعمت کے زوال کی تمنا کو حسد کہتے ہیں، روایت ہے کہ مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے، قرآن مجید میں ہے: (آیت) "من شر حاسد اذا حسد"۔ جب حاسد حسد کریں تو میں ان کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں"۔ (۲)

صاحب نعمت کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور ہمیں بھی اس کی مثل مل جائے یہ رشک ہے۔

حسد کے متعلق احادیث اور آثار

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (المفردات ص ۱۱۸ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں اور گھاس کو کھا جاتی ہے۔[1]

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کسی بندے کے دل میں احسان اور حسد جمع نہیں ہوتے۔[2]

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں' بدفالی' حسد اور بدگمانی' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں وہ ان کا کس طرح تدارک کرے' آپ نے فرمایا: جب تم حسد کرو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' اور جب بدگمانی کرو تو اس پر جمے نہ رہو اور جب تم کسی کام کی بدفالی نکالو تو وہ کام کر گزرو۔[3]

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: بشر بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رشتہ داروں میں عداوت ہوتی ہے' پڑوسیوں میں حسد ہوتا ہے اور بھائیوں میں منفعت ہوتی ہے۔[4]

احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پانچ چیزیں ایسی ہیں جس طرح ان کو میں بیان کرتا ہوں حاسد کے لیے کوئی

۱۔(سنن ابوداؤد ج۲ ص۳۶٦' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰۵ھ) اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص۳۱۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۲۔(سنن نسائی ج۲ ص٤٤ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی (رح) نے بھی روایت کیا ہے۔ (شعب الایمان ج۵ ص۲٦۷۔۲٦٦ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

۳۔(معجم کبیر ج۳ ص۲۲۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

۴۔(شعب الایمان ج۵ ص۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت ۱٤۰۱ھ)

راحت نہیں ہے' جھوٹے کی کوئی مروت نہیں ہے' حاکم کی وفا نہیں' بخیل کا کوئی حیلہ نہیں اور بدخلق کی کوئی سیاست نہیں ہے۔ ①

امام طبرانیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ضمرہ بن ثعلبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تک لوگ حسد نہیں کریں گے وہ خیریت سے رہیں گے۔ ②

حافظ منذریؒ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن بسرؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں: حسد کرنے والا' چغلی کرنے والا اور کہانت۔ (کہانت کا معنی ہے: خبریں سن کر اور اس میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر لوگوں کو غیب کی خبریں دینا) کرنے والا میرے طریقہ پر نہیں ہے' اور نہ میں ان کے طریقہ پر ہوں' اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے۔

حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پہلی امتوں کی بعض بیماریاں تم میں سرایت کر گئی ہیں' حسد اور بغض' بغض مونڈنے والا ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے' لیکن وہ دین کو مونڈتا ہے' اس حدیث کو امام بزارؒ نے جید سند کے ساتھ اور امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس اھل جنت میں سے ایک شخص آئے گا' پھر ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی سے وضوء کا پانی ٹپک رہا تھا' اور اس کے بائیں ہاتھ میں اس کی جوتیاں تھیں'

۱۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۰۱ھ)

۲۔ معجم کبیر ج ۸ ص ۳۰۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۵۴۷' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ)

دوسرے دن پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہی فرمایا: اور پھر وہی شخص آیا' تیسرے دن پھر آپ نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا' حضرت عبداللہ بن عمرؓ تین دن اس شخص کے ساتھ رہے تاکہ اس کا وہ عمل معلوم کریں' جس کی وجہ سے آپ نے اس کو تین بار جنت کی بشارت دی تھی' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا' وہ شخص رات کے قیام کے لیے نہیں اٹھتا تھا' البتہ اللہ کا نام لے کر سوتا اور صبح اللہ کا نام لے کر اٹھتا تھا' حضرت عبداللہؓ نے کہا: میں نے اس کی زبان سے خیر کے سوا کسی کا ذکر نہیں سنا' جب تین دین گزر گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین مرتبہ تمہارے متعلق جنت کی بشارت سنی ہے اور میں نے تم کو کوئی غیر معمولی نہیں دیکھا' آخر وہ کیا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ بشارت دی ہے؟ اس نے کہا: بس وہی عمل ہے جو آپ نے دیکھا' جب حضرت عبداللہؓ جانے لگے تو اس نے آپ کو آواز دی اور کہا: وہ عمل میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے اور جس کسی مسلمان کو اللہ نے کوئی نعمت دی ہو میں اس پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: اسی نیکی کی وجہ سے تم اس مرتبہ کو پہنچے ہوئے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مخموم القلب اور راست گو ہو صحابہؓ نے کہا: راست گو کو تم ہم جانتے ہیں مخموم القلب کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: جو شخص متقی ہو' صاف دل ہو' اس نے کوئی گناہ اور سرکشی نہ کی ہو' وہ کسی سے کینہ رکھتا ہو نہ حسد رکھتا ہو۔ (۲)

۱۔ اس حدیث کو امام احمد (رح) نے امام بخاری (رح) کی شرط کے مطابق روایت کیا ہے اور اس کو امام مسلم (رح)' امام نسائی (رح) امام ابو یعلی (رح) اور امام بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے سند صحیح کے ساتھ اور امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔

حضرت حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری امت کے ابدال زیادہ نمازوں' روزوں اور صدقات کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ اللہ کی رحمت' نفس کی سخاوت اور (حسد اور بغض سے) سینے صاف رکھنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے' اس حدیث کو امام ابن ابی الدنیا نے "کتاب الاولیاء" میں مرسلا روایت کیا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم (ان کو) معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ (البقرہ:۱۰۹)

کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا درگزر کرنا:

کافروں اور مشرکوں سے جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی ایذارسانیوں کو برداشت کیا کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر اوڑھ کر دراز گوش پر سوار ہو کو بنوخزرج کے امیر حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے جارہے تھے اور حضرت اسامہؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے' آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بیٹھا ہوا تھا' یہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا اس مجلس میں مسلمانوں' مشرکوں' بت پرستوں اور یہودیوں کے بہت سے لوگ تھے اور مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی تھے' جب اس مجلس کو آپ کی سواری کے گرد وغبار نے

۱۔ (الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۵۵۱۔ ۵۴۷' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

ڈھانپ لیا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر رکھ لی' پھر کہا: ہم پر گرد نہ ڈالو' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہاں سلام کر کے توقف کیا' اور ان کو اللہ کی (عبادت کی) دعوت دی اور ان پر قرآن پڑھا' عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: اے شخص! اس کلام سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے' اگر یہ حق ہے تو تم ہمیں ہماری مجلس میں ایذا نہ دو اور اپنی سواری پر واپس چلے جاؤ' اور جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ' حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ہماری مجلس میں ٹھہریں' ہم اس کو پسند کرتے ہیں' پھر مسلمان' مشرک اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے' حتیٰ کہ وہ لڑنے کے قریب ہو گئے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے' پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی سواری پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے' اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس پہنچے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا ہے؟ اس نے یہ یہ کہا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے' اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے! بیشک اللہ نے آپ پر جو کتاب نازل کی ہے وہ حق ہے' اس شہر کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ عبداللہ بن ابی کو سرداری کا تاج پہنائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دے کر بھیجا اور اس کو یہ موقع نہیں دیا تو وہ غضبناک ہو گیا' اسی وجہ سے اس نے وہ سب کیا جو اس نے کیا اور آپ نے دیکھا پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو معاف کر دیا' اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب' اللہ کے حکم کے بہ موجب اہل کتاب اور یہودیوں کو

معاف کردیتے تھے اور ان کی ایذاء پر صبر کرتے تھے۔ [۱]

اللہ کا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور۔" (آل عمران:۱۸۶)

ترجمہ: بیشک تمہارے مال اور جان میں ضرور تمہاری آزمائش ہوگی' اور اہل کتاب اور مشرکین سے تم ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے' اور اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔

عفو اور درگزر کا منسوخ ہونا:

اللہ تعالیٰ نے یہود کے حسد اور ان کی ریشہ دوانیوں پر اور اسی طرح مشرکین کی ایذا رسانیوں پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک وقت مقرر تک کے لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حتی کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ مشرکین اور یہودیوں سے درگزر کرنے کا حکم اس وقت تک کے لیے تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ بعد میں اللہ نے یہ حکم دیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں اور جزیہ دیں' علماء نے بیان کیا کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

۱۔۱ (امام محمد اسماعیل بخاری (رح) متوفی ۲۵۶ ھ صحیح بخاری ج ۲ ص' ۶۵۶۔۶۵۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ ھ) اس حدیث کو امام مسلم (رح)۔ ۲ (امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص' ۱۱۰۔۱۰۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ ھ) اور امام احمد (رح)۔ ۳ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، مسند احمد ج ۵ ص، ۲۰۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

(آیت) " قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون "۔ (التوبہ:۲۹)

ترجمہ: جو اھل کتاب' اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لائیں' اور اللہ اور اس کے رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہ کہیں اور دین حق کی اطاعت کریں ان سے قتال کرتے رہو حتی کہ وہ مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں'۔

اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کا حکم ہے اور درج آیت میں مشرکین سے قتال کا حکم ہے:

(آیت) " فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم "۔ (التوبہ:۵)

ترجمہ: سو مشرکین کو تم جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب کافروں اور مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت تک تھا تو قتال کا حکم آنے کے بعد اس پہلے حکم کو منسوخ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حکم میں مدت کو بیان نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کو مبہم رکھا گیا تھا اس لیے اس کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

شخصی معاملے میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا:

معاف کرنے اور درگزر کرنے کے لیے اسی سے کہا جاتا ہے جو سزا دینے اور بدلہ لینے پر قادر ہو' اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود ایمان کی طاقت سے اس قدر قوی تھے کہ وہ یہودیوں اور مشرکوں کو سزا دے سکتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی وجہ سے ان کو عفو اور درگزر کا حکم دیا۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں بنو قریظہ اور بنو نضیر سے درگزر کرنے کا حکم ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کو قتل کرنے اور بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ اس

آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کس کو معاف کرو اور کس سے درگزر کرو‘ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا عام حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ تمام جاہلوں اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کر لیں‘ ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مبارک طریقہ یہ تھا کہ اگر آپ کی ذات کے ساتھ کوئی شخص زیادتی کرتا تو معاف کر دیتے لیکن اگر کوئی شخص اللہ کی حرمت اور اس کے احکام کے خلاف کوئی کام کرتا تو پھر آپ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے‘ امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شرم وحیا کے منافی بات نہیں کرتے تھے‘ نہ بازاروں میں زور سے بولتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا‘ بشرطیکہ حدود اللہ کی خلاف ورزی نہ کی جائے‘ اور جب کوئی حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب کرنے والے تھے اور جب بھی آپ کو دو کاموں میں سے ایک کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کسی کو نہیں مارا‘ کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے نفس کے لیے تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا‘ ضد بحث کرنا‘ اپنے لیے بڑائی چاہنا اور غیر متعلقہ باتوں میں پڑنا‘ اور لوگوں کے لیے بھی تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا‘ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے‘ کسی کا عیب نہیں کرتے تھے‘ اور کسی کے عیوب کا

کھوج نہیں لگاتے تھے، صرف انہی امور میں کلام فرماتے جن میں ثواب کی امید ہوتی۔ [1]

آج ہماری زندگی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کے بالکل برعکس گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾ ﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جو بھی نیکی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے۔ بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے

آخرت کے لیے نیکیوں کا بھیجنا

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جب انسان مرجاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے کیا چھوڑا اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے کیا بھیجا؟ امام نسائیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وہ کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہؓ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے مال کی بہ

۱۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

نسبت اپنے وارث کے مال کو ہی محبوب رکھتا ہے تمہارا مال وہ ہے جس کو تم نے (آخرت کے لئے) بھیج دیا اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جس کو تم نے رکھ چھوڑا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب (رض) بقیع الغرقد (مدینہ کا قبرستان) کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: "السلام علیکم اھل القبورا" ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے دوسری شادیاں کرلیں' تمہارے مکانوں میں اور لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال تقسیم کردیئے گئے' تو غیب سے ایک آواز آئی: اے ابن الخطاب! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ ہم نے آخرت کے لیے جو صدقات بھیجے تھے وہ ہم نے پالئے اور ہم نے آخرت کے لیے جو خرچ کیا تھا' ہمیں اس کا نفع مل گیا اور ہم نے جو دنیا میں چھوڑ دیا تھا اس کا ہم نے نقصان اٹھایا۔ (۱)

امام بخاری ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ کون سے صدقہ کا زیادہ اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست اور بخیل (ضرورت مند) ہو تم کو تنگ دستی کا اندیشہ ہو اور تم کو غنی ہونے کی امید ہو' صدقہ کرنے کو موخر نہ کرتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلق تک آجائے تو کہو: فلاں کو اتنا دے دو' فلاں کو اتنا دے دو' (اب تم کہو یا نہ کہو) فلاں فلاں کو تو اب مل ہی جائے گا۔ (۲)

امام نسائی ؒ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ نور محمد کراچی' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۲ ' بیروت) اس حدیث کو امام بخاری (رح) نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۷۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ ھ)

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم کو مال کی کثرت نے عبادت سے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم نے قبروں کو دیکھ لیا' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے' یہ میرا مال ہے حالانکہ تمہارا مال تو صرف وہ ہے جس کو تم نے کھالیا اور فنا کر دیا یا کپڑے پہن کر بوسیدہ کر دیئے یا صدقہ کر کے آخرت کے لیے روانہ کر دیا (یعنی اس کے علاوہ جو مال ہے وہ تمہارا نہیں ہے تمہارے وارثوں کا ہے۔ [1]

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: اس میں کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اس کی صرف ایک دستی باقی ہے' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اس ایک دستی کے سوا وہ سب باقی ہے جس کو تم نے تقسیم کر دیا۔ [2]

﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١١١﴾﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ فرمادیجیے کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم

۱۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۲۔ (جامع ترمذی ص ۳۰۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام احمد (رح) نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ٦ ص ۵۰ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

سچے ہو۔

شان نزول

جس وقت یہود اور نجران کے عیسائیوں کا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے مناظرہ ہوا، اس وقت یہود نے کہا کہ یہود کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا اور نصاری نے کہا کہ نصاری کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ [۱]

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نجران کے نصاری اور یہودی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر تھے، اس وقت یہود نے کہا کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی نہیں جائے گا، جہنم ان پر حرام ہے خواہ وہ کچھ ہی کریں اور دین حق یہودیت ہی ہے، عیسائی کہنے لگے کہ ہمارے اگلے پچھلے سب گناہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اوپر لے لیے ہیں اور ہماری طرف سے وہ کفارہ ہو گئے، اب جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اس لیے جنت ہمارا مقام ہے، اور نصرانیت ہی سچا دین ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے ایسی باتیں اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کو اسلام سے بدظن کردیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان کے دلی منصوبے اور بے اصل خیالات ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کرو، حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ تورات اور انجیل میں کہیں بھی یہ بات نہیں، یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کا خدا ہے، اس نے نجات کا جو معیار مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی نیکوکار رہے، اللہ تعالیٰ کے آگے اپنا سر جھکاتا ہے اور اس نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے

۱۔(النہر الماد: ص: ۳۴۹: ج: ۱: ابن کثیر: ج: ۱: ص: ۲۴۲)

ان پر بلا چوں و چرا ایمان لاتا ہے اور جن احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرتا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ ان سے دور رہتا ہے خواہ وہ یہودی ہو، یا نصرانی، عربی ہو یا عجمی، ہندی ہو یا حبشی وہ اپنے عمل کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور پائے گا، اور وہی جنت کا مستحق ہے، اور ایسے لوگوں کو وہاں کسی قسم کا خوف اور رنج نہ ہوگا۔ [۱]

یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ بیان کے جواب میں فرمایا:

(تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ط)

یہ ان کی خواہشات ہیں' من گھڑت خیالات ہیں' خوش نما آرزوئیں (wishful thinkings) ہیں۔

(قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ)۔

کسی آسمانی کتاب سے دلیل لاؤ۔ کہیں تورات میں لکھا ہو یا انجیل میں لکھا ہو تو ہمیں دکھا دو! اب یہاں پر پھر ایک عالمگیر صداقت (universal truth) بیان ہو رہی ہے۔

﴿ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ﴾

کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم

۱۔ (حقانی ۱-٤٦٤، مظہری ۱-۱۱٤،۱۱۵)

گین ہونگے۔

عند اللہ جنتی کون ہے

یہود ونصاریٰ کے دعویٰ کی تردید کرنے اور ان سے دلیل طلب کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا:

(بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ) (الایۃ) یعنی دوسرے لوگ کیوں جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کی تعمیل میں جھکا دے اور وہ صفت احسان سے متصف بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ضرور ملے گا۔ جو جنت کے داخلے کی صورت میں ہوگا۔ ان لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم گین ہونے کا کوئی موقعہ ہے یہ عمومی قانون ہے جو بھی اس پر عمل کرے گا داخلہ جنگ کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی قرابت رشتہ داری نہیں ہے اور نہ کوئی خواہ مخواہ محبوب اور مقرب بن جاتا ہے۔ ایمان پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لفظ محسن لفظ احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور عمدگی کے ساتھ انجام دینا اس میں احسان عقیدہ اور احسان عمل سب کچھ داخل ہے۔ بعض مفسرین نے محسن کا ترجمہ مخلص سے کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہونا لازم ہے اور عمل بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ رسول اکرم خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بتائے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہو، وہ عقیدہ میں محسن نہیں ہے لہٰذا اس کی نجات نہیں ہے۔ اس نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے نہیں جھکا یا وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ لہٰذا مستحق نجات نہیں، اور جس شخص کا

عمل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عمل کے موافق نہیں ہے یا نیت میں اخلاص نہیں یعنی اللہ کی رضا مطلوب نہیں اس کا وہ عمل مردود ہے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ ہو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اتباع نہ ہو تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ عقیدہ اور عمل دونوں میں اخلاص ضروری ہے منافق عقیدہ میں مخلص نہ تھے اور جو لوگ عقیدہ ٹھیک رکھتے ہیں لیکن عمل اللہ کی رضا کے لیے نہیں کرتے دکھاوے کے لیے اور دنیاوی جاہ وعزت حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں ان کے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔ [1]

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾

اور کہا یہود نے کہ نصاری کسی چیز پر نہیں، اور نصاری نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے ان کی بات کی طرح پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے

1۔ تفسیر انوار البیان

دن ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ کا فرقوں میں بٹنا

امام ابن جریرؒ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نجران کے عیسائی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہود آئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ان سے بحث کرنا شروع کردی' رافع بن حریملہ یہودی نے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کا کفر کیا' اور نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا انکار کیا اور تورات کا کفر کیا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہؒ نے کہا: متقدمین عیسائی صحیح دین پر تھے' بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور فرقوں میں بٹ گئے اسی طرح متقدمین یہودی صحیح دین پر تھے' بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

اس آیت میں جن بے علم لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق عطاءؒ نے کہا کہ یہ تورات اور انجیل کے نزول سے پہلے کے لوگ ہیں' اور بعض نے کہا: اس سے مراد مشرکین عرب ہیں' چونکہ یہ اھل کتاب نہیں تھے اس لیے ان کو جاہل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اختلاف میں اپنا فیصلہ سنائے گا' اور حق باطل سے ممتاز ہوجائے گا' اھل حق ثواب پائیں گے اور اہل باطل کو عذاب ہوگا۔ [1]

۱۔ (جامع البیان ج۱ص ۳۹٦۔۳۹٤' مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق:

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اسی طرح نصاریٰ، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: یہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے، صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کون سی ملت ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ [۱]

علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں:

"سنن ابوداؤد" کی صحیح روایت میں ہے: عنقریب میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک فرقے جنت میں ہوگا۔ [۲]

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث اس امت کے تہتر فرقوں کا ذکر ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد امت دعوت ہے یا امت اجابت، امت دعوت سے مراد تمام دنیا کے لوگ ہیں جن کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ (جامع ترمذی ص ۳۷۹، ۳۷۸۔ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) اس حدیث کو امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۵) امام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷)، امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲)، امام دارمی (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۸)، امام طبرانی (المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۵۶)، امام حاکم (المستدرک ج ۳ ص ۵۴۷) اور امام ابن عساکر (تہذب تاریخ دمشق ج ۴ ص ۱۲۴) نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ الہیثمی (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹)، علامہ علی متقی (کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۱۵۔۱۱۴) اور علامہ زبیدی (اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۱۴۱۔۱۴۰) نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۳۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۳ھ)

نے اسلام کی دعوت دی اور امت اجابت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کو قبول کرلیا' اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے' ترمذی کی روایت میں ہے' صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کون سی ملت ہے؟ آپ نے فرمایا: جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں' اور یہ نجات پانے والے اہل سنت وجماعت ہیں اور باقی فرقے بدعتی ہیں۔ "شرح مواقف" میں مذکور ہے کہ اصل میں کل آٹھ فرقے ہیں اور باقی ان کی فرع ہیں:

(۱) معتزلہ: یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' یہ نیک لوگوں کے لیے ثواب اور بدکاروں کے لیے عذاب کے وجوب کے قائل ہیں اور رؤیت باری اور شفاعت کا انکار کرتے ہیں' پھر ان کے بیس فرقے ہیں۔

(۲) شیعہ: یہ حضرت علیؓ کی محبت میں افراط کرتے ہیں' خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام پر لعنت اور سب وشتم کرتے ہیں' ان کے بائیس فرقے ہیں۔

(۳) خوارج: یہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو کافر کہتے ہیں' گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں' ان کے بیس فرقے ہیں۔

(۴) مرجہ: ان کے نزدیک ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ان کے پانچ فرقے ہیں۔

(۵) نجاریہ: یہ اللہ کے کلام کو حادث مانتے ہیں اور اس کی صفات کو نہیں مانتے' البتہ انسان کے افعال کو مخلوق مانتے ہیں' ان کے تین فرقے ہیں

(٦) جبریہ: جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں، ان کا ایک فرقہ ہے:

(٧) مشبہ: یہ اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے ہیں۔

(٨) فرقہ ناجیہ: اور یہ اہل سنت و جماعت ہیں۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ۭ أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے منع کرے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے ان لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں، راجح قول یہ ہے:

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجاہدؒ نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد نصاری ہیں جو بیت المقدس میں گندگی پھینکتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ قتادہؒ نے کہا: اس سے مراد اللہ کے دشمن نصاری ہیں۔

جنہوں نے یہود کے بغض کی وجہ سے بخت نصر بابلی مجوسی کی بیت المقدس کو ویران کرنے میں مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں' ابن زیدؒ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عمرہ کرنے کے قصد سے (چودہ سو اصحاب کے ساتھ) مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو روک لیا اور عمرہ کرنے کے لیے مسجد حرام میں جانے نہیں دیا اور انہوں نے کہا: جن لوگوں نے ہمارے آباء واجداد کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا ہم ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کے لیے نہیں جانے دیں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکنے والوں سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا' کیونکہ حج اور عمرہ سے روکنا' مسجد حرام میں اللہ کے ذکر سے روکنا اور اس کو ویران کرنا ہے' علامہ ابن جریرؒ نے کہا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں پہلا قول راجح ہے کہ نصاری نے بخت نصر کی مدد سے بنو اسرائیل کے مومنوں کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا' اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق اور سباق میں یہود اور نصاری کے برے افعال کا بیان کیا جا رہا ہے' مشرکین کی برائیوں کا بیان نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرکین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یوم حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روکا تھا' لیکن ان کا مقصد مسجد حرام کو ویران اور برباد کرنا نہیں تھا' بلکہ مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے اور اس پر فخر کرنے والے تھے' اس لیے آیت کا روئے سخن بخت مجوسی کی طرف ہی متوجہ ہے جو بیت المقدس کو ویران اور برباد کرنے کے لیے اس میں گندگی اور

مردار ڈال دیتا تھا اور بنو اسرائیل کے مومنوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا اور یہودیوں سے بغض کی وجہ سے نصاری اس کے شریک تھے۔ [1]

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل واحکام نکلے ان کی تفصیل یہ ہے،

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی ونیز بیت المقدس میں ایک ہزار اور پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خاطر دور دراز ملکوں سے سفر کر کے پہنچنا موجب ثواب عظیم اور باعث برکات ہے بخلاف دوسری مساجد کے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کے لیے دوسرے سفر کر کے آنے کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع فرمایا ہے،

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز وتلاوت سے صراحۃ روکا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور وشغب کر کے یا اس کے قرب وجوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز وذکر وغیرہ میں خلل ڈالے یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے،

اسی طرح اوقات نماز میں جبکہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز وتسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص۳۹۸۔۳۹۶ ملخصا، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے اسی لیے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو اس وقت ذکر یا تلاوت جہر کا مضائقہ نہیں، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لیے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے،

تیسرا مسئلہ: یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہوں اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لیے لوگ نہ آئیں یا کم ہو جائیں کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی دراصل در و دیوار یا ان کے نقش و نگار سے نہیں بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے اسی لیے قرآن شریف میں ایک جگہ ارشاد ہے،

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ (۹:۱۸) یعنی اصل میں مسجد کی آبادی ان لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور روز قیامت پر اور نماز قائم کریں زکوۃ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں،

اسی لیے حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ قرب قیامت میں مسلمان کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین وخوب صورت ہوں گی مگر حقیقتاً ویران ہوں گی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہو جائیں گے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ شرافت وانسانیت کے چھ کام ہیں تین حضر کے اور تین سفر کے۔ حضر کے تین یہ ہیں تلاوت قرآن کرنا، مسجدوں کو آباد کرنا، ایسے دوستوں کی جمیعت بنانا جو اللہ تعالیٰ اور دین کے

کاموں میں امداد کریں اور سفر کے تین کام یہ ہیں اپنے توشہ سے غریب ساتھیوں پر خرچ کرنا، حسن خلق سے پیش آنا اور رفقائے سفر کے ساتھ ہنسی خوشی، تفریح وخوش طبعی کا طرز عمل رکھنا بشرطیکہ یہ خوش طبعی گناہ کی حد میں داخل نہ ہو جائے،

حضرت علیؓ کے اس ارشاد میں مسجدوں کے آباد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہاں خشوع خضوع کے ساتھ حاضر بھی ہوں اور وہاں حاضر ہو کر ذکر و تلاوت میں مشغول رہیں اب اس کے مقابلہ میں مسجد کی ویرانی یہ ہوگی کہ وہاں نمازی نہ رہیں یا کم ہو جائیں یا ایسے اسباب جمع ہوں جن سے خشوع وخضوع میں خلل آئے،

اور اگر آیت کا شان نزول واقعہ حدیبیہ اور مشرکین مکہ کا مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا ہے تو اسی آیت سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مساجد کی ویرانی صرف یہی نہیں کہ انھیں منہدم کر دیا جائے بلکہ مساجد جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں یعنی نماز اور ذکر اللہ جب وہ نہ رہے یا کم ہو جائے تو مساجد ویران کہلائیں گی۔ (۱)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ

اس آیت میں ہے: یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

مسجد میں مشرک کے دخول کے متعلق کئی مذاہب ہیں' فقہاء احناف کے نزدیک مسجد میں مشرک کا دخول جائز ہے' امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد حرام میں مشرک کا داخلہ

۱۔ تفسیر معارف القرآن

منع ہے اور باقی مساجد میں جائز ہے۔ [1]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

مسجد حرام میں ذمیوں کا داخلہ کسی صورت میں جائز نہیں اور غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مساجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی کافروں کا مسجد میں دخول جائز نہیں ہے۔ [2]

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

حرم اور غیر حرم کسی مسجد میں بھی کافروں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ [3]

علامہ محمد حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے مساجد میں مشرکین کے گزرنے کو جائز کہا ہے خواہ وہ جنبی ہوں۔ [4]

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ ﴾

اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

۱۔(فتح الباری ج۱ ص۵٦۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱٤۰۱ھ)

۲۔(المغنی ج۹ ص۲۸۷۔۲۸٦ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۳۔(الجامع الاحکام القرآن ج٤ ص۱۰٤ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

٤۔(درمختار علی ھامش ردالمختار ج۵ ص۲٤۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن جریر طبری ؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس چیز کو قرآن مجید نے منسوخ کیا وہ قبلہ ہے' اور اس کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو مدینہ میں زیادہ تر یہودی تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا' یہود اس سے بہت خوش ہوئے' آپ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں' آپ اس کی دعا کر رہے تھے اور مسجد حرام کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (ترجمہ) "بیشک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرہ کے پھرنے کو دیکھ رہے ہیں (الی قولہ) تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔" اس وقت یہود نے یہ اعتراض کیا کہ ان کو ان کے پہلے قبلہ کی طرف سے کس نے پھیر دیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔ [۱]

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے:

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ؓ سفر میں جس طرف سواری کا منہ ہوتا اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیتے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے' اور حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سواری پر

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۰۰۔۳۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نفل پڑھتیں، جس طرف سواری کا منہ ہوتا تھا اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ فرماتے تھے۔

حضرت ربیعہ ؓ بیان کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے، وہ سخت سیاہ اندھیری رات تھی، ہم ایک جگہ ٹھہرے، اور ہر شخص نے اپنی اپنی سجدہ گاہ کی طرف پتھر رکھے اور نماز پڑھی، صبح کو معلوم ہوا کہ سب نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے اس رات غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ ہی کی طرف منہ کرو گے۔ (۱)

امام ترمذی ؒ روایت کرتے ہیں:

یعلی بن مرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) سفر میں تھے کہ نماز کا وقت آ گیا، آسمان سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے زمین پر کیچڑ تھی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سواری پر اذان دی اور اقامت کہی، پھر آپ اپنی سواری پر آگے بڑھ گئے اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) آپ کے پیچھے سواریوں پر تھے، آپ نے سواری پر انہیں اشارہ سے نماز پڑھائی، آپ سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے، حضرت انس بن مالک ؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے بھی کیچڑ کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھی۔ (۲)

الغرض آیت مذکورہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس کا منشاء بیت اللہ یا بیت المقدس کی معاذ اللہ پرستش نہیں اور نہ ان دونوں مکانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

۱۔ (جامع البیان ج۱ ص۴۰۱-۴۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (جامع ترمذی ص۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

ذات پاک مخصوص ہے بلکہ اس کی ذات سارے عالم پر محیط اور ہر سمت میں اس کی توجہ یکساں ہے پھر کسی خاص مکان یا سمت کو مخصوص کیا جاتا ہے اس میں دوسری حکمتیں ہیں،

آیت مذکورہ کے اس مضمون کو واضح اور دل نشین کرنے ہی کے لیے شاید آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرامؓ کو ہجرت کے اوائل میں سولہ سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دے کر عملی طور پر بتلا دیا گیا کہ ہماری توجہ ہر طرف ہے اور نوافل میں اس حکم کو ہمیشہ کے لیے جاری رکھا کہ سفر میں کوئی شخص کسی سواری مثلاً اونٹ، گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو تو اس کو اجازت ہے کہ سواری پر بیٹھے ہوئے اشارہ سے نفلی نماز پڑھ لے اور اس کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی ضروری نہیں جس طرف اس کی سواری چل رہی ہے اسی طرف رخ کر لینا کافی ہے،

بعض مفسرین نے آیت فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کو اسی نفلی نماز کا حکم قرار دیا ہے مگر یاد رہے کہ یہ حکم صرف ان سواریوں کا ہے جن پر سوار ہو کر چلتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار ہے اور جن سواریوں میں سوار کو قبلہ کی طرف رخ کر لینا دشوار نہیں جیسے ریل، پانی کا جہاز، ہوائی جہاز، ان کا وہی حکم ہے جو حالت حضر میں رخ قبلہ کا ہے کہ اگر نفل نماز بھی ان میں پڑھی جائے تو قبلہ رخ ہو کر پڑھی جائے (البتہ نماز کی حالت میں ریل کا یا جہاز کا رخ مڑ جائے اور نمازی کے لیے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے)

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور رات کی اندھیری وغیرہ کی وجہ سے سمتیں متعین کرنا بھی دشوار ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو وہاں بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنا اندازہ اور تخمینہ لگا کر جس طرف کو بھی متعین کر لے گا وہی سمت اس کا قبلہ قرار دی جائے گی نماز ادا کرنے کے بعد اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ

اس نے غلط سمت میں نماز ادا کی ہے تب بھی نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں

آیت کے اس بیان اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تعامل اور جزئیات مذکورہ سے استقبال قبلہ کے حکم شرعی کی پوری حقیقت واضح ہوگئی۔ (۱)

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ ﴾

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، سب اس کے فرماں بردار ہیں (۱۱۶) وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بس اتنا کہتا ہے کہ: ہو جا، پس ہو جاتا ہے (۱۱۷)۔

اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے

یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اس طرح ان جیسے یہود و مشرکین کی تردید میں ہے جو اللہ کی اولاد بتاتے تھے ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ مالک ہے ان کا پیدا کرنے والا انہیں روزیاں دینے والا ان کے اندازے مقرر کرنے والا انہیں قبضہ میں رکھنے والا

۱۔ تفسیر معارف القرآن

ان میں ہر تغیر و تبدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے؟ نہ عزیزؑ اور نہ ہی عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے کہ مشرکین عرب کا خیال تھا۔اس لیے دو برابر کی مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے یہ لوگ رحمٰن کی اولاد بتاتے ہیں یہ کتنی بے معنی اور بیہودہ بے تکی بات تم کہتے ہو؟ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہوجانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہوجانا ممکن ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے اللہ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے سب اس کی ہی ملکیت ہے زمین و آسمان کی تمام ہستیاں اس کی غلامی میں ظاہر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت والے دن تنہا تنہا پیش ہونے والی ہے پس غلام اولاد نہیں بن سکتا ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں دوسری جگہ پوری سورت میں اس کی نفی فرمائی ارشاد ہوا آیت (قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد) کہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے اللہ بے نیاز ہے اس کی نہ اولاد ہے نہ ماں باپ اس کا ہم جنس کوئی نہیں ان آیتوں اور ان جیسی اور آیتوں میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح و تقدیس بیان کی اور اپنا بے نظیر بے مثل اور لاشریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے پھر اس کی اولاد بیٹے بیٹیاں کہاں سے ہوں گی؟ سورہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف

کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے یہ نہیں چاہیے تھا اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور میری اولاد اور بیوی ہو اس سے بہت بلند و بالا ہوں یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی با اختلاف الفاظ مروی ہے صحیین میں ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی کامل نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے پھر فرمایا ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے اس کی غلامی کا اقرار کئے ہوئے ہے اس کے لیے مخلص۔ اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں بھی عبادت گزار ہے جس کو کہے یوں ہو جاؤ یا اس طرح بن۔ فوراً وہ اسی طرح ہو جاتی اور بن جاتی ہے۔ اس طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے کفار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مطیع ہیں ہر موجود کے سائے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں، قرآن نے اور جگہ فرمایا آیت (وللہ یسجد) الخ آسمان و زمین کی کل چیزیں خوشی ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں ان کے سائے صبح شام جھکتے رہتے ہیں۔ پھر فرمایا وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے ہر چیز اس کی اطاعت گزاری کا اقرار کرتی ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا، بنانے والا، موجود کرنے والا، بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا، ایک وہی رب العلمین ہے اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے خود مسیح (علیہ السلام) بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے

والے ہیں جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا اس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھی بے باپ پیدا کر دیا پھر کوئی وجہ نہیں کہ انہیں تم خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا مان لو پھر فرمایا اس اللہ کی قدرت سلطنت سطوت وشوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہیے اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح کی اور ایسی ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ [1]

لفظ بدیع اور بدعت کا مفہوم:

اسی مفہوم میں لفظ بدعت ہے یعنی دین میں ایسا طریقہ ایجاد کرنا جس کی کوئی مثال یا اصل قرآن وسنت میں موجود نہ ہو، حدیث نبوی ہے (دین میں) نئے امور سے بچو کہ ہر نیا کام بدعت اور گمراہی ہے (نسائی)۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کی یوں تشریح کی، یعنی ہر وہ چیز جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے موافق نہ ہو۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝١١٨ ﴾

اور کہا ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے انہی

---

[1] تفسیر ابن کثیر

جیسی بات، ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے، بیشک ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو یقین کرتے ہیں۔

شان نزول

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے سعید اور عکرمہؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رافع بن خزیمہ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ، جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہیے کہ وہ ہم سے بات کرے تاکہ ہم اس کی گفتگو کو سنیں اس پر یہ آیت اتری ہوئی (آیت) "وقال الذین لایعلمون (لخ)۔ [1]

رافع بن حریملہ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں، اس پر یہ آیت اتری مجاہدؒ کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی، ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ یہی بات ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا ان سے مراد یہود و نصاریٰ

1۔ تفسیر ابن عباس

ہیں، قرآن کریم میں اور جگہ ہے آیت (وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۘ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ) 6۔الانعام:124) ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو نہیں مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا اور جگہ فرمایا آیت (وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا) 17۔الاسرآء:90) یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے ان زمینوں میں چشمے جاری نہیں کردیں اور جگہ فرمایا آیت (وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا) 25۔الفرقان:21) یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا وغیرہ وغیرہ آیتیں جو صاف بتاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے صرف تکبر وعناد کی بنا پر ایسی چیزیں طلب کیں۔اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا، ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی بے معنی سوالات کئے تھے ارشاد ہوتا ہے آیت (يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ) 4۔النسآء:153) اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور حضرت موسیٰ ؑ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھا اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں پھر فرمایا ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہوگئے یعنی ان مشرکین کے دل سابقہ کفار جیسے ہوگے اور جگہ فرمایا ہے کہ پہلے گزرنے والوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا انہوں نے بھی

ان ہی باتوں کو دہرایا تھا۔ پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لیے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کردیں ہیں جن سے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق عیاں ہے کسی اور چیز کی وضاحت باقی نہیں رہی یہی نشانیاں ایمان لانے کے لیے کافی ہیں ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہوا نہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے فرمایا آیت (اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ) 10۔ یونس:96) جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہوچکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیتیں آجائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ (۱)

فائدہ: یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب تھے ان میں اہل علم بھی تھے اس کے باوجود جو ان کو اللہ تعالیٰ نے جاہل فرمایا تو اس لیے کہ باوجودیکہ قطعی اور قوی دلائل کثرت سے قائم کردیئے گئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جا رہے تھے تو جہالت نہیں تو اور کیا تھا اور یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جاہل فرمایا۔ (۲)

﴿ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ۝١١٩ ﴾

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ تفسیر معارف القرآن

"انا ارسلنک بالحق"۔۔الخ خاتمہ کلام ورسالت خاتم الانبیاء:۔یہاں تک بنی اسرائیل کے امراض اور قباحتوں کا ذکر تھا اب آگے آپ کی تسلی اور رسالت کا ذکر ہے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا:"الحق" سے مراد قرآن کریم ہے۔ (۱)

یعنی آپ کا کام حق پہنچاتے ہوئے خوشخبری دینا اور ڈرانا ہے۔آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ مسلمان کیوں نہیں ہوئے، ارشاد فرمایا:(فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۔ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ) [الغاشیۃ:۲۱،۲۲] "پس تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں ہے۔"اور فرمایا:(نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ)[ق:۴۵] "ہم اسے زیادہ جاننے والے ہیں جو یہ کہتے ہیں اور تو ان پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں، سو قرآن کے ساتھ اس شخص کو نصیحت کر جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے۔"

عطاء بن یسار ؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ نے فرمایا، یہ آیت جو قرآن میں ہے:(إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا)[الفتح:۸] "بیشک ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے" تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی یہی فرمایا ہے:"اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اوران پڑھوں (عربوں) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔آپ نہ بدخو ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے۔(آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے

۱۔(مظہری:ص:۱۲۰:ج:۱:مدارک:ص:۸۴:ج:۱:بحر محیط:ص:۳۶۷:ج:۱)

فرمایا) وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے، بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے اور اللہ ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک وہ کج قوم (عرب) کو سیدھا نہ کر لیں، یعنی جب تک وہ ان سے "لا الٰہ الا اللہ" کا اقرار نہ کرا لیں، پس اس کلمہ توحید کے ذریعے وہ اندھی آنکھوں کو، بہرے کانوں کو، پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صفا پہاڑی پر چڑھے اور پکارا: "یا صباحاہ!" (لوگو، دوڑو!) اس آواز پر قریش جمع ہو گئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمھاری کیا رائے ہے، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ دشمن صبح کے وقت یا شام کے وقت تم پر حملہ کرنے والا ہے، تو کیا تم میری بات کی تصدیق نہیں کرو گے؟" انھوں نے کہا کہ ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا: "پھر میں تم کو سخت ترین عذاب (دوزخ) سے ڈرانے والا ہوں۔" ابولہب (مردود) بولا، تو ہلاک ہو جائے، کیا تو نے اسی لیے ہمیں بلایا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت (تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ) نازل فرمائی۔ (۲)

﴿ وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (إنا أرسلناک شاہدا۔۔۔الخ): ٤٨٣٨]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (إن هو إلا نذیر لکم۔۔۔الخ): ٤٨٠١۔ مسلم کتاب الإیمان، باب قولہ تعالیٰ (وأنذر عشیرتک الأقربین): ٢٠٨/٣٥٥]

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاری یہاں تک کہ آپ انکے دین کا اتباع کرلیں۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو نہ ہوگا آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

شان نزول

یہ آیت ثعلبیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودی اور نجران کے نصاری اس بات کی امید میں تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں، جب اللہ تعالیٰ نے قبلہ بیت اللہ کو بنا دیا تو وہ اس بات سے مایوس ہو گئے کہ ان کے دین کی موافقت کی جائے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ یہ حکم نازل فرمایا کہ یہود اور نصاری آپ سے ہرگز راضی نہیں ہونگے۔ [1]

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے

آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا کے پیچھے لگ جا تو نے انہیں دعوت رسالت پہنچا دیں۔ دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس پر جم جا۔ حدیث شریف میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دھمکایا کہ ہرگز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کے لیے اپنے دین میں سست نہ ہونا ان کی طرف نہ جھکنا ان کی نہ ماننا فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں اس لیے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے آیت (لکم دینکم ولی دین) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کفر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول منقول ہے اور دوسری روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے واللہ اعلم۔ [1]

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ (اور ہرگز نہ خوش ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی تاوقتیکہ نہ اختیار کرلیں آپ ان کا دین) ملت وہ طریقہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے اپنے انبیاء کی زبانی مقرر فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اہل کتاب نے جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے صلح کی درخواست کی تھی اور یہ طمع دلاتے تھے کہ اگر آپ ہمیں مہلت دیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ثعلبی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضور اہل کتاب کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے تو مدینہ کے

1۔ تفسیر ابن کثیر

یہود اور نجران کے نصاریٰ اس بات کی امید میں تھے کہ آپ ہم میں آملیں گے جب کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا تو نا امید ہو گئے اور اس کے بعد آیت لَنۡ تَرۡضٰى نازل ہوئی اور اس آیت میں جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اہل کتاب کے اسلام لانے سے نہایت نا امیدی دلائی گئی کہ ان کا تو یہ ارادہ ہو رہا ہے کہ آپ ان کے دین کا اتباع کریں پھر یہ آپ کا کیسے اتباع کر لیں گے اور شاید ایسا ہوا ہو کہ اہل کتاب نے اس مضمون کو کہا ہو۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کا جواب آیت کریمہ: قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ ارشاد فرمایا۔

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى (کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے یعنی اللہ کی ہدایت یعنی اسلام ہی حق ہے جس کی طرف یہ کفار بلاتے ہیں وہ حق نہیں۔

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ (اور اگر آپ چلے ان کی خواہشوں پر اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم) من العلم علم سے مراد یا تو وحی ہے اور یا دین ہے جس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا۔

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ (تو آپ کے لیے نہ کوئی حمایتی ہے کہ اللہ سے بچا لے نہ کوئی مددگار) یعنی کوئی مددگار نہ ہوگا جو اللہ کے عذاب کو دور کر دے۔ [1]

﴿اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ع﴾

---

[1] تفسیر مظہری

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اسے پڑھنے کا حق ہے وہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اور جو کوئی اس سے کفر اختیار کرے گا تو یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں یا مسلمان' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیات میں بھی اہل کتاب کا ذکر ہے اور پہلے اہل کتاب میں ان لوگوں کی مذمت کی تھی جنہوں نے تورات میں تحریف کی اور کج بحثی اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا' اور اب ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے تحریف نہیں کی' تورات میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نشانیاں پڑھ کر آپ پر ایمان لے آئے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ اور تورات کی تلاوت کرنا جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بغیر تحریف کے پڑھنا' یا اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کرنا' دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے' اس آیت میں کتاب کی تلاوت کرنے کی تعریف کی ہے اور اس پر برانگیختہ کیا ہے اور یہ صفت صرف قرآن مجید کی ہے تورات اور انجیل کی نہیں ہے' کیونکہ ان کی تلاوت اب جائز نہیں ہے' حافظ الہیثمی ؒ نے امام بزار کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے تورات پڑھ رہے تھے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اگر اب موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لیے

میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ (۱)

حق تلاوت سے کیا مراد ہے

پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں، قتادہؒ کہتے ہیں اس سے مراد یہود نصاریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حلال وحرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ رکھنا تغیر وتبدل نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے حسن بصریؒ فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا متشابہ آیتوں پر ایمان لانا مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے ابن عباسؓ سے اس کا مطلب حق اتباع بجا لانا بھی مروی ہے پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے آیت (وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا) 91۔الشمس:2) میں ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے، حضرت عمرؓ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔ پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کی سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں وہ قرآن پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ آیت (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا

۱۔(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۷٤ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱٤۰۲ھ)

التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ)5۔المائدہ:66)اگر یہ تورات، انجیل پر اور اللہ کی ان کی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا اور فرمایا اے اہل کتاب جب تک تم تورات وانجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس کو قائم نہ کرلو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو ان کا قائم کرنا مستلزم ہے کہ تم اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکر کی صفات آپ کی تابعداری کا حکم آپ کی اتباع کی رغبت سب کچھ موجود ہے اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امی کی تابعداری کرتے ہیں جس رسول کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب تورات وانجیل میں بھی لکھا دیکھتے ہیں اور جگہ فرمایا آیت (اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا) 17۔الاسراء:107) یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے اگلی کتاب دی ہے وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہیں منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے اگلی کتاب دی ہے وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کرکے کہتے ہیں ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دوسروں کو دیتے ہیں اور جگہ ارشاد ہے آیت (وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ

ءَاَسۡلَمۡتُمۡ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا)3۔آل عمران:20) یعنی پڑھے لکھے اور بے پڑھے لوگوں سے کہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں تو راہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر صرف تبلیغ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے اسی لیے یہاں فرمایا کہ ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں، جیسے فرمایا آیت (وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ)11۔ ہود:17) جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے صحیح حدیث میں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں جائے گا۔ (۱)

﴿ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو بخشیں اور یہ کہ بلاشبہ میں نے ہی تمہیں جہانوں پر فضیلت بخشی۔

پہلے بھی اس جیسی آیت شروع سورت میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے یہاں صرف تاکید کے طور پر ذکر کیا گیا اور انہیں نبی امی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے

۱۔ تفسیر ابن کثیر

ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کا کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچا زاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی ان میں جس خاتم الانبیاء کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١٢٣﴾﴾

اور ڈرو اس دن سے کہ جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی کام نہ آسکے گی، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔

یعنی اے بنی اسرائیل میں نے تمہیں انبیاء کرام اور کتب سماویہ کے ذریعے راہ حق دکھا کر تمام جہانوں پر فضیلت دی، اگر تم اس فضیلت سے محروم نہیں ہونا چاہتے ہو تو اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن پکڑلو ورنہ اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی (کافر) جان کے کچھ کام نہ آسکے گی، اور نہ ہی اس کافر جان کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کر کے اسے چھوڑا جائے گا اور نہ ہی اسے کوئی شفاعت بچا سکے گی اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کو وہاں تیار ہوگا۔

پیچھے اسی مفہوم والی آیت 48 میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہ آیت یہود جیسے کفار کے لیے ہے ایسے کافروں کی

شفاعت کرنے والا کوئی نہ ہوگا رہے مومنین تو ان کی شفاعت خود سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک سے شروع ہوگی اس کے بعد انبیاء، اولیا، شہداء، دیگر مقبولان خدا شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی۔

﴿ وَإِذِ ابْتَلَىٰٓ إِبْرٰهِمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّى جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِى ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾ ﴾

یاد کرو کہ جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب آزمائشوں میں پورے اترے تو اللہ نے کہا! میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا اور میری نسل سے بھی؟ ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچتا۔

ان امتحانات اور آزمائش کا تعلق عملی اور ایمانی زندگی سے تھا۔ پہلا امتحان:۔ جب آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو پوری قوم کو بت پرستی میں مبتلا پایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توحید کا راستہ اختیار کیا۔

دوسرا امتحان:۔ آپ نے بت پرستی کے باطل نظریہ پر کھل کر تنقید شروع کی اور ساری قوم کو سمجھانے کی

کوشش کی مگر قوم نے ایکنی مانی بلکہ آپ کی پوری قوم دشمن بن گئی تیسرا امتحان :۔ ارباب اقتدار کے ساتھ ٹکراؤ کی صورت میں نمرود کو آپ کی بت شکنی کا علم ہوا اس نے اپنے دربار میں بلایا جب نمرود بحث مباحثہ میں ناکام ہوا تو اس نے اور اس کے حواریوں نے آپ کے لیے خطرناک آگ جلا کر اس میں پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو آپ کے لیے سلامتی والا بنا دیا۔

چوتھا امتحان :۔ ترک وطن کی صورت میں آپ اپنی بیوی سارہ اور حضرت لوط (علیہ السلام) کے ساتھ اپنے آبائی وطن عراق چھوڑ کر بالاخر مصر چلے گئے۔ پانچواں امتحان :۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور حضرت ہاجرہ کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا جہاں آبادی کا نام ونشان بھی نہیں تھا جہاں آج کعبۃ اللہ ہے۔ چھٹا امتحان :۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی قربانی کا ہے جو طویل دعاؤں اور تمناؤں کے بعد ملا تھا۔

(آیت) ” قال انی جاعلک “۔ الخ نتیجہ کامیابی :۔ فرمایا میں اس کے صلہ میں تمام لوگوں کا تجھے امام اور پیشوا بناؤں گا۔

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی ان کے متعلق متعدد اقوال ہیں‘ ایک قول یہ ہے:

عکرمہ ؓ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی تیس کلمات سے آزمائش کی گئی جن میں سے دس کا ذکر سورہ توبہ میں‘ دس کا ذکر سورہ احزاب میں اور دس کا ذکر سورہ مومنون میں ہے‘ سورہ توبہ میں جن دس کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

(آیت) "التائبون العبدون الحمدون السآئحون الرکعون السجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحفظون لحدود اللہ و بشر المومنین"۔ (التوبہ:۱۱۲)

ترجمہ: توبہ کرنے والوں، عبادت کرنے والوں، حمد کرنے والوں، روزہ رکھنے والوں، رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں، نیکی کا حکم دینے والوں، برائی سے روکنے والوں، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والوں اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

سورہ احزاب میں ان دس کلمات کا ذکر ہے:

(آیت) "ان المسلمین والمسلمت والمومنین والمؤمنت والقنتین والقنتت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت والصآئمین والصئمت والحفظین فروجھم والحفظت والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما"۔ (الاحزاب:۳۵)

ترجمہ: بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچے مرد اور سچ عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور سورہ مومنون میں جن دس کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

(آیت) "قد افلح المؤمنون۔ الذین ھم فی صلاتھم خشعون۔ والذین ھم عن اللغو معرضون۔ والذین ھم

للذکوۃ فاعلون۔ والذین ھم لفروجھم حفظون۔ الا علی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ فمن ابتغی ورآء ذلک فاولئک ھم العدون۔ والذین ھم لامنتھم وعھدھم رعون۔ والذین ھم علی صلوتھم یحافظون۔ (المؤمنون:۹۔۱)

ترجمہ: بیشک ایمان والے کامیاب ہوئے۔ جو اپنی نماز خشوع سے پڑھتے ہیں۔ اور جو زکوۃ دیتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ماسوا اپنی بیویوں اور باندیوں کے‘ بیشک اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو اس کے سوا کسی اور کو طلب کرے تو وہی لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نماز کی (قضا ہونے سے) حفاظت کرتے ہیں۔

اور طاؤسؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دس کلمات سے آزمائش کی گئی‘ پانچ کا تعلق سر کی طہارت سے اور پانچ کا تعلق باقی جسم کی طہارت سے ہے‘ وہ دس کلمات یہ ہیں:

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں (سنت ہیں): مونچھیں کم کرنا‘ ڈاڑھی بڑھانا ‘مسواک کرنا‘ ناک میں پانی ڈالنا‘ ناخن تراشنا‘ انگلیوں کے جوڑ دھونا‘ بغل کے بال نوچنا‘ زیر ناف بالوں کو مونڈنا‘ استنجاء کرنا‘ راوی نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا البتہ وہ کلی کرنا ہے۔[۱]

اور حنشؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ان کلمات کی تفسیر میں جسمانی طہارت کے علاوہ مناسک حج کا بھی

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۷۵ھ)

ذکر کیا ہے اور ان میں طواف، سعی، رمی جمار اور وقوف عرفات کا ذکر کیا ہے۔ (1)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اپنی امت کی خوشخبری سن کر اپنی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کرتے تھے جو قبول تو کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر کردی جاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ ان کی اقتدار اور پیروی کی جائے گی سورہ عنکبوت کی آیت میں اس مطلب کو واضح کردیا گیا ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی وہاں ہے آیت (وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا) 29۔العنکبوت:27) یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے انبیاء اور رسول آئے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب آپ ہی کی اولاد میں ہوئی دعا (صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین) یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گی، ظالم سے مرد بعض نے مشرک بھی لی ہے عہد سے مراد امر ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہیے گو وہ اولاد ابراہیمؑ میں سے ہو، حضرت خلیلؑ کی دعا ان کی نیک اولاد کے حق میں قبول ہوئی ہے یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ظالم سے کوئی عہد نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کا عہد توڑ دیا جائے پورا نہ کیا جائے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ دینے کا عہد نہیں کیا دنیا میں تو کھا پی رہا ہے اور عیش وعشرت کر رہا ہے۔ بس یہی ہے عہد سے مراد دین بھی ہے یعنی تیری کل اولاد دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے آیت (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ) 37۔الصافات:113) یعنی ان کی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی اطاعت کے معنی بھی

1۔ (جامع البیان ج1 ص415۔414 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت 1409ھ)

کئے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہی ہوگی اور عہد کے معنی نبوت کے بھی آئے ہیں ابن خویز منداذ مالکیؒ فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مفتی نہ گواہ نہ راوی۔ (۱)

﴿ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ ﴾

اور یاد کرو! جب کہ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو ذمہ دار بنایا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

مثابۃ" کا معنی ہے: لوٹنے کی جگہ کیونکہ جو شخص بھی بیت اللہ سے واپس جاتا ہے وہ سیر نہیں ہوتا اور پھر دوبارہ وہاں جاتا ہے یا جانا چاہتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی ہو: اجر و ثواب کی جگہ' کیونکہ عبادت پر جس قدر اجر و ثواب یہاں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملتا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر

"امنا" کا معنی ہے: امن کی جگہ، ہر چند کہ یہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے۔

شان نزول

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا: میں نے اپنے رب کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں! تو یہ آیت نازل ہوگئی: (آیت) "واتخذوا من مقام ابرھم مصلی"۔ (البقرہ: ۱۲۵) اور آیت حجاب میں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ اپنی ازواج کو یہ حکم دیں کہ وہ حجاب میں رہیں کیونکہ ان سے نیک اور بد (ہر قسم کا شخص) کلام کرتا ہے تو آیت حجاب نازل ہوگئی، اور جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج غیرت میں مجتمع ہوگئیں تو میں نے کہا: اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب تمہارے بدلہ میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے تو یہ آیت نازل ہوگئی: (آیت) "عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن" الایہ (التحریم: ۵)

نیز امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیت اللہ کے ساتھ طواف کئے، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھی، اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ [۱]

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

مقام ابراہیم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں' عکرمہ اور عطاءؒ نے کہا: پورا حج مقام ابراہیم ہے' شعبیؒ نے کہا: عرفہ' مزدلفہ اور جمار مقام ابراہیم ہیں' نخعیؒ نے کہا: پورا حرم مقام ابراہیم ہے' اور سب سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ پتھر جس کو اب لوگ مقام ابراہیم کے عنوان سے پہچانتے ہیں اور جس کے پاس طواف کی دو رکعت پڑھتے ہیں' وہ مقام ابراہیم ہے' اور یہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب بیت اللہ کو دیکھا تو حجر اسود کی تعظیم دی' اور پہلے تین طوافوں میں رمل کیا اور اس کے بعد چار طواف معمول کے مطابق چل کر کیے' پھر مقام ابراہیم کی طرف گئے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں' اور امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو اس وقت بلند کر دیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ان پتھروں کے اٹھانے سے ضعف لاحق ہوا جو ان کو حضرت اسماعیل لا کر دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے' حضرت انسؓ نے کہا: میں نے "مقام" میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی انگلیوں' ایڑیوں اور تلووں کے نشان ثبت دیکھے۔ سدیؒ نے بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو حضرت اسماعیلؑ کی زوجہ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا سر دھوتے وقت ان کے قدموں کے نیچے رکھا تھا۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے' جب کعبہ کی عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو لائے اور اس کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام)

۱۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۱۳۔۱۱۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ۱۳۸۷ھ)

کے لیے رکھا' حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اس پتھر پر کھڑے ہو کر بنانے لگے اور حضرت اسماعیلؑ ان کو پتھر لا کر دے رہے تھے۔ (۱)

حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

امام رازی شافعیؒ لکھتے ہیں:

حرم میں حد جاری کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عاصم بن ثابت بن افلح اور حضرت خبیبؓ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ قادر ہوں تو ابوسفیان کو مکہ میں اس کے گھر میں قتل کر دیں اور اس وقت مکہ حرم تھا' اور قرآن مجید میں جو ہے: یہ امن کی جگہ ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جنگ نہیں کی جائے گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قحط اور آفات سے امن کی جگہ بنا دیا ہے۔ (۲)

علامہ ابن جوزی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے کسی اور جگہ جرم کیا ہو' پھر وہ حرم میں آ کر پناہ لے لے' تو وہ مامون ہے لیکن اہل مکہ کو چاہیے کہ وہ اس کو کوئی چیز فروخت کریں نہ کھلائیں نہ پلائیں اور نہ اس کو پناہ دیں نہ اس سے کلام کریں حتیٰ کہ وہ حرم کی حدود سے نکل جائے اور جب وہ حرم کی حدود سے باہر آ جائے تو اس پر حد جاری کر دیں۔ امن کی جگہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے جیسے فرمایا: "ھدیا بالغ الکعبۃ" قربانی جو کعبہ کو پہنچنے والی ہے۔" یہاں بھی کعبہ سے مراد پورا

۱۔ الحدیث) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) امام رازی نے سدی کی روایت کو ترجیح دی ہے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۷۳) لیکن صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت کو ترجیح ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کا مقام کس قدر بلند ہے اور آثار انبیاء سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

۲۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حرم ہے کیونکہ کعبہ اور مسجد حرام میں جانور کو ذبح نہیں کیا جاتا۔[1]

علامہ آلوسی حنفیؒ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرم میں کسی شخص سے قصاص لیا جائے گا نہ کسی پر حد جاری کی جائے گی' اگر کسی مجرم نے حرم میں آ کر پناہ لے لی تو اس پر کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور اس سے کوئی معاملہ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر آ جائے اور جب وہ باہر آ جائے گا تو اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔[2]

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ آیت ہے:

(آیت) "ومن دخلہ کان امنا"۔ (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: اور جو حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہے۔

علامہ قرطبی مالکیؒ نے جو کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' اس پر انہوں نے کوئی دلیل قائم نہیں کی' اور امام رازی شافعیؒ نے جو لکھا ہے کہ حضرت عاصم اور حضرت خبیبؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ میں جا کر ابوسفیان کو قتل کر دیں یہ بر تقدیر صحت روایت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خصوصیت پر محمول ہے' نیز امام رازی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگ نہیں کی جائے گی یا یہ شہر قدرتی آفات سے مامون ہے یہ تاویلات اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتیں: جو حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہے' ظاہر قرآن میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی تائید ہے۔

عہد جو مترادف حکم ہے

۱۔ (زاد المسیر ج۱ ص۱٤۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱٤۰۷ھ)

۲۔ (روح المعانی ج۱ ص۳۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

یہاں عہد سے مراد وہ حکم ہے جس میں کہا گیا ہے گندی اور نجس اور بری چیزوں سے پاک رکھنا عہد کا تعدیہ الی سے ہو تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہ دیا کہ پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بتوں سے بچانا غیر اللہ کی عبادت نہ ہونے دینا لغو کاموں فضول بکواس جھوٹی باتوں شرک وکفر، ہنسی اور مذاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی اسی میں شامل ہے طائف کے ایک معنی طواف کرنے والوں کے ہیں دوسرے معنی باہر سے آنے والوں کے ہیں اس تقدیر پر عاکفین کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہیے کہ لوگوں کو بیت اللہ شریف میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کوئی کسی وقت جنبی ہو جائے ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہیے۔ ابن عمرؓ انہیں بھی عاکفین کہتے تھے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سویا کرتے تھے وہ جوان اور کنوارے تھے۔ رکع السجود سے مراد نمازی ہیں پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی دوسرے اس لیے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں خلوص کی بات رکھیں دوسری جگہ ارشاد ہے آیت (واذ بوانا) الخ اس آیت میں بھی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف؟ امام مالک فرماتے ہیں باہر والوں کے لیے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لیے نماز افضل ہے اس کی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں، مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنا اور خالص اللہ کی عبادت کرنے والوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح بے انصافی ہے اور اسی لیے قرآن میں فرمایا کہ ایسے ظالموں کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے مشرکین کی اس کھلی تردید

کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی تردید بھی اس آیت میں ہوگئی کہ اگر وہ ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما کی افضلیت، بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھرانے کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جب وہ اسکے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت اللہ کے لیے بنایا گیا ہے حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لیے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر ان نبیوں کی تابعداری کے دعوے کے باوجود کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں؟ کیوں بیت اللہ شریف میں حاضری نہیں دیتے؟ بلکہ خود موسیٰ (علیہ السلام) نے اس گھر کا حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں؟ کیوں بیت اللہ شریف میں حاضری نہیں دیتے؟ بلکہ خود موسیٰ (علیہ السلام) نے اس گھر کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ آیہ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مسجدوں کو بھی پاک صاف رکھنا چاہیے اور جگہ قرآن میں ہے آیت (فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ)24۔النور:36) اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے ان میں صبح شام اس کی تسبیح اس کے نیک بندے کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مسجدیں اسی کام کے لیے ہیں اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مسجدوں کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے امام ابن کثیرؒ نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سنداً غریب ہے بعض کہتے ہیں آدم (علیہ السلام) نے سب سے پہلے بنایا تھا حرا، طور سینا، طور زیتا، جبل لبنان اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سنداً غریب ہے بعض کہتے ہیں شیث (علیہ السلام) نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرام بنایا اور فرمایا میں مدینہ منورہ

کوحرام قرار دیتا ہوں۔اس میں شکار نہ کھیلا جائے یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے لے کر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ہمارے ناپ تول میں بھی برکت دے۔اے اللہ ابراہیمؑ تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے میں بھی تیرا بندہ تیرا رسول ہیں انہوں نے مجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی میں تجھ سے مدینہ (منورہ) کے لیے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے کی تھی آپ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے۔انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مرتبہ ابوطلحہؓ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو ہماری خدمت کے لیے لے آؤ ابوطلحہؓ مجھے لے کر حاضر ہوئے میں اب سفر وحضر میں حاضر خدمت رہنے لگا۔ایک مرتبہ آپ باہر سے آرہے تھے جب احد پہاڑ پر نظر پڑی تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ میں اس کے دونوں کنارے کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے اور روایت میں ہے یا اللہ جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں اسی مضمون کی حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے اور بھی بہت سی ہیں۔یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ شریف کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے،بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور امن ہے بعض کہتے ہیں

خلیل اللہ کے زمانہ سے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ والے دن فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا ہی رہے گا اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں میرے لیے بھی آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لیے حلال تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے سنو اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اس کا شکار نہ بھگایا جائے اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے جو پہنچوائی جائے اس کے لیے اٹھانا جائز ہے اسکی گھاس نہ کاٹی جائے دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپ نے اثنائے خطبہ میں بیان فرمائی تھی اور حضرت عباس ؓ کے سوال پر آپ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔ حضرت ابن شریح عدوی ؓ نے عمر بن سعید ؓ سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس وقت دیکھا آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ مکہ کو رب ذوالجلال نے حرام کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا، کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں۔ اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہ دینا کہ میرے لیے صرف آج ہی کے دن کی ایسی ساعت یہاں جہاد حلال تھا۔ پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے لیکن عمر ؓ نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دے دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا (بخاری مسلم) ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہ سمجھے تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل

اللہ نے کی جس طرح آنحضرت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو اس وقت سے تھے جب کہ حضرت آدمؑ کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم الانبیاء لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیمؑ نے آپ کی نبوت کی دعا کی کہ آیت (رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ) 2۔البقرة :129) ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو اللہ نے پوری کی اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و باہر ہوئی۔ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی ابتدا نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپ نے فرمایا میرے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ بن مریمؑ کی بشارت اور میری ماہ کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

﴿ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۲۶﴾ ﴾

اور جب کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا، اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص کفر اختیار کرے گا سو میں

اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ (مگر) پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور مکہ معظّمہ کو امن والا شہر بنا دیا۔ اب حرم کی حدود میں کسی کا خون بہانا، اس کے درختوں کو کاٹنا، شکار کو بھگانا وغیرہ جائز نہیں، اور رزق کی وہ فراوانی فرمائی کہ مکہ میں کھیتی باڑی نہ ہونے کے باوجود وہاں سارا سال دنیا بھر کے تازہ پھل اور ہر قسم کا غلہ اتنی فراوانی سے ملتا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کی قبولیت ہر شخص کو آنکھوں سے نظر آتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا : ارشاد فرمایا: (وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ)[ابراہیم:٣٥] "اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔"

سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ابراہیم (علیہ السلام) نے بیت اللہ کو حرم اور امن والا قرار دیا تھا اور میں مدینہ اور اس کے دونوں کناروں کے مابین کے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں، لہٰذا یہاں کا شکار نہ مارا جائے اور اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔"[١]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا تھا: "اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک یہ شہر حرمت والا

١۔ [السنن الکبریٰ للنسائی:٢/٤٨٧،ح:٤٢٨٤]

ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ و قتال حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی صرف ایک دن کے کچھ حصے میں اسے حلال قرار دیا گیا تھا اور اب اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے یہ روز قیامت تک حرمت والا ہے۔ لہٰذا اس کے کانٹے کو نہ کاٹا جائے، اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اس کے لقطہ (یعنی گری ہوئی چیز) کو صرف وہی شخص اٹھائے جو لقطہ کا اعلان کرائے، اسی طرح اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے۔" سیدنا عباس ؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اِذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دے دیجیے، کیونکہ یہ گھروں میں اور لوہاروں کی بھٹیوں میں استعمال ہوتی ہے، تو آپ نے فرمایا: "ہاں! اذخر نامی گھاس اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔" [1]

ابو شریح عدوی ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید (والیٔ مدینہ) سے اس وقت کہا جب وہ (عبداللہ بن زبیر ؓ کے خلاف) مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر محترم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ ارشاد بیان کروں جسے آپ نے فتح مکہ کے دن صبح کے وقت ارشاد فرمایا تھا، جو خود میرے کانوں نے سنا، جسے میرے دل نے یاد رکھا اور جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا تو میری آنکھوں نے آپ کا دیدار کیا تھا، آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا تھا: "مکہ کو (یہاں رہنے والے) لوگوں نے نہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، چنانچہ کسی بھی ایسے شخص کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور روز آخرت پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ یہاں خون بہائے، یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے، اگر کوئی شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جہاد و قتال سے استدلال کرے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خصوصی اجازت عطا فرمائی تھی، جبکہ تمہیں اس کی اجازت

۱۔ [بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب إثم الغادر للبر والفاجر: ۳۱۸۹۔ مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا۔۔۔ الخ: ۱۳۵۳]

نہیں بخشی اور میرے لیے بھی صرف آج کے دن صرف کچھ وقت کے لیے یہاں جہاد حلال قرار دیا گیا ہے اور آج پھر حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے، جس طرح کل تھی۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔" ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید نے یہ فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سن کر تمھیں کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا، انھوں نے مجھے یہ جواب دیا، ابو شریح! ان باتوں کا مجھے آپ سے زیادہ علم ہے، میں جانتا ہوں کہ حرم کسی نافرمان کو، کسی قاتل کو اور کسی تخریب کار کو پناہ نہیں دیتا۔ (1)

وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ : ارشاد فرمایا : (اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا) [القصص : ۵۷] "اور کیا ہم نے انھیں ایک باامن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں، ہماری طرف سے روزی کے لیے۔"

وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا : اللہ تعالیٰ نے اس مصلحت سے کہ سب لوگ کافر نہ ہو جائیں، کافروں کے ہر فرد کو بہت زیادہ مال و متاع عطا نہیں فرمایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اتنی حقیر شے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو دنیا میں بہت کچھ دے سکتا تھا، ارشاد فرمایا: (وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ۔ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ۔ وَزُخۡرُفًا وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۔ وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ

1۔ [بخاری، کتاب جزاء الصید، باب لا یعضد شجر الحرم: ۱۸۳۲۔ مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکة وتحریم صیدھا۔۔ الخ: ۱۳۵۴]

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ)[الزخرف: ۳۳ تا ۳٦] ”اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی امت ہو جائیں گے تو یقیناً ہم ان لوگوں کے لیے جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی، جن پر وہ چڑھتے ہیں۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی، جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔ (چاندی کے بنا دیتے) اور سونے کے اور یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کے سامان کے سوا کچھ نہیں اور آخرت تیرے رب کے ہاں متقی لوگوں کے لیے ہے۔ اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔“

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گزر بھیڑ کے ایک چھوٹے کان والے مردہ بچے کے پاس سے ہوا تو آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: ”تم میں سے کون اسے ایک درہم میں خریدنا پسند کرتا ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ ہم تو اسے کسی بھی چیز کے عوض لینا پسند نہیں کرتے، ہم اس کا کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ”کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں (بغیر قیمت ہی کے) مل جائے!“ لوگوں نے کہا، اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ ہوتا تو تب بھی اس میں عیب تھا کہ اس کے کان چھوٹے ہیں اور اب (ہم اسے کیسے لے سکتے ہیں کہ اب) تو یہ ہے بھی مردہ۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! (تو سن لو!) تمہارے نزدیک یہ جتنا حقیر ہے دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔“ [1]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اگر دنیا کی حیثیت

۱۔[مسلم، کتاب الزھد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۵۷]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔۔۔[1]

سیدنا ابوموسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا اور کوئی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کا (شریک ٹھہراتے اور اس کا) بیٹا بناتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ انھیں رزق دیتا اور عافیت سے نوازتا ہے۔“[2]

ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ: یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو تھوڑی مدت تک دنیا میں مہلت دینے کے بعد پھر اپنی سخت گرفت میں لے لیتا ہے، ارشاد فرمایا: (وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذۡتُهَا‌ ۚ وَاِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ) [الحج: ٤٨] ”اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں میں نے مہلت دی، اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

سیدنا ابوموسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے، حتیٰ کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر اسے چھوڑتا نہیں۔“ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ‌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ) [هود: ١٠٢] ”اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔“[3]

---

[1] [ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا علی اللہ عزوجل: ٢٣٢٠]
[2] [بخاری، کتاب الأدب، باب الصبر علی الأذی۔۔الخ: ٦٠٩٩۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب فی الکفار: ٢٨٠٤]
[3] [بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: (وکذلک أخذ ربک۔۔الخ): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟

اس بات کا بیان کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ جیسا کہ جمہور کا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے جیسے کہ فرمایا آیت (وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا) 3۔ آل عمران: 97) اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا اور جگہ ارشاد ہے آیت (اولم یروا الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا لوگ اسکے آس پاس سے اچک لیے جاتے ہیں اور یہاں وہ پر امن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں بھی اوپر گزر چکی ہیں کہ مکہ شریف میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم) آپ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بنا سے پہلے تھی اس لیے کہا کہ اے اللہ اس جگہ کو امن والا شہر بنا، سورہ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے آیت (رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا) 14۔ ابراہیم: 35) شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی۔ جب بیت اللہ شریف تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاقؑ جو حضرت اسماعیلؑ سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے اسی لیے اس دعا کے آخر میں ان کی پیدائش کا شکریہ بھی ادا کیا و من کفر سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بعض نے اسے بھی دعا میں دخل کیا ہے تو اس تقدیر پر یہ مطلب ہو گا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر اس میں بھی حضرات ابراہیمؑ کی خلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی بری اولاد کے بھی مخالف ہیں اور اسے کلام اللہ ماننے کا یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ

امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لیے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرمان ہوں گے تو مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والی نسلوں کو روزی طلب کرتے ہوئے صرف ایماندار اولاد کے لیے کہا۔ ارشاد باری ہوا کہ دنیا کا فائدہ تو کفار کو بھی دیتا ہے جیسے اور جگہ ہے آیت (كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا) 17۔ الاسراء:20) یعنی ہم انہیں اور ان کو بھی فائدہ دیں گے تیرے رب کی بخشش محدود نہیں اور جگہ ہے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا کا کچھ فائدہ گو اٹھا لیں لیکن ہماری طرف آ کر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گی اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے جب یہ ہماری طرف لوٹیں گے تو ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے ہم انہیں یونہی سا فائدہ پہنچا کر سخت غلیظ عذابوں کی طرف بے قرار کریں گے اور جگہ ہے آیت (وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ) 43۔ الزخرف:33) اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھر کے دروازے اور تخت جن پر ٹیک لگائے بیٹھے رہتے اور سونا بھی دیتے لیکن یہ سب دنیوی فوائد ہیں آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے یہاں ڈھیل پا لیں گے لیکن وہاں سخت پکڑ ہو گی۔ جیسے اور جگہ ہے آیت (فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ) 22۔ الحج:45) بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر پکڑ لیا انجام کو تو ہمارے

ہی پاس لوٹنا ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر اسے اچانک پکڑ لیتا ہے۔[1]

اس سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کے لیے امامت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا، اب ابراہیم (علیہ السلام) نے رزق کی دعا ظالموں کو نکال کر صرف ایمان والوں کے لیے کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں دنیاوی رزق کفار کو بھی دوں گا، البتہ آخرت میں ان کے لیے عذاب ہے۔ معلوم ہوا دنیا میں کسی کے پاس رزق کی کثرت اس پر اللہ تعالیٰ کے خوش اور راضی ہونے کی دلیل نہیں۔

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ١٢٧ ﴾

اور یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے انھوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا

۱۔ تفسیر ابن کثیر

:"مسجد حرام۔" پھر پوچھا، اس کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مسجد اقصیٰ۔" کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا، ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "چالیس سال۔"[1]

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ : سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے کمر کے پٹکے کا استعمال سب سے پہلے اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ سے سیکھا تھا اور انھوں نے اسے اس لیے استعمال کیا تھا، تاکہ سارہ [سے اپنے قدموں کے نشانات کو اوجھل رکھ سکیں اور بعد میں ابراہیم (علیہ السلام) انھیں اور ان کے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) کو، جبکہ وہ ابھی شیر خوار ہی تھے، اپنے ساتھ لے آئے اور انھیں بیت اللہ کے پاس دوحہ کے قریب، زمزم کے اوپر، مسجد کی بالائی جانب بٹھا دیا، جبکہ مکہ میں ان دنوں کوئی نہیں تھا اور مکہ میں ان دنوں پانی بھی نہیں تھا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے ان دونوں کو وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم (علیہ السلام) پلٹ کر جانے لگے تو اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیں، انھوں نے دریافت کیا، ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ جس میں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی اور چیز؟ انھوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے کئی بار یہ الفاظ کہے، مگر ابراہیم (علیہ السلام) پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس پر انھوں نے کہا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا، ہاں! یہ سن کر انھوں نے کہا کہ پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ واپس آ گئیں اور ابراہیم (علیہ السلام) چلتے رہے، تا آنکہ آپ گھاٹی کے پاس پہنچ گئے، جہاں سے وہ

۱۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، بابٌ: ۳۳۶۶۔ مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ: ۵۲۰]

انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے، چنانچہ یہاں ابراہیم (علیہ السلام) قبلہ رو ہوئے اور انھوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں کیں: (رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ) [ابراہیم: ۳۷] ”اے ہمارے رب! بیشک میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں آباد کیا ہے، جو کسی کھیتی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ سو کچھ لوگوں کے دل ایسے کر دے کہ ان کی طرف مائل رہیں اور انھیں پھلوں سے رزق عطا کر، تا کہ وہ شکر کریں۔“ اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ نے انھیں دودھ پلانا شروع کر دیا اور خود مشکیزے میں موجود پانی کو پیتی رہیں، حتیٰ کہ مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا۔ اب تو انھیں بھی پیاس لگ رہی تھی اور ان کے بچے کو بھی، جب انھوں نے دیکھا کہ پیاس کی شدت سے بچہ مضطرب ہو رہا ہے تو ان سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہ وہاں سے چل پڑیں، حتیٰ کہ دوڑتے ہوئے قریبی پہاڑ صفا پر چڑھ گئیں اور وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں کہ شاید کسی کو دیکھ سکیں، لیکن انھیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ چنانچہ وہ صفا سے نیچے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں، پھر اپنی چادر کے کونے کو اٹھایا اور مقدور بھر دوڑ کر وادی سے نکل گئیں، پھر مروہ پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا، انھوں نے سات بار اسی طرح کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اسی وجہ سے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔“ اسی طرح دوڑتے دوڑتے جب وہ مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی اور اپنے آپ سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ انھوں نے آواز پر کان لگائے، آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی، تو انھوں نے کہا کہ تم نے آواز تو سنا دی، اگر

تمھارے پاس کچھ ہے تو مدد کرو، تو انھوں نے دیکھا کہ زمزم والی جگہ ایک فرشتہ ہے جس نے اپنی ایڑی یا پیر مارا تو یہاں سے پانی نکل آیا، اب ام اسماعیل نے اپنے ہاتھ سے اس کے اردگرد منڈیر سی بنائی اور مشکیزے کو پانی سے بھرنا شروع کر دیا۔ مشکیزہ بھر جانے کے بعد بھی پانی بڑے جوش سے پھوٹ رہا تھا۔ راویٔ حدیث ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں" یا آپ نے یہ فرمایا: "اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔" آپ نے فرمایا: "پھر انھوں نے خود بھی یہ پانی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔" فرشتے نے ان سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو، یہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے بلند تھا، سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر نکل جاتے۔ انھی حالات میں کداء کے راستے سے آنے والے قبیلہ جرہم کے ایک قافلے کا یہاں سے گزر ہوا، جو مکہ کے زیریں علاقے میں فروکش ہو گیا۔ اہل قافلہ نے جو ایک پرندے کو چکر لگاتے دیکھا تو کہنے لگے کہ ضرور یہ پرندہ پانی پر چکر لگا رہا ہے، حالانکہ صورتحال یہ ہے کہ ہم اس وادی سے خوب واقف ہیں کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ بہر حال انھوں نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا، تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں تو پانی موجود ہے۔ انھوں نے واپس جا کر جب قافلے والوں کو اس کی خبر دی تو وہ سب لوگ یہاں آ گئے، اس وقت ام اسماعیل پانی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے کہا، کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم بھی آپ کے پاس ٹھہر جائیں؟ انھوں نے کہا، جی ہاں! لیکن پانی پر تمھارا قبضہ نہیں ہو گا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اب ام اسماعیل کو پڑوسی مل گئے انسانوں کی موجودگی ان کے لیے دلجمعی کا باعث ہوئی۔" پھر یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے تو انھوں نے خاندان کے باقی افراد کو بھی یہاں بلا لیا، یہاں تک کہ یہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے۔ اسماعیل (علیہ السلام) جوان ہوئے تو آپ نے ان سے عربی زبان سیکھی۔ جوانی کے عالم میں آپ انھیں بہت اچھے لگتے تھے، حتیٰ کہ انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے آپ کی شادی کر دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اسماعیل (علیہ السلام) کی شادی ہو چکی تو ایک دفعہ ابراہیم (علیہ السلام) بھی اپنے اہل وعیال کو دیکھنے کی خاطر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیلؑ گھر پر نہیں تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار وغیرہ لینے گئے ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا، تمھاری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ بہت برا حال ہے، ہم بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، الغرض اس نے شکوہ وشکایت کا دفتر کھول دیا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا، جب تیرا شوہر گھر آئے تو اسے (میرا) سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دیں۔ اسماعیل (علیہ السلام) گھر آئے تو انھوں نے گھر کے ماحول کو کچھ خوش گوار سا پایا اور فرمایا، کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا۔ اس نے کہا، جی ہاں! ایک بوڑھا آیا تھا، جس کا اس طرح کا حلیہ تھا اور اس نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتا دیا، اس نے یہ بھی پوچھا کہ ہماری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ تو میں نے اسے بتایا کہ ہم بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسماعیل (علیہ السلام) نے پوچھا، تب کیا انھوں نے کوئی پیغام بھی دیا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل ڈالیں۔ اسماعیلؑ نے فرمایا

: یہ تو میرے ابا جی تھے اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے علیحدگی اختیار کرلوں، لہٰذا جاؤ اور اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ چنانچہ اسماعیل نے اسے طلاق دے دی اور پھر اسی خاندان کی ایک دوسری خاتون سے شادی کرلی۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیم (علیہ السلام) پھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو اب بھی اسماعیل (علیہ السلام) سے ملاقات نہ ہوسکی، بہرحال انھوں نے اسماعیل (علیہ السلام) کی بیوی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے شکار کرنے گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا، تمہارا کیا حال ہے، گزر بسر کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم خیر و عافیت سے ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا، تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا، گوشت۔ فرمایا، کیا پیتے ہو؟ اس نے جواب دیا، پانی۔ آپ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! ان کے لیے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔" نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان دنوں ان کے پاس دانے نہیں تھے، ورنہ آپ دانوں میں برکت کی دعا بھی فرماتے۔" فرمایا کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کی برکت ہے کہ یہاں صرف گوشت اور پانی پر گزارہ ہو جاتا ہے، ورنہ مکہ کے علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں صرف ان دونوں چیزوں پر گزارہ ہو سکے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا، جب تمہارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز باقی رہنے دو۔ جب اسماعیل (علیہ السلام) گھر آئے تو انھوں نے بیوی سے پوچھا، کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! ایک نہایت خوبصورت شکل وصورت کے بزرگ تشریف لائے تھے، بیوی نے آنے والے بزرگ کی تعریف کی، انھوں نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے انھیں بتا دیا، پھر انھوں نے مجھ سے گزر بسر کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہم خیریت سے ہیں۔ اسماعیل

(علیہ السلام) نے پوچھا، کوئی پیغام تو نہیں دے گئے؟ اس نے جواب دیا، ہاں! وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رکھنا۔ اسماعیل (علیہ السلام) نے یہ سن کر فرمایا، یہ میرے ابا جان تھے اور دہلیز سے مراد تم ہو، وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے اپنے پاس ہی رکھوں۔ کچھ عرصہ گزرا تو ابراہیم (علیہ السلام) ملاقات کے لیے پھر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیل (علیہ السلام) زمزم کے قریب، بڑے درخت کے نیچے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ انھوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا تو فوراً ان کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے پیار و محبت کا وہ طرز عمل اختیار کیا جو باپ اور بیٹا آپس میں کرتے ہیں۔ پھر ابراہیم (علیہ السلام) فرمانے لگے، اسماعیلؑ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل (علیہ السلام) نے جواب دیا، اللہ نے آپ کو جو حکم دیا اس کی تعمیل کیجیے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا، کیا آپ بھی تعاون کریں گے؟ اسماعیل (علیہ السلام) نے جواب دیا، میں ضرور تعاون کروں گا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کروں، تو اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت تعمیر کی۔ اسماعیل (علیہ السلام) پتھر لاتے تھے اور ابراہیم (علیہ السلام) گھر بناتے تھے، حتیٰ کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو اسماعیل (علیہ السلام) نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور ابراہیم (علیہ السلام) اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے۔ اسماعیل (علیہ السلام) بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بیک زبان یہ بھی کہہ رہے تھے: (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) "اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔" فرمایا کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور

اسماعیل (علیہ السلام) بیت اللہ تعمیر کرتے رہے اور اس کے ارد گرد گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے: (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)[البقرة:١٢٧] ”اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“[1]

تعمیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان

اس مسئلہ میں مختلف روایات اور مختلف اقوال ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی' یا حضرت آدم (علیہ السلام) نے کی تھی یا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کی تھی۔ امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! میں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا' فرمایا: اس کی وجہ تمہاری (ظاہری) خطا ہے لیکن تم زمین پر اتر جاؤ اور میرے لیے ایک بیت (گھر) بناؤ پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا' پھر حضرت آدم (علیہ السلام) نے حرا' طور زیتا' طور سینا' جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو جنت سے اتارا تو فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا' جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے

---

[1] ۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: (یزفون) النسلان فی المشی: ٣٣٦٤۔ مصنف عبدالرزاق: ٩١٠٧۔ مسند أحمد: ٣٤٧/١، ٣٤٨، ح: ٣٢٤٩]

میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے' طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھایا گیا انبیاء اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔ (۱)

ان دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ (۲)

دوسری روایت کو علامہ عینی ؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ (۳)

علامہ سہیلی ؒ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے' پہلی بار شیث بن آدم ؑ نے بنایا' دوسری بار ان ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا' تیسری بار ظہور اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا' چوتھی مرتبہ حضرت ابن الزبیر ؓ نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کرلیا جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منشاء تھا' پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو پھر باہر کردیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا اور امام ابن اسحاق ؒ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا تھا۔ (۴)

حافظ ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے یہ سب سے پہلے حضرت آدم (علیہ السلام) نے کعبہ کو بنایا' اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ

۱۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۲۸' مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

۲۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۷۔ ۴۰۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ ھ)

۳۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ ھ)

۴۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷' مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ' ملتان)

بن عمروؓ سے ایک حدیث مرفوع مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے' اور قوی قول یہ ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) نے بنایا' حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ پھر کعبہ منہدم ہو گیا' پھر اس کو عمالقہ نے بنایا' پھر منہدم ہو گیا' پھر اس کو جرھم نے بنایا' پھر منہدم ہو گیا' پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور زہریؒ سے روایت ہے کہ اس وقت آپ بلوغت کے قریب تھے۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ "صحیح بخاری" سے امام زہریؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:۔

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کس نے بنایا' ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا' امام ابن اسحاقؒ نے کہا: اس کو سب سے پہلے حضرت آدم (علیہ السلام) نے بنایا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدمؑ نے بنایا۔ (۲)

علامہ احمد قسطلانیؒ نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ کعبہ کو دس مرتبہ بنایا گیا:

(۱) پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا (۲) دوسری مرتبہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے بنایا (۳) تیسری بار حضرت شیث بن آدمؑ نے بنایا (٤) چوتھی بار حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا (٥) پانچویں بار قوم عمالقہ نے بنایا (٦) چھٹی بار جرھم نے بنایا (٧) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا (٨) آٹھویں بار قریش نے بنایا (٩) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حسب

۱۔(البدایہ والنہایہ ج۱ ص ۱۲۸۔۱۲۷ مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۳۹۳ھ)

۲۔(عمدۃ القاری ج۱٦ ص ۲۸۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳٤۸ھ)

منشا کعبہ کو بنایا' اس میں دو دروازے رکھے' ایک داخل ہونے اور ایک خارج ہونے کا' اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی' قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکے تھے' اور آپ کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم پر بنا دیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ نے نہیں بنایا تھا (۱۰) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنا دیا۔ [۱]

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

جب ہارون رشید کو یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کو اس طرح بنانا چاہتے تھے تو اس نے چاہا کہ کعبہ کو پھر حضرت ابن الزبیرؓ کی بناء کے مطابق بنا دے لیکن امام مالکؒ نے اس کو منع کیا اور فرمایا: میں تم کو قسم دیتا ہوں اب کعبہ کو اس طرح رہنے دو بار بار منہدم کرنے اور بنانے سے اس کی ہیبت اور جلال میں کمی آئے گی۔ اسعد حمیری نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف چڑھایا تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے' اور حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے اس پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔ [۲]

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

۱۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۴۴۔۱۴۳' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۰۲ھ)

۲۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۵' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾

اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنا لے اور ہماری نسل سے بھی ایسی امت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما لے۔ بیشک تو ہی ہم سب کی توبہ قبول کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ یہ دعا بھی اسی معرفت و خشیت کا نتیجہ ہے جو حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کو حاصل تھی کہ اطاعت و فرماں برداری کے بے مثال کارنامے بجا لانے کے بعد بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا لیجئے وجہ یہ ہے کہ جتنی کسی کو حق تعالیٰ کی معرفت بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کا یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ ہم حق وفاداری اور حق فرنبرداری پورا ادا نہیں کر رہے،

وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ اس دعا میں بھی اپنی اولاد کو شریک فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اولاد کی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ان کو اپنی اولاد سے کس قدر محبت ہوتی ہے مگر اس محبت کے صحیح تقاضوں کو پورا کرتے ہیں جہاں تک عوام کی رسائی نہیں عوام تو اولاد کی صرف جسمانی صحت و راحت کو جانتے ہیں ان کی ساری شفقت و راحت اسی کے گرد گھومتی ہے مگر اللہ کے مقبول بندے جسمانی سے زیادہ روحانی اور دنیوی سے زیادہ اخروی راحت کی فکر کرتے ہیں اس لیے دعا فرمائی کہ میری اولاد میں سے ایک جماعت کو پورا فرماں بردار بنا دیجئے اپنی ذریت کے لیے دعا میں ایک حکمت اور بھی ہے کہ تجربہ شاہد ہے کہ جو لوگ قوم میں بڑے مانے جاتے ہیں ان کی اولاد اگر

ان کے راستہ پر قائم رہے تو عوام میں ان کی مقبولیت فطری ہوتی ہے انکی صلاحیت صلاح عوام کا ذریعہ بنتی ہے۔ [۱]

حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کی یہ دعا بھی قبول ہوئی کہ آپ کی ذریت میں ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو دین حق پر قائم اور اللہ کے فرماں بردار بندے تھے جاہلیت عرب میں جبکہ پوری دنیا کو خصوصاً عرب کو شرک و بت پرستی نے گھیر لیا تھا اس وقت اولاد ابراہیم میں ہمیشہ کچھ لوگ عقیدہ توحید و آخرت کے سچے معتقد اور اطاعت شعار رہے ہیں جیسے اہل جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قیس بن ساعدہ تھے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جد امجد عبدالمطلب بن ہاشم کے متعلق بھی یہی روایت ہے کہ وہ شرک و بت پرستی سے بیزار تھے۔ [۲]

اَرِنَا مَنَاسِكَنَا مناسک منسک کی جمع ہے اعمال حج کو بھی مناسک کہا جاتا ہے اور مقامات حج، عرفات منیٰ، مزدلفہ کو بھی، یہاں دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور دعا کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اعمال حج اور مقامات حج پوری طرح سمجھا دیجئے اسی لیے لفظ ارنا استعمال فرمایا جس کے معنی ہیں ہمیں دکھلا دیجئے وہ دیکھنا آنکھوں سے بھی ہو سکتا ہے اور قلب سے بھی چنانچہ مقامات حج کو بذریعہ جبرائیل امین دکھلا کر متعین کر دیا گیا اور احکام حج کی واضح تلقین و تعلیم فرما دی گئی۔ [۳]

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

۱۔ (تفسیر بحر محیط)

۲۔ (تفسیر بحر محیط)

۳۔ تفسیر معارف القرآن

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

اے ہمارے رب! تو ان میں انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

دعائے ابراہیم (علیہ السلام) کا ماحصل

اہل حرم کے لیے یہ دعا بھی ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں" میں اللہ جل شانہ کے نزدیک آخری نبی اس وقت سے ہوں جبکہ آدم ابھی مٹی کی صورت میں تھے" میں تمہیں ابتدائی امر بتاؤں میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا، جس سے شام کے محل چمکا دئے۔"مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئی۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے ہیں کہ بطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہوگا بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا صاف نام بھی لے دیا اور فرمایا لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں

جن کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے،

خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے، اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائے گا بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائے گا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) شرقی سفید مینارہ پر نازل ہونگے۔ بخاری مسلم میں ہے"میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امر اللہ آجائے"صحیح بخاری میں ہے کہ"وہ شام میں ہونگے۔"ابو العالیہؒ سے مروی ہے کہ یہ بھی اسی مقبول دعا کا ایک حصہ ہے کہ اور یہ پیغمبر آخر زمانہ میں مبعوث ہونگے۔"کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت وحدیث ہے حسن اور قتادہؒ اور مقاتل بن حیانؒ اور ابو مالکؒ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی اطاعت واخلاص سیکھنا، بھلائیاں کرانا، برائیوں سے بچانا، اطاعت الٰہی کر کے رضائے رب حاصل کرنا، نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے محفوظ رہنا۔ اللہ عزیز ہے جو ہر چیز پر غالب ہے وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں، وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت وعدل وعلم کے ساتھ رکھتا ہے۔ [۱]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جس رسول کی بعثت کی دعا کی وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جو دعا کی تھی کہ مکہ میں ایک عظیم رسول بھیج دے اس سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں

(۱) تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ تفسیر ابن کثیر

ہیں اور یہ اجماع حجت ہے۔

(۲) امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم (علیہ السلام) اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں تم کو اپنی ابتداء کی خبر دیتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں' اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا' ان سے ایک ایسا نور نکلا تھا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ [۱]

(۳) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے یہ دعا اہل مکہ کے لیے کی ہے اور مکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علاوہ اور کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا۔

آیات کی تلاوت کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو دلائل' آیات اور علامات ہیں ان کو بیان کریں۔

۱۔ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ، مسند احمد ج ٤ ص ۱۲۸۔۱۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) اس حدیث کو امام بزار۔ ۲ (حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار عن الزوائد البزار ج ۳ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت) امام طبرانی۔ ۳ (امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳٦۰ھ' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۵۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) امام ابن حبان۔ ٤ (حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمان عن الزوائد ابن حبان ص ۵۱۲' مطبوعہ دار الکتب العربی' بیروت) امام حاکم۔ ۵ (امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤۰۵' المستدرک ج ۲ ص ٦۰۰' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ) امام ابونعیم۔ ٦ (امام ابونعیم بن عبداللہ اصبہانی متوفی ٤۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ۹۰۔۸۹' مطبوعہ دار الکتب العربی' ۱٤۰۷ھ) امام بیہقی۔ ۷ (امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (رح) متوفی ٤۵۸ھ' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰' مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت) اور امام بغوی۔ ۸ (امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱٦ھ' شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱٤۱۲ھ) نے بھی بیان کیا ہے۔

کتاب کی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کر کے دکھائیں اور جن آیات کی تفصیل کی ضرورت ہے انکی تفصیل کریں اور جن آیات کے شرعی معنی بیان کرنے کی ضرورت ہے انکے شرعی معنی بیان کریں۔

حکمت کا معنی ہے: معرفت الموجودات اور فعل الخیرات' اور یہاں اس سے مراد ہے: قرآن مجید کے ناسخ اور منسوخ اور محکم اور متشابہ کو جاننا یا قرآن مجید کے اسرار اور دقائق کو جاننا' یا حکمت سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں۔

اور اصلاح نفس سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرتے ہیں' ان کے ظاہر اور باطن کو رذائل اور نقائص سے دور کرتے ہیں اور ان کی عبادات میں خلوص' للّٰہیت اور دوام کو اجاگر کرتے ہیں جس سے ان کا دل تجلیات الہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے۔

﴿ وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ‌ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ ﴾

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کر لیا دنیا میں، اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کا تذکرہ کر کے بیت اللہ کا تعلق ان کے ساتھ واضح کیا گیا اور امت مسلمہ کی نشاندہی کی گئی اور ایک رسول کا ذکر آیا جس کے متعلق حضرت

ابراہیم (علیہ السلام) واسماعیل (علیہ السلام) نے دعا کی تھی کہ اس رسول کا مصداق وہی ہوسکتا ہے جو ان دونوں کی اولاد سے ہو اس سے تاریخی طور پر مکہ معظّمہ کا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ تعلق اور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا آپ کی اولاد میں سے ہونا ان چیزوں کی وضاحت ہوگئی اب آگے بتایا جارہا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ طریقہ جو ہے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا ہی ہے اور قیامت تک کے لیے ملت ابراہیمی میں نجات بند ہے اور وہ ملت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ملت ہے۔

ملت ابراہیمی کی اہمیت:

ومن یرغب عن ملۃ ابراہیم: یرغب اس کا صلہ فی آئے تو شوق کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔رغبت فیہ۔ مجھے اس میں رغبت ہے، اور جس وقت اس کا صلہ عن آجائے تو اس میں اعراض والا معنی ہوتا ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے۔ اراغب انت عن الھتی یاابراہیم۔اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے اعراض کرنے والا ہے، اور یہاں بھی رغب کا صلہ عن ہے۔

پہلے تو اس کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے کہ ملت ابراہیمی سے اعراض کرنا کسی احمق کا کام ہی ہوسکتا ہے، عقل مند آدمی ملت ابراہیمی کو چھوڑ نہیں سکتا، یہی ملت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر بھی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو فضیلت دی اور آخرت میں بھی وہ اعلی درجہ والے ہوں گے، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) دنیا میں بھی اللہ کے چنے ہوئے لوگوں میں سے ہیں اور آخرت میں بھی اعلی درجہ کے شائستہ اور لائق لوگوں میں سے ہوں گے تو جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا یہ مقام ہے تو جو ان کا طریقہ ہوگا وہ بھی اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کا ایک ذریعہ ہے اس لیے ملت ابراہیمی میں نجات

ہے اور ملت ابراہیمی کو قبول کرنا یہ عقل مندی ہے اور اس سے اعراض کرنا حماقت ہے۔

(یرغب عن): وہ اعراض کرے گا وہ روگردانی کرے گا، رغب ورغبۃ سے مضارع، رغب اور رغبۃ کے معنی مائل اور متوجہ ہونے ہیں۔ جب ان کے ساتھ عن آجائے تو معنی برعکس ہو جاتے ہیں یعنی اس کے معنی مائل اور متوجہ ہونے کے بجائے اعراض اور روگردانی کے ہو جاتے ہیں۔

(سفہ): وہ بیوقوف ہوا، اس کی سبکی ہوئی، سفہ سے ماضی، جو شخص ونقصان سوچے بغیر اپنی خواہشات کو پورا کرتا ہو اس کو خفیف اور سفیۃ کہتے ہیں، اس کی زد حلیم ہے (اصطفینہ): ہم نے اس کو منتخب کر لیا، ہم نے اس کو برگزیدہ کر لیا، اصطفاء سے ماضی۔

ان آیتوں میں بھی مشرکین کا رد ہے جو اپنے آپ کو دین ابراہیم پر بتاتے تھے حالانکہ وہ کامل مشرک تھے اور حضرت خلیل اللہ تو موحدوں کے امام اور توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے، انہوں نے تو عمر بھر میں ایک لمحہ کے لیے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کیا، وہ تو ہر قسم کے شرک سے بیزار تھے، اسی لیے قوم سے الگ ہوئے، وطن چھوڑا اور باپ تک کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ۔

(آیت) "یا قوم انی بری ء مما تشرکون، انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین"۔

اے میری قوم میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو بیشک میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

جوامور اسلام کے اصول قرار دیئے گئے ہیں ملت ابراہیمی کی اصل ہیں اور ملت ابراہیمی کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو اپنی جان پر ظلم کرے، نادان اور احمق ہو اور گمراہ ہو، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے چن لیا تھا اس لیے ان کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے چن لیا تھا اس لیے ان کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مراتب بلند ہیں، سب موحدین ان کو پیشوا مانتے ہیں، اور ہر جگہ ان کا ذکر خیر ہے، ان کی بزرگی کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے فرماں بردار ہو جاؤ تو انہوں (حضرت ابراہیم (علیہ السلام)) نے فوراً عرض کیا کہ میں دل و جان سے تابعدار ہوں، اے یہود، اے عرب، اور اے نصاریٰ تم کیوں ملت ابراہیمی کا انکار کرتے ہو، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تو خود بھی عمر بھر اسلام پر قائم رہے اور اپنی وفات کے وقت انہوں بھی اور ان کے بعد حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے بھی اپنی موت کے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ تم ہمیشہ اسی دین پر قائم رہنا اور مسلمان ہی ہو کر مرنا۔ [1]

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ ﴾

جب فرمایا ان کے رب نے کہ فرماں بردار ہو جا، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرماں بردار ہو گیا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی جب فرمایا ابراہیم (علیہ السلام) سے

۱۔ (ابن کثیر ۱۸۵۔۱، حقانی ۴۹۵۔۱)

ان کے رب نے کہ اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی اس طرز بیان میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اللہ جل شانہ کے خطاب اسلم کا جواب بظاہر خطاب ہی کے انداز میں یہ ہونا چاہیے کہ اَسۡلَمۡتُ لَكَ یعنی میں نے آپ کی اطاعت اختیار کر لی مگر حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) نے اس طرز خطاب کو چھوڑ کر یوں عرض کیا کہ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی میں نے پروردگار عالم کی اطاعت اختیار کر لی ایک تو اس میں رعایت ادب کے ساتھ اور حق جل وعلا شانہ کی حمد وثناء شامل ہوگئی جس کا مقام تھا دوسری اس کا اظہار ہو گیا کہ میں نے جو اطاعت اختیار کی وہ کسی پر احسان نہیں کیا بلکہ میرے لیے اس کا کرنا ہی ناگزیر تھا کیونکہ وہ رب العلمین یعنی سارے جہان کا پروردگار ہے سارے جہان اور جہان والوں کو اس کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں جس نے اطاعت اختیار کی اس نے اپنا فرض ادا کر کے اپنا نفع حاصل کیا اس میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ملت ابراہیمی کا بنیادی اصول اور پوری حقیقت ایک لفظ اسلام میں مضمر ہے جس کے معنی ہیں اطاعت حق اور یہی خلاصہ ہے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے مذہب ومسلک کا اور یہی حاصل ہے ان امتحانات کا جن سے گزر کر اللہ تعالیٰ کا یہ خلیل اپنے مقام عالی تک پہنچا ہے اور اسلام یعنی اطاعت حق ہی وہ چیز ہے جس کے لیے یہ سارا جہاں بنایا گیا اور جس کے لیے انبیاء (علیہم السلام) بھیجے گئے آسمانی کتابیں نازل کی گئیں۔ (١)

وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى

١۔ تفسیر معارف القرآن

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ابراہیمؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی تھی اور یعقوبؑ نے بھی انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔

حضرت ابرہیم (علیہ السلام) کے بیٹوں کی سوانح

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) تھے' ان کی ماں ہاجرہ قبطیہ تھیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان کی شیر خوارگی میں مکہ لے آئے' یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق سے چودہ سال بڑے تھے' جس وقت حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال تھی' حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی وفات کے وقت ان کی عمر نواسی (۸۹) سال تھی' حضرت اسماعیل (علیہ السلام) ہی ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق (علیہ السلام) کی والدہ سارہ ہیں' ان کی اولاد بنی اسرائیل ہیں' حضرت اسحاق کی عمر ایک سو اسی (۱۸۰) سال تھی' یہ ارض مقدسہ میں فوت ہوئے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) خلیل اللہ کے پاس دفن کیے گئے جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی زوجہ حضرت سارہ فوت ہو گئیں تو انہوں نے قطنورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کر لی اور ان سے مدین' مداین' نہشان' زمران' نشیق اور شیوخ پیدا ہوئے' پھر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) فوت ہو گئے ان کی وفات اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیدائش کے درمیان تقریباً تین ہزار سال کا

عرصہ ہے۔ یہود اس مدت سے چار سو سال کم کرتے ہیں‘ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد کا ذکر انشاء اللہ سورہ یوسف میں آئے گا‘ حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے جد امجد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی وفات کے بعد پیدا ہوئے‘ اور جس طرح حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے بھی اسی طرح اپنے بیٹوں کو وصیت کی‘ حضرت یعقوب (علیہ السلام) ایک سو سینتالیس (۱۴۷) سال زندہ رہے اور مصر میں فوت ہوئے آپ نے وصیت کی تھی کہ آپ کو ارض مقدسہ میں لے جایا جائے اور وہاں آپ کے باپ حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے پاس دفن کیا جائے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے آپ کو ان کے پاس دفن کیا۔ [۱]

اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے انتقال کے وقت اپنی اولاد کو کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کی وصیت کی اور اسی بات کی حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے بھی اپنی اولاد کو وصیت کی چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے، لہٰذا دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو تاکہ تم اسلام ہی کی حالت میں مرو جب کہ تم خالص اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان اور اسی کی عبادت کر رہے ہو۔ [۲]

۞ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ۙ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِى ۖ قَالُوا۟ نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ ءَابَآئِكَ إِبْرَٰهِۦمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهُۥ

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران‘ ۱۳۸۷ھ)

۲۔ تفسیر ابن عباس

مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾

کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے وہ بولے کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباؤ اجداد ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحقؑ۔ کے معبود کی پرستش کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

گزشتہ آیات میں حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی وصیت کا بیان ہے، اس پر یہود نے کہا کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ہرگز یہ وصیت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے تو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ان کی موت کے وقت وہاں حاضر تھے جب کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے مصر میں جا کر لوگوں کو بت، ستارے، بیل اور بلی وغیرہ کو پوجتے دیکھا اور ان کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں میرے بعد یہ لوگ بھی ان کو دیکھ کر، بت پرست نہ ہو جائیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور حضرت اسحاق (علیہ السلام) کا واحد خدا ہے، اور ہم تو ہمیشہ سے اسی کے فرماں بردار ہیں اور اسی کے فرماں بردار رہیں گے، ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے پھر تم کس لیے انکار کرتے ہو؟ تم اس بات پر فخر کرتے ہو کہ تم ان بزرگوں کی فرماں بردار اولاد ہو اور اگر تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوئی تو تم اپنی برات میں ان کے اعمال پیش کرو گے، تمہارا ان سے کیا تعلق، وہ تو پاکباز لوگ تھے گزر گئے ان کے اعمال سے ان کو نفع ہوگا اور تمہارے اعمال سے تمہیں اور تم

ان کے اعمال کے جوابدار نہیں۔ [1]

مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھے دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں برحق کی۔ حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ کے لڑکے اور حضرت اسحاقؑ، حضرت ابراہیمؑ کے لڑکے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تخطیب کے آ گیا ہے کیونکہ آپ چچا ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریک میں موجود ہے ام المومنین حضرت عائشہؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ایک مشہور روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ بھائیوں بہنوں کو بھی وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور سلف وخلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، بصری طاؤسؒ اور عطاؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے سلف وخلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔ ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو

۱۔(حقانی ۴۹۷۔۱)

شریک نہ کریں گے اور ہم اس کی اطاعت گزاری، فرماں برداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہا کریں گے۔ (۱)

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾ ﴾

وہ ایک امت تھی جو گزر گئی، جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کا ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یعنی تم اگرچہ ان کی اولاد سہی مگر حقیقت میں تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کے نام لینے کا تمہیں کیا حق ہے جب تم ان کے راستہ سے پھر گئے؟ اللہ کے یہاں تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم خود کیا کرتے تھے، تمہیں اپنے انبیاء صالحین کی طرف نسبت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ ان ہی کو ملے گا تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی ملے گا جو کچھ تم کماؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے، اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔ (۲)

ابن ابی حاتم نے ابو العالیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "تلک امۃ قد خلت" سے مراد ہے ابراہیم،

۱۔ تفسیر ابن کثیر
۲۔ تفسیر جلالین

اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اوران کی اولاد۔

اپنے ہی عمل کام آئیں گے!

تلک امۃ، (یہ ایک جماعت) اس سے مراد بنی اسرائیل کے بزرگ ہیں۔ جن کے نام وہ لیتے اور ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے تھے۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ غلط تھا۔ ان گمراہ بدبخت انسانوں کو اللہ کے جلیل القدر انبیاء سے نام کے سوا دور کی نسبت بھی نہ تھی۔ یہودیوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا۔ کہ وہ نبیوں کی نسل سے ہیں۔ اس سبب سے انھوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا تھا کہ ذاتی نیک عملی کی کوئی ضرورت نہیں۔ نبیوں کی اولاد سے ہونا ہی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی عنایت سے باپ کی نیکیاں اولاد کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اس غلط عقیدہ کے سبب وہ لوگ نیک عملی سے بالکل بے پرواہ ہو چکے تھے۔ اور ہر قسم کے گناہوں، بدکاریوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس باطل عقیدے کی جڑ کاٹ دی۔ اور بتایا کہ قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی ملتا ہے۔ جو اس نے خود کمایا ہے۔ نہ تو کسی کی نیکی دوسرے کو پہنچتی ہے۔ نہ کسی کی بدعملی کے لئے کوئی دوسرا جواب دہ ہوسکتا ہے اپنی ذاتی کوشش کے بغیر صرف بزرگوں کی رشتہ داری سے کام نہیں چل سکتا اور نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو اس غلط خیال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ گو ہم نے خود نیک کام نہ کئے ہوں۔ ہمارے بزرگوں کی نیکیاں ہی ہمارے کام آ جائیں گی اور ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ بزرگوں کے نیکوکار ہونے سے تمہیں فائدہ نہیں ہوسکتا۔ تم اپنی خبر لو اور ان کے نقش قدم پر چلو۔ ان کی زندگیاں تمہارے لئے حسن عمل کا نمونہ ہیں۔ ان کی پیروی سے تم اچھے اور نیک کام کرسکو گے۔ ہم میں سے اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ کہ

خاندانی بزرگی یا محض کسی بزرگ کی نسبت کافی ہوسکتی ہے۔ تو اسے یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ اللہ کے ہاں صرف اپنے عمل ساتھ دیں گے۔ سب اپنے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے بے جواب دہ ہوں گے۔

﴿وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۱۳۵﴾

اور وہ کہتے ہیں یا تو یہودی ہوجاؤ یا نصرانی تو ہدایت پر ہوجاؤ گے کہہ دیجیے نہیں، بلکہ (ہم تو پیروی کریں گے) ابراہیم کے طریقے کی بالکل یکسو ہوکر اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ابن ابی حاتمؒ نے سعید یا عکرمہؒ کے ذریعہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابن صوریا یہودی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہدایت پر صرف ہم ہیں لہٰذا ہماری (العیاذ باللہ) اتباع اختیار کرو، سیدھی راہ پر آجاؤ گے اور نصاریٰ نے بھی آپ سے یہ کہا، تب ان گمراہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ لوگ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی ہوجاؤ ہدایت پا جاؤ گے۔ [۱]

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)، (جامع البیان ج۱ص ۴۴۲، ۴۴۰ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اور یہ (یہودی ونصرانی) لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہوجاؤ (یہ تو
یہود نے کہا تھا) یا نصرانی ہوجاؤ (یہ نصاریٰ نے کہا تھا) تم بھی راہ (حق) پر پڑ جاؤ گے (اے محمد (صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ ہم تو (یہودی یا نصرانی کبھی نہ ہوں گے بلکہ) ملت
ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے جس میں کجی کا نام نہیں (بخلاف یہودیت ونصرانیت کے جس میں
علاوہ محرف ہونے کے اس کے منسوخ ہوچکنے کے سبب اب اس میں کجی آ گئی) اور ابراہیم (علیہ السلام)
مشرک بھی نہ تھے (مسلمانو! یہود ونصاریٰ کے جواب میں جو تم نے اجمالاً کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر
رہیں گے۔

﴿ قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ
وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى
وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ
مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿١٣٦﴾ ﴾

(مسلمانو!) کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی
ہے، جو ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)
یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ (علیہ

السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم صرف اسی کے فرماں بردار ہیں۔

(وَالۡاَسۡبَاطِ) یہ "سِبۡطٌ" کی جمع ہے، جس کا معنی آسانی سے پھیلنا ہے۔ اولاد کی اولاد کو بھی اسی پھیلاؤ کی وجہ سے "سِبۡطٌ" کہتے ہیں۔ (مفردات) یعقوب (علیہ السلام) کے بارہ بیٹے تھے، ان کی اولاد کے بارہ قبائل "الۡاَسۡبَاطِ" کہلاتے ہیں۔ "الۡاَسۡبَاطِ" پر الف لام کی وجہ سے "اس کی اولاد" اور "وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ" میں "لَهٗ" پہلے آنے کی وجہ سے "ہم اسی کے فرماں بردار ہیں" ترجمہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو کتاب نازل ہوئی اس پر مفصل طور پر ایمان لائیں اور گزشتہ انبیائے کرام پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں ان پر مجمل طور پر ایمان رکھیں اور بغیر تفریق کے سب پر ایمان رکھیں، یہود و نصاریٰ کی طرح نہ کریں کہ کسی پر ایمان کا دعویٰ کریں اور کسی کا انکار کریں، ارشاد فرمایا: (قُلۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَالنَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ) [آل عمران: ۸۴] "کہہ دے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔" اور

فرمایا: (وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ)[العنکبوت:٤٦] ”اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، مگر وہ لوگ جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔“ اور فرمایا: (قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ)[المائدة:٥٩] ”کہہ دے اے اہل کتاب! تم ہم سے اس کے سوا کس چیز کا انتقام لیتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور یہ کہ بیشک تمہارے اکثر نافرمان ہیں۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صبح کی سنتوں کی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی یہ آیت: (قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا)[البقرة:١٣٦] اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران کی یہ آیت: (اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)[آل عمران:٥٢] ان کی تلاوت کیا کرتے تھے۔[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے اور وہ اہل اسلام کے لیے اس کا عربی میں ترجمہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تکذیب (بلکہ صرف یہ کہو) (قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

١۔[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر۔۔۔ الخ:٧٢٧]

وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ)[البقرة:١٣٦] ”کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔“[1]

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾﴾

اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ اعراض کریں تو یقیناً یہ ضد (اور ہٹ دھرمی کی دلدل) میں پڑے ہوئے ہیں، سو اللہ کافی ہے آپ کو ان سب کے مقابلے میں، اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا، ہے۔

شرط نجات

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (قولوا آمنا باللہ):٤٤٨٥]

یعنی اپنے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت ونجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقینا حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لیے کافی ہوگا، وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن نعیمؒ کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمانؓ کا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پڑھا تھا آیت (فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)2۔ البقرة :137) کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافعؒ نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا۔[1]

گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے بعد ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ اگر یہ کفار بھی تمہاری طرح تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو یہ بھی رشد وہدایت اور نجات پالیں گے، مگر یہ لوگ ضدی ہیں، اس لیے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اسلام قبول نہیں کریں گے، پاس اے مسلمانو! تم ان کی ضد اور دشمنی کے سبب حق ظاہر کرنے میں کچھ تردد نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھے گا، وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ ﴾

۱۔ تفسیر ابن کثیر

اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ نصاری میں جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو سات دن گزرنے پر اسے ایک مخصوص پانی سے رنگتے تھے اس پانی کو المعمودی کہا جاتا تھا تا کہ اس پانی سے اس بچے کو پاک کیا جائے وہ کہتے تھے کہ یہ طہارت ختنے کا بدل ہے جب وہ یہ کام کر چکتے تو کہتے کہ اب یہ بچہ حقیقت میں نصرانی بن گیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ ①

اس میں عیسائیوں کی رسم بپتسمہ (Baptisma) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اصطباغ (رنگ چڑھانا) بھی کہا جاتا ہے، کسی شخص کو عیسائی بنتے وقت وہ اسے غسل دیتے ہیں جو بعض اوقات رنگا ہوا پانی ہوتا ہے، ان کے خیال میں اس طرح اس پر عیسائی مذہب کا رنگ چڑھ جاتا ہے، یہ بپتسمہ پیدا ہونے والے بچوں کو بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گناہ گار پیدا ہوتا ہے اور جب تک وہ بپتسمہ نہ لے گا گناہ گار رہتا ہے اور یسوع مسیح کے کفارے کا حق دار نہیں ہوتا، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اس بے سر و پا خیال کی کوئی حقیقت نہیں، رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو توحید خالص کا رنگ ہے۔ ②

﴿ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا

۱۔ تفسیر ابن عباس

۲۔ تفسیر آسان ترجمہ

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

کہہ دے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال اور ہم اسی کے لیے خالص کرنے والے ہیں۔

حسن بصریؒ نے کہا: ان کا جھگڑنا یہ تھا کہ انہوں نے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریبی ہیں کیونکہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہم تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریبی ہیں کیونکہ ہمارے آباء اور ہماری کتب مقدم ہیں۔ اور اس لیے کہ ہم نے بتوں کی عبادت نہیں کی۔ آیت کا معنی یہ ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہو: یعنی ان یہود ونصاریٰ کو کہو جو یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تم سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریبی ہیں اپنے آباء اور اپنی کتب کے مقدم ہونے کی وجہ سے، اس میں دین کی تقدیم کی کیا تاثیر ہے۔ فی اللہ کا معنی ہے: اللہ کے دین میں، اس کے قرب میں۔ [1]

مشرکین کے اعمال پر بیزاری

مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے رہا ہے کہ تم ہم سے اللہ کی توحید، اخلاص، اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے، ہم پر اور تم پر قابض ومتصرف بھی وہی اکیلا ہے۔ ہمارے عمل ہمارے

۱۔ تفسیر قرطبی

ساتھ ہیں وہ تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے، ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں"
اور جگہ فرمایا آیت (فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ) 6۔الانعام:147) یعنی"
اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تم میرے
(نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔" اور جگہ ارشاد ہے آیت (فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ
فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ) 3۔آل عمران:20) "اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ
دے میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دئے۔" حضرت ابراہیم (علیہ
السلام) نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا آیت (اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰىنِ) 6۔الانعام
:80) کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے اختلاف کرتے ہو؟ اور جگہ ہے؟ آیت (اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ
حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ) 2۔البقرۃ:258) تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیم (
علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ
ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہم تم سے الگ۔ ہم عبادت اور توجہ میں
اخلاص اور یکسوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ [1]

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ
وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ
اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ

---

[1] تفسیر ابن کثیر

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾

یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمہ اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے تمہاری حرکات سے اللہ تو غافل نہیں ہے۔

ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی، نہ نصرانی، تم اے یہودیو اور اے نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو؟ کیا تمہارا علم اللہ سے بھی بڑھ گیا ہے اللہ نے تو صاف فرما دیا آیت (مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ) 3۔آل عمران:67) ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی، نہ مشرک، بلکہ خالص مسلمان تھے، ان کا حق کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو اس کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔ پھر فرمایا تمہارے اعمال اللہ سے پوشیدہ نہیں، اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ [۱]

۱۔ تفسیر ابن کثیر

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ﴾

وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا جو وہ کرتے تھے۔

یہ دھمکی دے کر پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی۔ تم جب ان کے نقش قدم پر نہ چلو تو صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے۔ ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بداعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں" جو کرے سو بھرے" تم نے جب ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام انبیاء کو جھٹلایا بالخصوص اے وہ لوگو! جو نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک زمانہ میں ہو۔ تم تو بڑے ہی وبال میں آگئے، تم نے تو اس نبی کو جھٹلایا جو سید الانبیاء جو ختم المرسلین ہیں، جو رسول رب العالمین ہیں جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے۔ جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بیشمار درود وسلام آپ پر نازل ہوں اور آپ کے سوا تمام انبیاء کرام پر بھی۔ [1]

اس آیت میں دوبارہ تنبیہ فرمائی کہ نجات کا تعلق تو اپنی کمائی اور اپنے عمل پر ہے، اگر نجات چاہتے ہو تو انبیاء وصالحین کی طرح خود عمل کرو، ورنہ محض ان کی طرف نسبت کرکے اور ان کی کرامتیں بیان کرنے

1۔ تفسیر ابن کثیر

سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس کے عمل نے اسے پیچھے رکھا اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"[1]

﴿ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ ﴾

(اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان لوگوں کو اس قبلہ سے جس پر یہ پہلے تھے، کہہ دیجئے! مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

آیا مکہ میں ابتداء آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟

۱۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر: ۲۶۹۹۔ أبوداؤد، کتاب العلم، باب فی فضل العلم: ۳٦٤۳]

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ابتداء نماز فرض ہوئی تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا خانہ کعبہ کی طرف' حضرت ابن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اور مدینہ منورہ کے ابتدائی سترہ مہینوں میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا' علامہ بدرالدین عینیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (۱)

تاہم آپ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ جب آپ پر ابتداء نماز فرض ہوئی تو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا' حافظ ابو عمرو ابن عبدالبرؒ نے کہا: میرے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ میں آئے تو آپ نے یہود کی تالیف قلب کے لیے ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تاکہ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے ان میں زیادہ داعیہ ہو اور جب آپ ان کے قبول اسلام سے مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ چاہا کہ آپکو پھر کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں اہل عرب کے قبول اسلام کا زیادہ داعیہ تھا' ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہود کی مخالفت کی بناء پر ایسا کیا۔

تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ مکہ میں آپ کا قبلہ کعبہ تھا تو پھر دوبار قبلہ کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اس لیے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ ابتداء مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

۱۔ (عمدۃ القاری ج۱ ص۲۴۰)

تحویل قبلہ کا بیان

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابتداء مدینہ میں آئے تو اپنے نانا یا ماموں کے گھر ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو جائے اور آپ نے اس کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز پڑھی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی' آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی' پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ اس وقت رکوع میں تھے' اس نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے' وہ لوگ نماز کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے یہود اور دیگر اہل کتاب کو یہ پسند تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں' جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا تو ان کو یہ ناگوار ہوا۔ [1]

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ اس مسجد کے نمازیوں کو خبر واحد سے یہ علم ہو گیا کہ قبلہ بدل گیا ہے' اب ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس نماز کو توڑ کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاتے اور تحویل قبلہ کی تحقیق کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس خبر پر اعتماد کر کے نماز میں قبلہ بدل لیتے' انہوں نے اجتہاد سے دوسری صورت پر عمل کیا' اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے اور اپنے اجتہاد سے نماز میں قبلہ کی سمت بدلنا جائز ہے' بلکہ اگر ہر رکعت میں اس پر قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد سے ہر رکعت میں

۱۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۱۱'۱۰۔ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

سمت بدل لے۔ [1]

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"صحیح بخاری" کی اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ کی طرف جو نماز سب سے پہلے پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی' اور امام مالکؒ کی روایت میں ہے' وہ صبح کی نماز تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کی مسجد میں نازل ہوا اس وقت آپ ظہر کی نماز میں تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے' پھر نماز ہی میں آپ نے قبلہ بدل لیا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا' چونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اس لیے نماز میں مرد گھوم کر عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں گھوم کر مردوں کی جگہ چلی گئیں۔

ابو حاتم البستیؒ نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے سترہ ماہ اور تین دن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں' کیونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منگل کے دن نصف شعبان کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی کیفیت میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) حسن' عکرمہ اور ابو العالیہؒ نے کہا: آپ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا۔

(۲) طبریؒ نے کہا: آپ کو بیت المقدس اور بیت اللہ میں سے کسی ایک کی طرف منہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا آپ نے یہود کے ایمان لانے کی خواہش کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا اختیار

۱۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

کرلیا۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ نے کہا: آپ نے اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کیا تھا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کردیں کہ کون رسول اللہ کی پیروی کرتا ہے (اور اس کو اس سے ممتاز کردیں' جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے) اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔۔(البقرہ:۱٤۲)

تحویل قبلہ سے متعلق مسائل:

اس آیت میں منافقین اور یہود کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بیت المقدس خود مستقل بالذات ہے کیونکہ مشرق اور مغرب سب اس کی ملک ہیں' وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے وہی قبلہ ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت اور کی تفسیر میں جو"صحیح بخاری" کی روایت ذکر کی گئی ہے ان سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب یہ بیوقوف یہ کہیں گے کہ" مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس نے

۱۔(الجامع الاحکام القرآن ج۲ ص۱۵۰۔۱٤۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

پھیر دیا جس پر وہ تھے" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے اور یہ پیش گوئی پوری ہوگئی اور یہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت کی قوی دلیل ہے۔

(۲) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسے احکام بھی ہیں جو ناسخ اور منسوخ ہیں اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید نے جس حکم کو سب سے پہلے منسوخ کیا ہے وہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

(۳) بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں تھا' یہ صرف نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت سے ثابت تھا اور قرآن مجید نے اس حکم کو منسوخ کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت کا ناسخ ہے۔

(٤) خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے' کیونکہ اہل قبا کو جب یہ خبر پہنچی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو انہوں نے نماز کی حالت میں اپنا قبلہ بدل لیا۔

(٥) جب تک کسی حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد بھی اہل قبا نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی کیونکہ ان کو اس وقت تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔

(٦) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قرآن مجید تدریجاً نازل ہوتا تھا اور حسب ضرورت احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى

النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا
جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ
الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا
عَلَي الَّذِيْنَ ھَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا تا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا پیروکار کون ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے؟ گو یہ کام بڑا مشکل تھا مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ان کے لیے مشکل ثابت نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا

اس کلام کے اول اور آخر میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب ہے، اول میں ہے: آپ

کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں اور آخر میں ہے: (اے رسول) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے الخ اور درمیان میں اس کلام سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کو خطاب کیا گیا ہے' اس میں یہود کو بتایا گیا ہے کہ تم مسلمانوں کے قبلہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور ان کے دین کو کیوں قبول نہیں کرتے حالانکہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے خلاف شہادت دیں گے اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی اس لیے تم کو چاہیے کہ تم دنیا میں ان کی مخالفت کرو اور ان کے دین کی پیروی کرو۔

امام بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: حضرت نوح (علیہ السلام) کو قیامت کے دن بلایا جائے گا' وہ کہیں گے: میں حاضر ہوں اے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیا نوح نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ ان کی امت کہے گی: ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے فرمائے گا: تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کی امت' اور وہ گواہی دیں گے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے ان کو تبلیغ کی تھی' یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔[1]

امام نسائیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہوگا اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہیں گے اس سے کہا جائے گا: کیا تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا: ہاں! پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے نہیں'

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

پھر اس نبی سے کہا جائے گا: تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت' پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا: کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا: تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ (سب) رسولوں نے تبلیغ کی ہے' اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ [۱]

دین اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا سب سے افضل ہونا:

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم کو ہدایت یافتہ بنایا ہے اور تمہارے قبلہ کو تمام امتوں کے قبلہ سے افضل بنایا ہے اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط یعنی سب سے افضل امت بنایا ہے۔ دائرہ میں جس نقطہ (مرکز) سے محیط کی طرف تمام مساوی خطوط نکلتے ہیں ان مساوی خطوط کو خط وسط کہتے ہیں اور عرف میں وسط سے وہ کیفیت مراد ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو' مثلاً اسراف اور بخل کے درمیان سخاوت ہے اور رہبانیت اور فسق و فجور کے درمیان عفت ہے اور کیفت متوسط سب سے افضل ہوتی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو سب سے افضل امت بنایا ہے۔ باقی امتوں میں سے یہود و نصاریٰ ہیں جو ایک سے زیادہ خدا مانتے ہیں اور یا دہریے ہیں جو خدا کے وجود کے منکر ہیں' ان میں مسلمان متوسط ہیں جو خدا کے وجود کے قائل ہیں اور صرف ایک خدا مانتے ہیں' ہندو نبوت کے قائل نہیں اور مرزائی قیامت تک نبوت کو جاری مانتے ہیں اور مسلمان نبوت کے قائل ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نبوت کو ختم مانتے ہیں' اسی طرح اسلام کے فرقوں میں اہل سنت و جماعت متوسط ہیں'

۱۔ (سنن کبریٰ ج۶ ص۲۹۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

رافضیہ صحابہ کو سب اور لعنت کرتے ہیں' ناصبیہ اہل بیت کو سب کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت صحابہ اور اہل بیت دونوں کی تعظیم کرتے ہیں' جبریہ کہتے ہیں: انسان مجبور محض ہے' معتزلہ کہتے ہیں: انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ انسان کو کسب کا اختیار ہے اور افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' خوارج کہتے ہیں کہ صغیرہ یا کبیرہ گناہ کرنا کفر ہے اور مرجہ کہتے ہیں کہ گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو عذاب کا مستحق ہوتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام متوسط ہے اور اسلام کے تمام فرقوں میں اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور متوسط ہونا افضل ہونے کو مستلزم ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحاناً تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لیے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے؟ اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لے لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچے پیروکار ہیں جو جانتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو فرمائیں سچ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے۔ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے مٹائے جو چاہے باقی رکھے اسکا ہر کام، ہر حکم حکمت سے پر ہے ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔ ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا انہیں فوراً نیا درد اٹھا قرآن کریم میں اور جگہ ہے (وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ)9۔التوبہ:127) یعنی جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے
توان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان
بڑھتے ہیں اوران کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں اور جگہ فرمان
ہے (قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ
عَلَیْهِمْ عَمًی) 41۔فصلت:44) یعنی ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان
لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپن ہے اور جگہ فرمان ہے (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا
هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا) 17۔الاسرآء:82) یعنی
ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لیے سراسر شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے
اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں
قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہوچکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے
ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اور اسی میں کعبہ کی
طرف پھر گئے جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرماں برداری ثابت ہوئی پھر ارشاد ہوتا
ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں
رد نہیں ہوں گی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی انہیں دونوں قبلوں
کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم) کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف رحیم ہے
؟ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا

بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچہ کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا یہ دیکھ کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ سے فرمایا بتاؤ تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہرگز نہیں آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پہ مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے۔

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾ ﴾

تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں ہم اسی قبلہ کی طرف ضرور تمہیں پھیر دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو، یہ لوگ جنہیں

کتاب دی گئی تھی، خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم ان کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے۔ (مگر اس کے باوجود) جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے تھے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تو یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) بیشک ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں' سو ہم آپ کو اس قبلہ کی پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔۔ [۱]

حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آکر یہ خبر دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ قبلہ کو بیت المقدس سے پھیر کر کسی اور سمت پر کر دے گا' اور نہیں بیان کیا تھا کہ کس سمت آپ کو پھیرے گا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب سے زیادہ یہ محبوب تھا کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے اس لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف پھیر کر وحی کا انتظار کر رہے تھے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

۱۔(البقرہ:۱۴۴)(جامع البیان ج۲ ص ۱۳' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔(جامع البیان ج۲ ص ۱۴' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیرو۔ (البقرہ:۱٤٤)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر مسجد حرام کی طرف منہ کرنا فرض کر دیا خواہ وہ کسی جگہ ہوں' اگر کوئی شخص بیت المقدس میں بھی ہو تو اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ علامہ حصکفی حنفیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس پر بعینہ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو اس پر اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ (۱)

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسجد (حرام) والوں کے لیے بیت اللہ قبلہ ہے' اور اہل حرم کے لیے مسجد قبلہ ہے اور تمام روئے زمین پر میری امت کے مشرق اور مغرب والوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے' اور جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کو اپنے چہرے کا رخ کعبہ کی طرف کرنا چاہیے کیونکہ روایت ہے کہ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو' اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز کی حالت قیام میں نظر سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہیے نیز قیام کا حکم سارے جسم کے لیے ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے' اس کے قیام کا حکم بہ طریق اولی ہوگا اور چہرہ کا قیام اس وقت ہوگا جب چہرہ کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو اور یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے' اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ قیام میں سجدہ کی جگہ نظر ہو رکوع میں قدموں کی جگہ اور سجدہ میں ناک کی طرف نظر ہو۔ (۲)

۱۔ (درمختار علی ھامش ردالمختار ج۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

۲۔ (الجامع الاحکام القرآن ج۲ ص ۱٦۰۔۱۵۹ 'ملخصا' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ لکھتے ہیں:

قیام میں نظر موضع سجود کی طرف ہونی چاہیے اور رکوع میں قدموں کی پشت پر اور سجدہ میں ناک کے نرم گوشے کی طرف اور بیٹھتے وقت گود میں اور اسلام کے وقت کندھوں کی طرف' اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کعبہ کا مشاہدہ کر رہا ہو' اس کی نظر بھی ان ہی مواضع کی طرف ہو' کیونکہ اس سے مقصود خشوع ہے' جب وہ قصدا ان مواضع کی طرف دیکھے گا تو اس کی توجہ ادھر ادھر ہٹنے سے محفوظ رہے گی اور جب کہ مقصود خشوع ہے' جب وہ قصدا ان مواضع کی طرف دیکھے گا تو اس کی توجہ ادھر ادھر ہٹنے سے محفوظ رہے گی اور جب کہ مقصود خشوع ہے اور ان مواضع کی طرف دیکھنے سے خشوع حاصل نہ ہو تو ان سے عدول کر سکتا ہے۔ [1]

خشوع کا معنی ہے: عجز اور انکسار کرنا اور آنکھیں نیچی کرنا' اور اللہ تعالیٰ نے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی مدح فرمائی ہے:

(آیت) "قد افلح المؤمنون۔ الذین ھم فی صلاتھم خشعون"۔ (المؤمنون:۲۔۱)

ترجمہ: بیشک ایمان والے کامیاب ہوئے۔ جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

اس لیے نماز کی حالت قیام میں سجدہ گاہ پر نظر رکھنا' خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ ہے اور یہ کعبہ کی طرف چہرہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بیشک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے:۔ (البقرہ:۱٤٤)

۱۔(ردالمختار ج۱ ص۳۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم:

یعنی یہود اور نصاری کو یہ علم ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود و نصاری کو کیسے یہ علم ہو گا حالانکہ یہ حکم ان کے دین میں تھا نہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے یہ علم تھا کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) برحق نبی ہیں' آپ اللہ کی وحی کے سوا کوئی بات نہیں کہتے اور آپ کی کہی ہوئی ہر بات حق اور صواب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنے دین سے یہ معلوم تھا کہ احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان کو علم تھا کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے اس لیے تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے علم تھا کہ کعبہ ہی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا قبلہ تھا اور یہی اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ معجزات اور دیگر دلائل سے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت ثابت ہو چکی تھی'
اس لیے ان کو لامحالہ تھا کہ جس جانب کو آپ نے قبلہ قرار دیا ہے وہی قبلہ ہے' پانچواں جواب یہ ہے کہ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا حکم بھی لکھا ہوا تھا۔

﴿ وَلَئِنۡ اَتَيۡتَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ ۚ وَمَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ

قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

تم ان اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ، ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے لگیں اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کے قبلہ کی پیروی کرو، اور ان میں سے بھی کوئی گروہ دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

کفر و عناد زدہ یہودی

یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے اور جگہ ہے آیت (ان الذین حقت علیھم کلمتہ ربک لا یومنون ولو جاءتھم کل ایت حتی یروا العذاب الالیم) یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس یہ تمام آیتیں آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں پھر اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی استقامت بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آجائیں

اوران کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔ (۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اب قیامت تک کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قبلہ بیت اللہ ہی رہے گا، اس سے یہود و نصاریٰ کے ان خیالات کا بھی رد ہو گیا کہ مسلمانوں کے قبلہ کو تو کوئی قرار نہیں، پہلے بیت اللہ تھا، پھر بیت المقدس ہو گیا، پھر بیت اللہ ہو گیا، اب بھی ممکن ہے کہ دوبارہ بیت المقدس ہی کو قبلہ بنالیں۔ (۲)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی استقامت بیان فرمائی ہے جس طرح وہ لوگ ناحق پر اڑے ہوئے ہیں اور اس سے ہٹنا نہیں چاہتے تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان کی باتوں میں آنے والے نہیں وہ تو ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں، لہٰذا وہ ان کی باطل خواہشوں کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے، اور نہ ہی ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد وہ ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ (۳)

(آیت) "ولئن اتبعت اھواءھم"۔ میں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب ہے وہ فرض محال کے طور پر ہے جس کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں، اصل میں امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (معارف الحدیث بحوالہ بحر محیط ۳۸۵-۱)

۳۔ (ابن کثیر ۱۹۴-۱)

صاحبہا الصلوۃ والسلام کو بتانا مقصود ہے کہ اس کی خلاف ورزی ایسی چیز ہے کہ اگر بفرض محال خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ایسا کریں تو وہ بھی ظالم قرار پائیں۔[1]

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ ﴾

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں البتہ ان میں ایک گروہ ہے جو حق کو چھپاتا ہے اور وہ جانتا بھی ہے۔

اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ نے متعدد اسانید کے ساتھ قتادہؒ ربیعؒ، حضرت ابن عباسؓ، سدیؒ ابن زید اور ابن جریجؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ ضمیر تحویل قبلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اہل کتاب تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔[2]

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں:

یہ ضمیر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف راجع ہے، مجاہد، قتادہ، ربیع، حضرت ابن عباس، سدی،

۱۔(معارف القرآن ۳۸۵-۱)

۲۔(جامع البیان ج ۲ ص ۱٦، مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت، ۱٤۱۰ھ)

ابن زید' اور ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ ضمیر تحویل قبلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اہل کتاب قبلہ کے حق ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (۱)

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں:

یہ ضمیر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف راجع ہے' مجاہدؒ قتادہؒ، وغیرہما سے یہی روایت ہے' زجاجؒ' تبریزی اور زمخشریؒ کا یہی مختار ہے پہلے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا صیغہ خطاب سے ذکر کیا تھا اور اب ضمیر غائب سے ذکر کیا ہے' سو یہ باب التفات سے ہے' یعنی اہل کتاب کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی واضح معرفت حاصل تھی' ان کو آپ کی معرفت میں کوئی شک نہیں تھا نہ آپ کی دی ہوئی خبروں کے صادق ہونے میں کوئی تردد تھا اور جن چیزوں کا آپ کو مکلف کیا گیا تھا مثلاً بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا منسوخ ہونا' ان کی صداقت پر ان کو یقین تھا کیونکہ ان کی کتاب میں آپ کا ذکر اور آپ کی صفات لکھی ہوئی تھیں' قرآن مجید میں ہے۔

(آیت) "یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورۃ والانجیل: (الاعراف:۱۵۷)

جس رسول کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف اس ضمیر کے لوٹنے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ آیت نازل کی ہے کہ (آیت) "الذین اتینھم الکتب یعرفونہ" (البقرہ: ۱۴۶) تو یہ معرفت کیسی ہے' حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: اے عمرؓ! جب میں نے آپ کو دیکھا تو فورا

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

پہچان لیا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں' اور میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کتاب میں آپ کی صفات بیان کی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق ہمیں پتا نہیں کہ عورتیں کیا کرتی ہیں' میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں' حضرت عمرؓ نے ان کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں توفیق دی ہے۔ ①

علامہ قرطبیؒ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اور یہ لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس نبی کو اپنے آپ سے زیادہ پہچانتے ہیں کیونکہ انسان کو اپنی پیدائش سے لے کر ایک زمانہ تک اپنی معرفت نہیں ہوتی اور وہ اپنے بیٹے کو شروع سے پہچانتا ہے اور اس کی معرفت کے بغیر اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا۔ ②

امام فخر الدین رازیؒ حضرت عمرؓ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

چونکہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت معجزات سے ثابت ہو گئی تھی' اس لیے آپ کے نبی ہونے کا ان کو قطعی علم تھا' جبکہ اپنے بیٹے کے متعلق ان کو قطعیت کے ساتھ یہ علم نہیں تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے' اس لیے آپ کی معرفت بیٹوں کی معرفت سے زیادہ قوی تھی' نیز امام رازیؒ فرماتے ہیں:

اس آیت میں ضمیر کو تحویل قبلہ کی طرف لوٹانے کے قول سے یہ قول راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ ان کی کتابوں میں تحویل قبلہ کا ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کا ذکر لکھا ہوا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں آپ کا ذکر ہے (آیت) "ولئن اتیت الذین اوتوا الکتب ولئن اتبعت اھوآءھم"۔ اور تحویل قبلہ کا ذکر اس سے بعید ہے اور قریب کو مرجع

۱۔(البحر المحیط ج ۲ ص ۳۳۔۳۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

بنانا اولی ہے' اور تیسری وجہ یہ ہے کہ معجزات سے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا صادق ہونا ثابت ہوا ہے اس لیے اہل کتاب آپ کی نبوت کے صدق کو پہچانتے تھے اور تحویل قبلہ کا برحق ہونا آپ کے برحق ہونے کی فرع ہے اس لیے اس ضمیر کو آپ کی طرف لوٹانا زیادہ اولی ہے۔ [۱]

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ثعلبی نے از سدی صغیر از کلبی روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں آئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل کی ہے۔ (آیت) "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم"۔ (البقرہ:١٤٦) اے عبداللہ! یہ معرفت کیسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: جب میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں' بلکہ مجھے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی کیونکہ ہماری کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان کی ہیں تو میں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا کہ یہ برحق نبی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق میں نہیں جانتا کہ عورتیں کیا کرتی ہیں' حضرت عمرؓ نے کہا: اے عبداللہ بن سلام! تم کو اللہ نے توفیق دی۔ [۲]

امام طبرانیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے کہ میں دین کو تلاش کرنے کے لیے نکلا تو مجھے اہل کتاب کے باقی لوگوں میں سے چند راہب ملے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (آیت) "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم"۔ (البقرہ:١٤٦) وہ کہتے تھے کہ یہ وہ زمان ہے جس میں عنقریب سرزمین عرب سے ایک نبی ظاہر ہوگا' اس کی

۱۔ (تفسیر کبیر ج۲ ص۲۶۔۲۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲۔ (درمنثور ج۱ ص۱۴۷' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

خاص علامات ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے کندھوں کے درمیان تلوں کے گول مجموعہ کی شکل میں مہر نبوت ہوگی' میں عرب میں پہنچا' اس وقت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہو چکا تھا۔ میں نے ان تمام علامات کو دیکھا اور مہر نبوت کو بھی دیکھا' پھر میں نے کلمہ پڑھ لیا' "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" الحدیث۔ [1]

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ ﴾

حالانکہ وہ جانتے ہیں، حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جائیں۔

قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اس آیت میں تعریض ہے' صراحۃً نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب ہے اور مراد آپ ﷺ کی امت ہے' کیونکہ اس آیت میں شک کرنے سے منع کیا ہے اور جس چیز سے منع کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پہلے واقع ہو چکی ہو یا متوقع ہو ورنہ منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ توقع نہیں ہے کہ آپ قبلہ کے برحق ہونے میں شک کریں گے اس لیے منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کا خطاب بے فائدہ نہیں ہو سکتا اس لیے یہاں خطاب سے بہ طور تعریض آپ کی امت مراد ہے' اس جگہ ایک اور سوال یہ ہے کہ شک کرنا یا نہ کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے' اور غیر اختیاری چیز کا مکلف نہیں کیا جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ شک کو زائل کرنے کے لیے

۱۔ (المعجم کبیر ج ۲ ص ۲۶۸' ۲۶۷۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ نے دلائل بیان کر دیئے اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دلائل پر غور کرو تا کہ شک پیدا نہ ہو اور دلائل یہ ہیں کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں' وہ کسی جہت اور سمت کے ساتھ مختص نہیں ہے اس لیے جس سمت کی طرف منہ کر کے سجدہ کرو گے اسی کو سجدہ ہوگا اور اس نے کعبہ کو اس لیے قبلہ بنایا کہ وہ تمہارے نبی کے باپ ابراہیمؑ کا قبلہ اور تمہارے نبی کا مولد ہے۔

﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾ ﴾

ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے اور وہ اسی کی طرف رخ کرنے والا ہے۔ تم نیکیوں کی راہ میں سبقت کرو، جہاں کہیں تم ہو گے اللہ تم سب کو جمع کرے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سچا قبلہ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں ابو العالیہؒ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے آیت (مولیھا) کی دوسری قرأت (مولاھا) ہے جیسے اور

جگہ ہے آیت (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا)5۔المائدہ:48)یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔[۱]

نیکی میں سبقت

(وجھۃ): سمت، طرف، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد قبلہ، اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں یہاں وجھۃ کی بجائے قبلۃ بھی منقول ہے۔[۲]

(الخیرات): نیکیاں، خوبیاں، صدقہ وخیرات وغیرہ کے علاوہ ہر قسم کی نیکی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جائے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو وہ خیرات میں داخل ہے۔(حجۃ): حجت، جھگڑا دلیل، الزام، جمع حجج۔

تشریح:

جمہور مفسرین کے نزدیک وجھۃ سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک علیحدہ قبلہ ہے جس کی طرف وہ عبادت میں رخ کرتے ہیں خواہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم ملا ہو یا انہوں نے اپنے طور پر سمت مقرر کر لی ہو، کوئی بھی قوم دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتی، اس لیے اپنے قبلہ کے صحیح ہونے کے بارے میں ان لوگوں سے بحث ومبحث فضول ہے، اس لیے اس کو چھوڑ کر نیک کاموں میں دوڑ دھوپ اور آگے

۱۔تفسیر ابن کثیر

۲۔(معارف القرآن ۱۔۳۸۹)

بڑھنے کی کوشش میں لگ جاؤ، عنقریب وہ دن آنے والا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ تمام اقوام عالم کو جمع کر کے حساب لے گا، عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے اوقات آخرت کی فکر میں صرف کرے۔

تحویل قبلہ کے الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں، اس تکرار کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر یہ حکم تاکید کے ساتھ مکرر بیان نہ کیا جاتا تو لوگوں کو اطمینان وسکون قلب حاصل نہ ہوتا، اس لیے اس حکم کو بار بار دہرایا گیا، قرطبی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ جو حکم آیا وہ حالت حضر کے لیے ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اپنی جگہ مقیم ہوں تو مسجد حرام کی طرف رخ کیا کریں اور "حیث ما کنتم" کا مطلب ہوگا کہ یہ حکم صرف مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اپنے وطن اور شہر میں جس جگہ بھی ہوں بیت اللہ ہی کا استقبال کرنا ہے پھر انہیں الفاظ کے ساتھ دوسری مرتبہ جو حکم آیا اس سے پہلے (آیت) "من حیث خرجت"۔ کے الفاظ ہیں جو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ حکم وطن سے نکلنے اور سفر کی حالت کے لیے ہے، چونکہ سفر کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور سفر میں کبھی چند روز کے لیے کہیں قیام کیا جاتا ہے اور کبھی زیادہ عرصہ کے لیے اور کبھی سفر قطع کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے اس لیے تیسری مرتبہ پھر ان الفاظ کے ساتھ (آیت) "حیث ما کنتم" کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ سفر کی کوئی بھی حالت ہو، نماز میں قبلہ ہی کی طرف رخ کرنا ہے۔ (۱)

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ

۱۔ (معارف القرآن ۳۸۸، ۳۸۹۔ ۱)

وَاِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

اور جہاں کہیں سے بھی تم نکلو تو اپنا رخ مسجد حرام کی ہی طرف کرو، بیشک یہی حق ہے تمہارے رب کی جانب سے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

تین بار نزول حکم

یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ تین مرتبہ تاکید اس لیے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازیؒ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لیے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں۔ تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں۔ قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔[۱]

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا

۱۔ تفسیر ابن کثیر

يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٠﴾

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیجیے۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو، تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔ لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

پہلے حکم میں تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اس حکم سے وہ پیشینگوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی توجہ بھی اسی کی طرف ہوگئی رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا تاکہ اہل کتاب کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ امت کی طرح پہچان کعبہ

کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہیے اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے، حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطور اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے احکام کا متبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے وہ بجا لائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجا لائے پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری تمام شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو ہم نے اس قبلہ کو

خصوصیت کے ساتھ تمھیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کردی۔ [1]

مسلمانوں کا قبلہ کعبہ بن جانے کے بعد مدینہ منورہ میں ایک فتنہ برپا ہوگیا، اہل کتاب، منافقین اور مشرکین نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کردیں اور مختلف قسم کے شکوک وشبہات پھیلانا شروع کردیے۔ ایسی فضا کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے دل ودماغ میں یہ بات بٹھانے کے لیے کہ کعبہ اب ابدالآباد تک کے لیے مسلمانوں کا قبلہ ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ مختلف اسالیب اور مختلف پیرائے میں یہ بات انھیں سمجھا دی جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو بیان کرنے کے لیے تکرار کا اسلوب اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے نبی کو خطاب کرکے فرمایا کہ آپ سفر وحضر میں کہیں بھی ہوں، نماز میں اپنا رخ کعبہ کی طرف کریں اور یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام امت مسلمہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی رہو نماز میں مسجد حرام کی طرف رخ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے لیے فرمایا کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ اللہ کی طرف سے ہے۔

یہ سب اللہ نے اس لیے کیا کہ اہل کتاب اور مشرکین کے پاس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف باتیں بنانے کا بہانہ باقی نہ رہے، کیونکہ اہل کتاب اپنی کتابوں کے ذریعے جانتے تھے کہ خاتم النبیین کا قبلہ کعبہ ہوگا، اگر بیت المقدس ہی قبلہ رہ جاتا تو اہل کتاب کو حیرانگی ہوتی اور دل میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت میں شک کرتے اور مشرکین کہتے کہ محمد دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ملت ابراہیم پر گامزن ہے اور اس کی اولاد میں سے ہے تو پھر ابراہیم کا قبلہ کیوں اختیار نہیں کرتا؟ لہٰذا کعبہ کے قبلہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر

ہو جانے کے بعد سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں، سوائے چند ظالموں کے جنھیں کوئی نہ کوئی بات بناتے رہنا تھا۔

اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ ان کی فتنہ انگیزیوں سے نہ گھبراؤ، اور مجھ سے ڈرو اور میرے حکم کی مخالفت نہ کرو، میں چاہتا ہوں کہ اپنی نعمت تم پر تمام کردوں اور تم لوگ حق کو پہچان کر اس پر عمل کرو۔

﴿ كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۱۵۱﴾ ﴾

چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کعبے کی تعمیر کے وقت دو دعائیں کی تھیں، ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایسی امت پیدا فرمایئے جو آپ کی مکمل فرماں بردار ہو، اور دوسری یہ کہ ان میں ایک رسول بھیجئے (دیکھئے پیچھے آیات ۱۲۸۔ ۱۲۹) اللہ تعالیٰ نے پہلی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کو معتدل امت قرار دے کر پیدا فرمایا (دیکھئے آیت ۱۴۳) اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس

طرح ہم نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا قبول کرتے ہوئے تم پر یہ انعام فرمایا کہ تمہیں معتدل امت بنا کر آئندہ ہمیشہ کے لیے انسانیت کی رہنمائی تمہیں عطا کردی، جس کی ایک اہم علامت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ کے لیے کعبے کو قبلہ بنا دیا گیا ہے، اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دوسری دعا قبول کرتے ہوئے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تمہارے درمیان بھیج دیا ہے، جو انہی خصوصیات اور فرائض منصبی کے حامل ہیں جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ان کے لیے مانگے تھے، ان میں سے پہلا فریضہ تلاوت آیات ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات کو تلاوت کرنا بذات خود ایک مقصد اور ایک نیکی ہے، خواہ تلاوت آیات بغیر سمجھے کی جائے، کیونکہ قرآن کے معنی کی تعلیم آگے ایک مستقل فریضے کے طور پر بیان کی گئی ہے، دوسرا مقصد قرآن کریم کی تعلیم ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیم کے بغیر قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا ممکن نہیں ہے، اور یہ کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے قرآن کریم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ اہل عرب عربی زبان سے خوب واقف تھے، انہیں ترجمہ سکھانے کے لیے کسی استاذ کی ضرورت نہیں تھی، تیسرے آپ کا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ حکمت کی تعلیم دیں، اس سے معلوم ہوا کہ حکمت و دانائی اور عقلمندی وہی ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تلقین فرمائی، اس سے نہ صرف آپ کی احادیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اس کی عقل کا نہیں بلکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے، چوتھا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو پاکیزہ بنائیں اس سے مراد آپ کی عملی تربیت ہے، جس کے ذریعے آپ نے صحابہ کرام ؓ کے اخلاق اور باطنی صفات کو

گندے جذبات سے پاک کر کے انہیں اعلی درجے کی خصوصیات سے آراستہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کا صرف کتابی علم بھی انسان کی اصلاح کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک اس نے اس علم کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی عملی تربیت نہ لی ہو، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ کو اپنی صحبت سے سرفراز فرما کر ان کی تربیت فرمائی، پھر صحابہ نے تابعین کی اور تابعین نے تبع تابعین کی اسی طرح تربیت کی، اور یہ سلسلہ صدیوں سے اسی طرح چلا آتا ہے، باطنی اخلاق کی اسی تربیت کا علم علم احسان یا تزکیہ کہلاتا ہے اور تصوف بھی درحقیقت اسی علم کا نام تھا اگرچہ بعض نااہلوں نے اس میں غلط خیالات کی ملاوٹ کر کے بعض مرتبہ اسے خراب بھی کردیا؛ لیکن اس کی اصل یہی تزکیہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے یہاں فرمایا ہے، اور ہر دور میں تصوف کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔۔ (۱)

اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب وحکمت یعنی قرآن وحدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے، وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے

۱۔ آسان ترجمہ القرآن

دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے، دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد وعدل ہے اور جگہ ارشاد ہے آیت (لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) 3۔آل عمران:164) یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کو قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے آیت (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ) 14۔ابراہیم:28) کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اسی لیے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ [1]

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝١٥٢ ﴾

پس تم لوگ مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کرونگا، اور تم میرا شکرادا کرو اور میری ناشکری نہیں کرنا۔

موسیٰ (علیہ السلام) اللہ رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں ارشاد ہوتا ہے مجھے یاد رکھو بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے

---

[1] تفسیر ابن کثیر

والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے بزرگان سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے غفلت نہ برتی جائے اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کروں گا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے ایک قدسی حدیث میں ہے جو تجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو اور جگہ ہے آیت (لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ) 14۔ ابراہیم: 7) یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے، مسند احمد میں ہے کہ عمر بن حصینؓ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے

ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔[1]

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ ﴾

اے مسلمانو مدد لو صبر اور صلوٰۃ یعنی نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ماقبل سے ربط

تحویل قبلہ کا مسئلہ پچھلے دو رکوع کے اندر ذکر کیا گیا جس کے ضمن میں آپ کے سامنے یہ بات آئی کہ اس مسئلے میں یہود کی طرف سے بہت پروپیگنڈہ ہوا اور مختلف قسم کے طعن و تشنیع کے ذریعے سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی گئی ایسے موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرتے ہیں کہ جو تکلیف ان باتوں سے تمہیں پہنچی ہے اس پر صبر سے کام لو پہلے ذکر اور شکر کا حکم تھا اب صبر کا حکم دیا جا رہا ہے۔

صبر کا مفہوم

استعینوا بالصبر والصلوۃ": اس آیت میں دو اہم اور بنیادی چیزوں کو بیان کیا گیا ہے، ایک صبر ہے اور ایک نماز ہے، صبر کا مفہوم آپ کے سامنے گزر چکا صبر کا معنی ہے روک کر رکھنا، اس کے پھر مختلف درجات

---

[1] تفسیر ابن کثیر

ہیں، نیکی کرنے کو دل نہیں کرتا اپنے آپ کو نیکی اور اطاعت پر جمائے رکھنا صبر ہے، برائی نفس کو اچھی لگتی ہے اس کو چھوڑنے کو دل نہیں کرتا اس سے اپنے نفس کو روک لینا یہ بھی صبر ہے اور ایک درجہ یہ ہے کہ کوئی پریشانی آ گئی، مصیبت آ گئی، تکلیف پہنچ گئی ان تمام چیزوں کو برداشت کرنا اور اپنے آپ کو کنٹرول کر لینا یہ بھی صبر ہے، اب ہمارے ہاں صبر کا آخری درجہ تو موجود ہے اور ہر شخص اس کو سمجھتا ہے لیکن پہلے دو درجوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ اپنے آپ کو نیکی پر ثابت قدم رکھے اور برائی سے بچنے کی کوشش کرے یہ تینوں ہی صبر کے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامات صبر کرنے والوں کے لیے ہیں یہ تب ہی ملیں گے جب ان تینوں قسم کا صبر ہو گا ورنہ صرف ایک چیز کو اپنانے ہی سے صابر نہیں کہلا سکتا۔

صبر کی فضیلت

حدیث مبارکہ میں آتا ہے سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ مومن کا معاملہ عجیب ہے اس کی ہر حالت خیر ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں کہ اگر مومن کو خوش کرنے والی بات پہنچ گئی تو اس نے شکر کیا یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اس کو تکلیف دینے والی بات پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے نقصان کسی حال میں بھی نہیں ہے، ہر حال میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور اگر خوشی میں شکر نہ کرے اور تکلیف میں صبر نہ کرے تو پھر یہ خسارے اور نقصان میں ہے۔

مصائب سے بچنے کے لیے نماز کا اہتمام

اور صبر کے ساتھ دوسری چیز نماز ہے، یہ بھی اللہ کی مدد کو حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ

حدیث شریف میں آتا ہے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کہتے ہیں کہ سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے اور حدیث شریف میں جو آپ مختلف قسم کی نمازوں کا تذکرہ پڑھتے ہیں صلوۃ الحاجۃ ہوگئی صلوۃ الاستسقاء ہوگئی، صلوۃ التوبہ ہوگئی، صلوۃ الکسوف ہوگئی اور اسی طرح سے صلوۃ الخسوف یہ ساری کی ساری مشکل اوقات میں پڑھی ہوئی نمازیں ہیں جس سے پتہ چل گیا کہ نماز کی پابندی سے مشکلات دور ہوتی ہیں اور اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے بہر حال مسلمانوں کو متوجہ کر دیا کہ تمہیں جو ان کے طعن و تشنیع کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے اس سے پریشان نہ ہوں صبر کرو اور نماز کا اہتمام کرو، ان کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کرو، بیشک اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ ﴾

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان نزول

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

(آیت) ”ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا‘ بل احیآء عند ربھم یرزقون۔ فرحین بما اتھم اللہ من

فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم الا خوف علیہم ولاھم یحزنون۔(آل عمران:
۱۷۰-۱۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہر گز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش ہیں' اور اپنے بعد کے مسلمانوں کے متعلق جو ان سے ابھی نہیں ملے یہ بشارت پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر (بھی) نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غم گین ہونگے۔

امام رازیؒ سورہ بقرہ کی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے' جنگ بدر کے دن چودہ مسلمان شہید ہوئے تھے' چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے' مہاجرین میں سے عبیدہ بن حارث' عمر بن ابی وقاص' ذوالشمالین' عمرو بن نفیلہ' عامر بن بکر اور مہجع بن عبداللہ اور انصار میں سے سعید بن خیثمہ' قیس بن عبدالمنذر' زید بن حارث' تمیم بن حمام' رافع بن معلیٰ' حارثہ بن سراقہ' معوذ بن عفراء اور عوف بن عفراء رضی اللہ عنہم اس وقت لوگ یہ کہتے تھے کہ فلاں مر گیا اور فلاں مر گیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ راہ خدا میں مرنے والوں کو مردہ نہ کہو' اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ کفار اور منافقین یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رضا کی خاطر مسلمان بے فائدہ اپنے آپ کو قتل کرا رہے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے انہیں حیات برزخی حاصل

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ہے اور وہاں وہ خورد و نوش پا رہے ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چگتی اڑتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آکر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہوگا تو کہا اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں، رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندے میں ہے جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت کرامت عزت اور عظمت حاصل ہے۔ [۱]

شہدا اور انبیاء کی حیات برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے اس میں مومن و کافر یا صالح و فاسق میں کوئی تفریق نہیں لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے کچھ مخصوص درجے انبیاء و صالحین کے لیے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے اس مسئلہ کی تحقیق پر

۱۔ تفسیر ابن کثیر

علماء کے مقالات وتحقیقات بیشمار ہیں لیکن ان میں سے جو بات اقرب الی الکتاب والسنت ہے اور شبہات سے پاک ہے اس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں واضح فرمایا ہے اس جگہ اسی کو نقل کرنا کافی معلوم ہوا،

ف: ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جیسے انگلیوں کے اگلے پوروے اور ایڑی اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں اسی طرح شہداء میں آثار حیات عام مردوں سے بہت زیادہ ہیں حتیٰ کے شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسم باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کرسکتی ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء (علیہم السلام) شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں،

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء (علیہم السلام) ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء و صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں سو مجاہدہ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے اس طور پر وہ بھی شہداء ہو گئے یا یوں کہا جاوے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص عام قرون کے اعتبار سے ہے شہداء کے ہم مرتبہ دوسرے لوگ صالحین و صدیقین کے اعتبار سے نہیں،

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب روح المعانی کو ہو گیا ہے) تو اس کی وجہ میں کہا جاوے گا کہ حدیث میں جس چیز کی تصریح ہے وہ یہ انبیاء (علیہم السلام) وشہدا کے جسم کو زمین نہیں کھاتی یعنی مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کر سکتی اجزاء ارضیہ مٹی وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ان کے جسم کا متاثر ہو کر فنا ہو جانا پھر بھی ممکن ہے کیونکہ زمین میں اور بھی بہت سی اقسام وانواع کی دھاتیں اور ان کے اجزاء اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس آیت کے منافی نہیں۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ وادویہ واغذیہ واخلاط واجسام بسیطہ مثل آب وآتش وباد کی تاثیر انبیاء (علیہم السلام) کے اجساد میں بھی ثابت ہے اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاء (علیہم السلام) کی حیات قبل الممات سے اقویٰ نہیں اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزاء غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مختلف عناصر شامل ہو جاتے ہیں سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے

اجساد متأثر ہو جاویں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے،

اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجساد شہداء کے لیے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متأثر نہ ہوں گو کسی وقت میں ہو جاویں اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کی محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے اور خرق عادت کی دونوں صورتیں ہیں حفظ موبد اور حفظ طویل اور چونکہ عالم برزخ حواس یعنی آنکھ کان، ناک، ہاتھ وغیرہ سے مدرک نہیں ہوتا اس لیے لاتشعرون فرمایا گیا کہ تم ان کی حیات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ [1]

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ ﴾

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف سے، اور بھوک سے، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنائیے۔

دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات

خوف سے مراد دشمنوں کا خوف ہے' بھوک سے مراد قحط ہے' مالوں کے نقصان سے مراد مویشیوں کا مرجانا'

---

[1] تفسیر معارف القرآن

حادثاتی طور پر فصلوں کا تباہ ہوجانا اور گاڑیوں کا ٹکراؤ سے برباد ہوجانا ہے' روپے پیسے وغیرہ کا لٹ جانا بھی اس میں شامل ہے' جانوں کے نقصان سے مراد دوستوں اور رشتہ داروں کی موت ہے اور ثمرات کے نقصان سے مراد اولاد کی موت ہے' اولاد پر ثمرات کا اطلاق مجاز مشہور ہے۔

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی بندہ کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کرلی' وہ کہتے۔ ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے دل کے ثمرہ پر قبضہ کرلیا' وہ کہتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے (اس پر) کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: تیری حمد کی اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ [1]

دنیا میں لوگوں کا جو حادثات اور قدرتی آفات سے جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے' اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے' دوسری قسم مکافات عمل اور کفارہ ذنوب ہے' کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی جانی اور مالی نقصان میں مبتلا کردیتا ہے اور بعض اوقات یہ جانی اور مالی نقصان آدمی کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور اس کے گناہوں میں تخفیف ہوجاتی ہے یا وہ بالکل گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن کو جب بھی کانٹا چبھنے

۱۔ (جامع ترمذی ص ۱٦٦ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

کی یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ یا جسمانی درد لاحق ہوتا ہے یا کوئی غم پیش آتا ہے یا کوئی بیماری لگتی ہے یا کسی چیز کا اندیشہ اور خوف دامن گیر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔[١]

اور مکافات عمل کے نتیجہ میں جو مصائب پیش آتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

(آیت) "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر"۔ (الشوری: ٣٠)

ترجمہ: اور جو مصیبت تمہیں پہنچی تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی اور وہ تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے

﴿ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ ﴾

جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے۔ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بیشک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بیشک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (البقرہ:

١۔ (جامع ترمذی ص ١٥٨ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

(۱۵۵-۱۵٦)

صبر کے معانی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت

صبر کے معنی ہیں: نفس کو روکنا اور کسی چیز کو برداشت کرنا' حرام اور فحش کاموں کی ترغیب اور تحریک کے وقت اپنے نفس کو گناہ سے روکنا صبر ہے' فرائض واجبات اور سنن کی ادائیگی میں مشقت کو برداشت کرنا اور نفس کو آرام طلبی اور عبادت نہ کرنے سے روکنا بھی صبر ہے۔ لوگوں کی اذیت رسانی پر اپنے آپ کو انتقام لینے سے روکنا بھی صبر ہے اور مصیبت پہنچنے پر واویلا کرنے اور شکوہ اور شکایت کرنے سے خود کو روکنا بھی صبر ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے۔

جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس سے کوئی نعمت چلی جائے تو وہ اس پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے مقابلہ میں لاکھوں نعمتیں اس کو دی ہوئی ہیں' اگر یہ ایک نعمت جاتی رہی تو کیا غم ہے اور اس کی دی ہوئی اور لاکھوں نعمتیں موجود ہیں پھر جب اس نے خود ہی ایک دن اس دنیا سے چلے جانا ہے تو اس ایک نعمت کے چلے جانے سے کیا فرق پڑے گا۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے بدن' یا مال یا اولاد میں کوئی مصیبت بھیجتا ہوں' پھر وہ اس پر صبر جمیل کرتا ہے تو میں قیامت کے دن اس کے لیے میزان قائم کرنے یا اس کا نامہ اعمال کھولنے سے حیا کرتا ہوں۔ [۱]

۱۔ (کامل ابن عدی)

نیز حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبرائیل! اس شخص کی کیا جزا ہے جس کی بینائی کو میں سلب کرلوں اور وہ اس پر صبر کرے؟ اس کی جزا میرے گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اور میرا دیدار کرنا ہے۔ (۱)

امام مالک "موطا" میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: جب میں اپنے بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کروں اور وہ اس پر صبر کرے اور اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کے گوشت کو بہتر گوشت سے اور اس کے خون کو بہتر خون سے بدل دیتا ہوں اور جب میں اس کو صحت مند کرتا ہوں تو اس کا کوئی گناہ نہیں رہتا اور اگر میں اس کو وفات دوں تو وہ میری رحمت کی طرف ہے۔ (۲)

"انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے کی فضیلت:

امام طبرانی ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری امت کو ایک ایسی چیز دی گئی ہے جو پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی، وہ مصیبت کے وقت "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنا ہے۔ (۳)

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت ام سلمہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سنا کہ جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق "انا للہ وانا الیہ راجعون

۱۔ (صحیح بخاری، معجم اوسط، کامل ابن عدی، ابو یعلی)

۲۔ (احیاء العلوم ج ٤ ص ٤٢٢، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱٤۱۳ھ)

۳۔ (معجم کبیر ج ۱۲ ص ۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

"پڑھے اور یہ دعا کرے' اے اللہ! اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما' تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدل عطا فرمائے گا' جب ابو سلمہ (حضرت ام سلمہ کے سابق شوہر) فوت ہو گئے تو میں نے سوچا: ابو سلمہ سے بہتر اور کون ہوگا' جن کے گھر نے سب سے پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہجرت کی تھی' بہر حال میں نے یہ دعا پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے میرا عقد کر دیا۔ ①

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:: امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی رسی ٹوٹ جائے تو وہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھے' کیونکہ یہ بھی مصائب میں سے ہے۔

امام عبد بن حمید اور امام بن ابی الدنیاؒ نے عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے فرمایا: "انا للہ وانا الیہ راجعون" آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہر وہ چیز جو مومن کو ایذا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے اور اس میں اس کے لیے اجر ہے۔ امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقیؒ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا گھر بنا دیتا ہے' جو "لا الہ الا اللہ" سے اپنی (جان اور مال کی) حفاظت کرے' اور جب اس کو مصیبت پہنچے تو "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھے اور جب اس کو کوئی چیز دی جائے تو الحمد للہ کہے اور جب وہ کوئی گناہ کرے تو استغفر اللہ کہے۔ ②

۱۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۳۰۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (الدر المنثور' ج۱ ص ۱۵۷۔۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

﴿ أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُهۡتَدُونَ ١٥٧ ﴾

یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہونگی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

صلوۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوۃ بھیجنے کی شرعی حیثیت: علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اکثر اہل لغت نے کہا: کہ صلوۃ کا معنی دعا ہے اور تبریک اور تمجید ہے، جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر صلوہ پڑھے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسلمانوں پر صلوۃ پڑھیں تو اس کا معنی ان کو پاک اور صاف کرنا ہے اور جب فرشتے صلوۃ پڑھیں تو اس کا معنی دعا اور استغفار ہے۔ [۱]

علامہ آلوسیؒ نے نقل کیا ہے کہ صلوۃ کا معنی تعریف اور ثناء کرنا اور تعظیم کرنا ہے۔ [۲]

یعنی اللہ تعالیٰ مصیبت پر صبر کرنے والوں کی تعرف کرتا ہے یا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرتا ہے۔

۱۔(المفردات ص ۲۸۵، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ)

۲۔(روح المعانی ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مسلمانوں پر صلوۃ بھیجنا ان کے باطن کو صاف کرنے کے معنی میں ہے' اور امام مالکؒ امام شافعی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امت کے لیے غیر نبی پر مستقل صلوۃ بھیجنا جائز نہیں ہے' یعنی "اللھم صل علی ابی بکر" کہنا جائز نہیں ہے اور سلام بھیجنا جائز ہے' "السلام علی ابی بکر" کہنا صحیح ہے۔ علامہ خفاجی حنفیؒ نے اس کو بھی مکروہ تنزیہی کہا ہے۔ [۱]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: انبیاء کے علاوہ اور کسی پر صلوۃ نہ بھیجی جائے۔ [۲]

علامہ نوویؒ نے کہا ہے کہ عرف میں صلوۃ کا لفظ انبیاء کے ساتھ خاص ہو چکا ہے' اس لیے غیر نبی پر صلوۃ نہیں بھیجی جائے گی۔

مروجہ ماتم کی شرعی حیثیت

اس آیت میں مصیبت کے آنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کسی چیز کا امر اس کی ضد کی حرمت کو مستلزم ہوتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت پر ماتم کرنا حرام ہے۔ شیخ کافی کلینی روایت کرتے ہیں:

ابوعبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مصیبت کے وقت مسلمان کا اپنے ہاتھ کو اپنے زانو پر مارنا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ [۳]

حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: صبر بہ قدر مصیبت نازل کیا جاتا ہے' جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے زانو پر مارا اس کا عمل ضائع کر دیا جاتا ہے۔ [۴]

۱۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۰)

۲۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۱۶)

۳۔ (الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' تہران' ۱۳۹۱ھ)

۴۔ (نہج البلاغہ میں ص ۱۲۳۹' مطبوعہ انتشارات زرین' ایران)

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے میدان کربلا میں جانے سے پہلے اپنی بہن حضرت زینبؑ کو یہ وصیت کی: اے میری معزز بہن! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ جب میں اہل جفا کی تلوار سے عالم بقا میں رحلت کر جاؤں تو گریبان چاک نہ کرنا' چہرے پر خراشیں نہ ڈالنا اور واویلا نہ کرنا۔ (۱)

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ ﴾

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو اللہ یقیناً قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

ربط آیات:

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ پر اعتراضات کے جواب دیئے اور مخالفین کے اعتراضات اور طعنوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہے اور وہ ہدایت پر ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کا ذکر شروع کیا' کیونکہ اس سے پہلے نمازوں میں کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم تھا اور اب حج اور عمرہ کے ذریعہ کعبہ کی زیارت اور اس کے

۱۔ (جلاء العیون ج ۲ ص ۵۰۳ (فارسی) مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ' ایران)

گرد طواف کا حکم دیا' نیز اس سے پہلے صبر کا حکم تھا اور صبر کرنے میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اب حج اور عمرہ کا ذکر کیا' ان میں جسم کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے' نیز اس سے چند آیات پہلے بناء کعبہ کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو یہ حکم دیا تھا کہ میرے بیت (کعبہ) کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو' اور بناء کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج اور عمرہ ہے اور طواف کے ذکر میں ان کی طرف اشارہ ہے' سو یہاں صراحۃً حج اور عمرہ کا ذکر فرمایا' نیز اس سے پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اس دعا کا ذکر تھا کہ ہمیں مناسک (احکام حج) بتا تو اب حج اور عمرہ کے احکام میں سے صفا اور مروہ کی سعی کا حکم بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

صفا اور مروہ کے معنی

صفا اور مروہ کعبہ کے سامنے دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا کے معنی ہیں: چکنا پتھر' اور مروہ کے معنی ہیں: سفید اور ملائم پتھر' ایک قول یہ ہے کہ صفا کے معنی ہیں: صاف اور خالص' اور مروہ کے معنی ہیں: چھوٹے چھوٹے پتھر۔ ایک قول یہ ہے کہ صفا کو اس لیے صفا کہتے ہیں کہ اس پر حضرت آدم صفی اللہ بیٹھے تھے اور مروہ کو اس لیے مروہ کہتے ہیں اس پر ان کی امراۃ (بیوی) بیٹھی تھیں۔

"شعائر" "شعیرۃ" کی جمع ہے۔ "شعیرۃ" کا معنی علامت ہے اور "شعائر اللہ" کا معنی ہے: اللہ کے دین کی علامتیں اور خصوصیات اور وہ اعمال جن کو اللہ نے عبادت اور دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ:۱۵۸)

حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی

حج کا لغوی معنی ہے: قصد اور اس کا شرعی معنی ہے: بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اسلام' حریت' عقل' بلوغ اور حج کی استطاعت حج کی فرضیت کے لیے شرط ہیں۔ وقوف عرفات اور طواف زیارت حج میں فرض ہیں۔ حج کے واجبات یہ ہیں: میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا' غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا وقوف مزدلفہ' صفا اور مروہ میں دوڑنا' شیطان کو منیٰ میں کنکریاں مارنا' سر منڈوانا یا بال کٹانا اور غیر ملکی کے لیے طواف وداع کرنا۔

حج میں یہ کام ممنوع ہیں: عمل زوجیت' بال کاٹنا' ناخن کاٹنا' خوشبو لگانا' سر اور چہرہ ڈھانپنا' سلا ہوا کپڑا پہننا' کسی دوسرے محرم کا سر مونڈنا' حل اور حرم میں شکار کے درپے ہونا۔[۱]

علامہ شرنبلالی ؒ نے لکھا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یوم عرفہ افضل الایام ہے اور جب یہ دن جمعہ کا ہو تو یہ ستر حجوں سے افضل ہے۔[۲]

علامہ شرنبلالی ؒ لکھتے ہیں: عمرہ کا لغوی معنی ہے: زیارت اور اس کا شرعی معنی ہے: بیت اللہ کی زیارت کرنا' عمرہ کرنا سنت ہے۔ اس میں میقات سے احرام باندھنا' کعبہ کا طواف کرنا' صفا اور مروہ میں سعی کرنا اور حلق یا قصر کرنا واجب ہے اور احرام باندھنا شرط ہے اور طواف کا اکثر حصہ فرض ہے۔[۳]

۱۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۱۔ ۳۲۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

۲۔ (مراقی الفلاح ص ۴۴۵' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۶ھ) علامہ زبیدی ؒ لکھتے ہیں: اس حدیث کو رزین بن معاویہ العبدری ؒ نے "تجرید الصحاح" میں طلحہ بن عبید اللہ کو رزین سے روایت کیا ہے اور اس پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے کسی اور موطا میں ہے (اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۴' مطبوعہ مطبع میمنہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

۳۔ (مراقی الفلاح ص ۴۴۵' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۶ھ)

امام دارمیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس شخص کو کرنے سے کوئی ظاہری حاجت (طعام' قیام اور سفر خرچ کی کمی) مانع نہ ہوئی نہ ظالم بادشاہ نہ کوئی ایسی بیماری جو حج سے مانع ہو' وہ شخص اس حال میں مرجائے کہ اس نے حج نہ کیا ہو تو خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔۔۔[۱]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ظالم بادشاہ کے منع کرنے سے بھی حج فرض نہیں ہوتا اور جو شخص شوال میں واپسی کا ویزا لے کر عمرہ کرنے گیا ہے اس کو سعودی حکام مکہ میں قیام کرنے سے منع کرتے ہیں' وہ لوگوں کی تلاشی لیتے رہتے ہیں اور جو پکڑا جائے اس کو پہلے گرفتار کرکے سزا دیتے ہیں' پھر واپس اس کے ملک بھیج دیتے ہیں' اس لیے شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج کو فرض کہنا اس حدیث کے بھی خلاف ہے' نیز جو نادار آدمی کسی کی طرف سے حج بدل کرتا ہے وہ حج کے ایام میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے' اگر صرف حج کے ایام میں مکہ پہنچ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے تو حج بدل کرنے والے نادار پر بھی حج فرض ہونا چاہیے' حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے' نیز شوال حج کا مہینہ ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرنا جائز ہے۔ "عالم گیری" میں لکھا ہے:

المفرد بالعمرة یحرم للعمرة من المیقات اوقبل المیقات فی اشھر الحج اوفی غیر اشھر الحج۔[۲]

ترجمہ: صرف عمرہ کرنے والا میقات سے عمرہ کا احرام باندھے یا میقات سے پہلے حج کے مہینوں میں یا

۱۔ (سنن دارمی ج۱ ص۳۶۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان) اس حدیث کو حافظ منذری۔ ۱۔ (حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب ج۲ ص۲۱۱ مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (عالم گیری ج۱ ص۲۳۷' مطبوعہ امیریہ کبری بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

حج کے مہینوں کے علاوہ۔

اور اس جگہ یہ نہیں لکھا کہ جو شخص حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرے اس پر حج لازم ہو جاتا ہے حالانکہ موضع البیان میں بیان کرنا لازم ہوتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں بعض علماء کا فتوی دیکھا' انہوں نے شوال میں عمرہ کرنے پر حج فرض ہو جاتا ہے' خواہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو' بشرطیکہ وہ خود چل سکتے ہوں۔ اول تو ہمارا کلام اس شخص کے بارے میں ہے جو یہاں سے عمرہ کے لیے جائے کیونکہ حج کرنے تک رہائش اور کھانے کی استطاعت اسی سے متعلق ہے' مکہ میں رہنے والوں کے لیے رہائش کی استطاعت کا مسئلہ نہیں ہے' ثانیاً انہوں نے فتوی میں "عالم گیری" کی آدھی عبارت نقل کی ہے' "عالم گیری" کی پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے۔:

"ینابیع" میں مذکور ہے: اہل مکہ اور تین دن کی مسافت سے کم اس کے گرد رہنے والوں پر حج کرنا واجب ہے جب کہ وہ چلنے پر قوت رکھتے ہوں' خواہ ان کی سواری پر قدرت نہ ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کے پاس دستور کے مطابق طعام کی اتنی مقدار ہو جو ان کے اہل و عیال کے لیے واپس آنے تک کے لیے کافی ہو' اسی طرح "السراج الوھاج" میں ہے۔[1]

غور فرمایئے! جب اہل مکہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر بھی واپس آنے تک طعام کی استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہے تو دور دراز کے علاقوں سے مکہ مکرمہ پہنچنے والوں پر رہائش اور طعام کی استطاعت کے بغیر حج کیسے فرض ہوگا۔

اس فتوی میں دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ اگر کسی شخص پر استطاعت کی وجہ سے حج فرض تھا اور اس نے حج

۱۔(عالم گیری ج ۱ ص ۲۱۷' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

نہیں کیا' حتیٰ کہ اس کا مال تلف ہو گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قرض لے کر حج کرے' خواہ وہ وفات تک اس قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو' اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا' جب کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ قادر ہونے پر اس قرض کو ادا کر دے گا۔ [۱]

یہ عبارت ہمارے مبحث سے خارج ہے کیونکہ یہ عبارت اس شخص کے متعلق ہے جس پر مالی استطاعت کی وجہ سے حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو اور پھر اس کا مال تلف ہو گیا ہو اور ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس حج کر کے واپس آنے تک رہائش اور طعام کے لیے اپنے اور اپنے عیال کا خرچ نہیں ہے' سو ظاہر ہے اس پر حج فرض ہوا ہی نہیں' نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جس پر حج فرض تھا اس نے حج نہیں کیا اور اس کا مال تلف ہو گیا' اس کے لیے قرض لینا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا کر دے گا اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے افضل قرض نہ لینا ہے۔ [۲]

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ شوال میں عمرہ کرنے والے پر بغیر استطاعت کے حج کرنے کو فرض کہتے ہیں ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا' اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ:۱۵۸)

۱۔ (درمختار ج ۲ ص ۱٤٠)

۲۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱٤۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤٠۷ھ)

یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں ہے

صفا اور مروہ میں طواف کو مسلمان دو وجہوں سے گناہ سمجھتے تھے ایک وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ بتوں کی عبادت اور ان کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے' اس لیے اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کو عمل جاہلیت کی بناء پر گناہ سمجھا اور بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کو گناہ سمجھتے تھے تو انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد میں طواف کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابن جریرؒ روایت کرتے ہیں:

شعبیؒ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں صفا پر اساف نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا اور مروہ پر نائلہ نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا' اہل جاہلیت جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو ان بتوں کو چھوتے تھے' جب اسلام کا ظہور ہوا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے کہا: صفا اور مروہ میں تو ان بتوں کی وجہ سے سعی کی جاتی تھی اور ان میں طواف کرنا شعائر اسلام سے نہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

عروہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے' (ان کا مطلب تھا: یہ سعی واجب نہیں ہے) سو بہ خدا اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا! حضرت عائشہؓ

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ) حافظ سیوطیؒ نے اس حدیث کو سعید بن منصور' عبد بن حمید' ابن جریر اور ابن منذر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور' ج ۱ ص ۱۶۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

نے فرمایا: اے بھتیجے! تم نے غلط کہا: جس طرح تم نے اس آیت کی تاویل کی ہے' اگر اسی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' اور اس طرح فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ اسلام سے پہلے منات (ایک بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مشلل کے پاس عبادت کرتے تھے تو جو شخص احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنے میں گناہ سمجھتا تھا' جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم صفا اور مروہ کے طواف میں گناہ سمجھتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے' حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بیشک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طواف کو مقرر کیا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان طواف کرنے کو ترک کر دے' عروہؓ نے کہا: بلا شک وشبہ یہ علم کی بات ہے' میں نے اس سے پہلے اس کو نہیں سنا' اور حضرت عائشہؓ کے بیان کرنے سے پہلے میں نے لوگوں سے یہ سنا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ منات کے لیے احرام باندھتے تھے اور وہ سب لوگ صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور قرآن میں صفا اور مروہ کے درمیان طواف کا ذکر نہیں فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم نازل کیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا' آیا اگر ہم صفا اور مروہ میں طواف کر لیں تو کوئی حرج ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابوبکر بن عبد الرحمنؒ (حدیث کے

راوی) نے کہا: سنو! یہ آیت دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ کے طواف کو گناہ سمجھتے تھے' اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں ان کا طواف کرتے تھے' پھر ظہور اسلام کے بعد انہوں نے ان کے طواف کو گناہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر نہیں فرمایا۔ [1]

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اصل میں عبادت ہو اور شریعت میں صحیح ہو اور اپنی اصل پر صحیح رہتا ہے' خواہ جاہل اور بدمذہب بعد میں اس کام کو کسی غلط نیت اور فاسد عقیدہ سے کرنے لگیں' جس طرح سیاہ عمامہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت ہے' بعد میں روافض اور شیعہ نے سوگ کی نیت سے سیاہ عمامہ باندھنا شروع کر دیا تو ان کے اس عمل کا اعتبار نہیں ہوگا اور سیاہ عمامہ باندھنا اپنی اصل کے اعتبار سے مسنون رہے گا۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مذاہب ائمہ

صفا اور مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا واجب ہے یہ سعی صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوگی' ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کا صحیح مذہب یہ ہے کہ صفا سے مروہ تک ایک طواف ہے' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک صفا سے مروہ' پھر مروہ سے صفا تک سعی ایک طواف ہے' یہ غلط ہے۔ امام شافعی کا مذہب جمہور کے مطابق ہے۔ [2]

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳' ۲۲۲۔۲۲۳ ج ۲ ص ۶۴۶۔۶۴۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام ترمذی۔۱ (امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۴۲۲۔۴۲۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اور امام نسائی۔۲ (امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۔ (شرح المہذب ج ۸ ص ۷۲۔۷۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

صفا اور مروہ میں سعی کے متعلق امام احمدؒ کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ سعی رکن ہے' اس کے بغیر حج تمام نہیں ہوتا کیونکہ امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جس نے صفا اور مروہ میں طواف نہیں کیا اللہ نے اس کا حج تمام نہیں کیا' سعی کرنا حج اور عمرہ دونوں میں رکن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سعی سنت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس سعی میں کوئی گناہ نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ مباح ہے' لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے اس لیے اس کا مرتبہ سنت سے کم نہیں ہے۔ (۱)

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: حج میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا رکن ہے' دم دینے سے اس کی تلافی نہیں ہوگی' اور محرم اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ (۲)

علامہ ابو العباس رملی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف کرنا عمرہ کا بھی رکن ہے۔ (۳)

علامہ حطاب مالکیؒ لکھتے ہیں: حج اور عمرہ دونوں میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا رکن ہے۔ (۴)

علامہ المرغینانی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا (حج اور عمرہ میں) واجب ہے' رکن نہیں ہے امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ رکن ہے' کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کردی' پس سعی کرو۔ (۵)

۱۔(المغنی ج ۳ ص ۱۹۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱٤۰۵ھ)

۲۔(روضۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۷۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱٤۰۵ھ)

۳۔(نہایت المحتاج ج ۳ ص ۳۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱٤۱٤ھ)

٤۔(مواہب الجلیل ج ۳ ص ۸٤' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا)

۵۔(مسند احمد ج ٦ ص ٤۷۱)

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا گناہ نہیں ہے اور یہ مباح ہونے کو مستلزم ہے اور فرضیت کے منافی ہے' نیز ہم نے رکن سے وجوب کی طرف اس لیے عدول کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور رکنیت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بیشک جس نے خوشی سے کوئی (نفلی) نیکی کی تو بیشک اللہ جزا دینے والا اور خوب جاننے والا ہے۔(البقرہ:۱۵۸)

امام رازی۔۱ (امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ' تفسیر کبیر ج ٢ ص ٤٥ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٣٩٨ھ)

علامہ قرطبی۔ ٢ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ' الجامع الاحکام القرآن ج ٢ ص ١٨١ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ١٣٨٧ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی۔ ٣ (علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی متوفی ٧٥٤ ھ' البحر المحیط ج ٢ ص ٦٧ مطبوعہ دار الفکر' بیروت ١٤١٢ھ)

اور علامہ ماوردی۔ ٤ (علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ٤٥٠ ھ' النکت والتیون ج ١ ص ٢١٣' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت) وغیرہ نے کہا ہے کہ اس نیکی سے مراد نفلی نیکی ہے کیونکہ قرآن اور حدیث کے اطلاقات میں تطوع کا نفل پر اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی طور پر حج یا عمرہ کیا' اور علامہ آلوسی ؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عام نیکی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ [2]

١۔(ہدایہ اولین ص ٢٤٣ مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

٢۔(روح المعانی ج ٢ ص ٢٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ شاکر علیم ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے قصد اور نیت کو جانتا ہے اور ان کی نیکیوں کی جزا دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ قلیل نیکی کی بھی جزاء دیتا ہے اور اس کو ثواب کا علم ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ ۙ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ ﴾

بیشک جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم نے اپنی کتاب میں سب لوگوں کے لیے انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

علم چھپانے پر وعید کا بیان

ان دلائل اور ہدایت کو چھپانے والوں سے مراد یہود اور نصاریٰ علماء ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور آپ کے دین کو چھپاتے تھے اور ان کی کتابوں میں آپ کی بعثت اور آپ کی صفات کے متعلق جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو بیان نہیں کرتے تھے' حالانکہ تورات اور انجیل میں یہ

سب لکھا ہوا تھا۔

امام ابوجعفر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل' حضرت سعد بن معاذ اور حضرت خارجہ بن زید (رضی اللہ عنہم) نے علماء یہود سے پوچھا کہ تورات میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے تو انہوں نے ان سے چھپایا اور ان کو بتانے سے انکار کر دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

علامہ ماوردیؒ نے لکھا ہے کہ یہ چھپانے والے کعب بن اشرف' کعب بن اسد' ابن صوریا اور زید بن تابوت نام کے رؤساء یہود تھے:۔ [۲]

ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور جو شخص بھی اللہ کے دین میں سے کسی چیز کے علم کو چھپائے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت کا مصداق ہے' کیونکہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا تھا' امام ابن جریرؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم کو یہ حدیث بیان نہ کرتا' پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔ [۳]

امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا' قیامت

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۱۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

۳۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (۱)

علامہ ابونصر حمیدیؒ نے کہا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کو پوری کوشش اور جدوجہد سے علم کو پھیلانا چاہیے' خواہ اس سلسلہ میں اس کو مشقت برداشت کرنی پڑے اور اپنا پیسہ خرچ کرنا پڑے' ورنہ علم مٹ جائے گا۔ لعنت کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں یا جن اور انس میں سے مومنین ہیں یا جن اور انس کے ماسوا حیوانات اور حشرات الارض ہیں' امام ابن جریرؒ روایت کرتے ہیں: مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ حیوانات اور حشرات الارض ان پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم بارش سے محروم ہو گئے۔ (۲)

نااہل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان کرنے کی ممانعت: امام بخاریؒ بیان کرتے ہیں: حضرت علیؓ نے فرمایا: لوگوں کے سامنے ایسی حدیثیں بیان کرو جن کو وہ پہچانتے ہوں' کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (۳)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جب تم لوگوں کے سامنے ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی عقلوں کے مطابق نہیں ہوگی تو وہ بعض لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گی۔ (۴)

امام دارمیؒ روایت کرتے ہیں: کثیر بن مرہ نے کہا: بیوقوف لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۴۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

وہ تمہاری تکذیب کریں گے۔ [1]

امام طبرانیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو تمہارے سامنے ایک ہزار ایسے کلمات بیان کروں جن کو سن کر تم مجھ سے بغض رکھو' مجھ سے دور بھاگو اور میری تکذیب کرو۔ [2]

حافظ الہیثمیؒ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء (سوال) کا جواب دیتا ہے وہ مجنون ہے۔ حافظ الہیثمیؒ نے ان دونوں حدیثوں کو امام طبرانی کی "معجم کبیر" کے حوالہ سے درج کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ دونوں حدیثوں کی سندوں میں ثقہ راوی ہیں۔ [3]

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائے' اسی طرح جو بدعتی اہل حق سے مناظرے کرتا ہو اس کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے اور کسی شخص کو ایسی حجت کی تلقین کرنا جائز نہیں جس سے وہ کسی کا مال ہڑپ کرلے اور نہ حاکم کو ایسی تاویل سکھانا جائز ہے جس سے وہ عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے اور نہ عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز ہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اہل لوگوں کے سامنے حکمت کے بیان سے نہ رکو ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے اور نااہل لوگوں کے سامنے حکمت کو بیان نہ کرو ورنہ تم اس حکمت پر ظلم کرو گے۔ [4]

لغت میں لعنت کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنا' لعنت کی تین قسمیں ہیں: (۱) شریعت میں جس

۱۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۸۸' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۲۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۱۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

۳۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

۴۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

عام وصف کے ساتھ لعنت کی گئی ہو اس وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا' جیسے قرآن مجید میں ہے کافروں پر اللہ کی لعنت ہو' فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہو' جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو' اور صحیح بخاری میں ہے : جو مرد عورتوں کی مشابہت کریں اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت کریں ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ [۱]

(۲) جس شخص کی موت کفر پر دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے ابلیس اور ابولہب پر لعنت کرنا جائز ہے۔ (۳) جو شخص ظاہر حال کے اعتبار سے مومن ہو یا کافر ہو اور اس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کافر کو اسلام کی توفیق دے دے۔"

جامع ترمذی" میں ہے: مومن بہت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ [۲]

نیز اس میں ہے: اللہ کی لعنت کے ساتھ لعنت نہ کرو۔ [۳]

اور "سنن ابوداؤد" میں ہے: جس نے اس شخص پر لعنت کی جو لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ لعنت' لعنت کرنے والے پر لوٹے گی۔ [۴]

لعنت کافروں پر بھی کی گئی ہے اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر بھی وصف عام کے ساتھ لعنت کی گئی ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو' کافروں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کر دینا اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر جو لعنت ہیں اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے قریب خاص' اس کی خصوصی رحمت اور رضا سے دور کر دینا۔ بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا ہو اس پر

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ٨٧٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

۲۔ (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ' جامع ترمذی ص ٢٩٦۔ ٢٩٥ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۳۔ ٢ (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ' جامع ترمذی ص ٢٩١ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۴۔ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ' سنن ابوداؤد ج ٢ ص ٣١٦ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ١٤٠٥ھ)

لعنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ بغیر تعیین کے تمام کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اور بعض نے اس کو واجب کہا ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی معین کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معین کافروں پر لعنت فرمائی ہے۔ امام نسائیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عشاء کی نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر مسلمانوں کے لیے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے' اور حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک ماہ تک رعل' ذکوان اور لحیان پر لعنت کی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر منافقوں کا نام لے لے کر فرماتے: اے اللہ! فلاں پر لعنت کر' فلاں پر لعنت کر' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (آیت) "لیس لک من الامر شیء او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظلمون۔ (آل عمران: ۱۲۸) ترجمہ: آپ اس میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے' بیشک یہ ظالم ہیں۔ [۱]

اس آیت کی تشریح انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کافروں اور منافقوں کے لیے لعنت فرمائی جن کے متعلق آپ کو وحی سے معلوم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لعنت کرنے سے روک دیا' کیونکہ بظاہر یہ آپ کی رحمت کے منافی ہے۔

۱۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱٦٤ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

﴿ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶۰﴾ ﴾

البتہ جو اس روش سے باز آ جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کی شرط

یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں کو چھپانے والے یہودی کفر کو ترک کر کے اسلام لے آئیں اور اصلاح سے مراد یہ ہے کہ اپنی باطنی اصلاح کر لیں' اور ظاہری اعمال کو درست کر لیں' یا اس سے مراد ہے اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو اسلام کی تبلیغ کر کے ان کی اصلاح کریں' اور تورات میں حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کے متعلق جو لکھا ہوا ہے اس کا بیان کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ جس برائی سے توبہ کی ہے اس کو ترک کر دیا جائے اور اس برائی کی تلافی کی جائے' کیونکہ یہود کی برائی یہ تھی کہ وہ رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات کو چھپاتے تھے' تو ان کی توبہ قبول کرنے کی یہ شرط بیان فرمائی کہ وہ اپنی اصلاح کریں یعنی آپ کی صفات چھپانے کو ترک کر کے اسلام لائیں اور چھپائی ہوئی صفات کو اب لوگوں میں بیان کریں' یہ پچھلی برائی کی تلافی ہے' اس لیے اب کوئی قادیانی مثلاً مسلمان ہو تو اس پر لازم ہے کہ مرزا کے دعویٰ نبوت سے برات کا بیان کرے اور اس کے کفر کا اقرار کرے اور کوئی عیسائی مسلمان ہو تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بندہ اور رسول ہونے کا اقرار کرے اور ان کے خدا ہونے کی نفی کرے اور اسی طرح جو مسلمان جس گناہ سے توبہ کرے دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور اس کی جو تلافی ممکن ہو وہ تلافی کرے اور جو شخص جب کسی گناہ سے توبہ کر لے' پھر اس کو اس گناہ پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا گناہ نہ ہو۔[1]

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝١٦١ ﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت

۱۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

فرمائی' پھران میں سے توبہ کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور اب ان کا ذکر فرمایا جنہوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کی' کفر پر اصرار کیا اور کفر پر ہی مر گئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ کی لعنت کا معنی ہے: عذاب کی خبر دینا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنے کی بددعا دینا۔ مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور زندہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو کفر پر مر گئے' اس سے جمہور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس کی موت علی الکفر معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بعض کفار پر لعنت کی ہے ان کے متعلق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وحی سے معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر مریں گے۔ علامہ ابوبکر ابن العربی ؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے اللہ! بیشک عمرو بن العاص نے میری ہجو کی ہے اور اس کو علم ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں تو اس کی ہجو فرما اور جتنی بار اس نے میری ہجو کی ہے اتنی بار اس پر لعنت فرما۔ اس حدیث کو امام رویانی اور امام ابن عساکر ؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔ (۱)

علامہ ابوبکر ابن العربی ؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کا ظاہر حال کفر ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے اس سے جہاد کرنا جائز ہے' حالانکہ عمرو بن العاص اسکے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ (۲)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کی سند میں کلام ہے' ثانیا اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ

۱۔ (کنز العمال ج ۱۳ ص ۵۴۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ذات کا بدلہ لیا حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبھی اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کبھی اپنے ساتھ کی جانے والے زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا' جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ سے زیادہ غضب میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (۱)

البتہ یہ اعتراض صحیح ہے کہ امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی: اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر' اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت کر' اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت کر' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (آیت) "لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون"۔ (آل عمران: ۱۲۸) ترجمہ: آپ اس میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں' یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے' یا ان کو عذاب دے' بیشک یہ ظالم ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمالی' وہ اسلام لے آئے اور انہوں نے اسلام میں اچھے عمل کیے' یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے کا واقعہ ہے' جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کافروں پر لعنت سے روک دیا تو پھر آپ نے ان پر لعنت نہیں کی' اس سے یہ موقف اور مضبوط ہو گیا کہ زندہ کافروں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں' اور جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں پر لعنت کرنے سے منع کر دیا تو کسی اور کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے' اور

۱۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۲۔ (جامع ترمذی ص ٤٢٧' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ ابن العربی کا اس کو کافروں سے قتال کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کافروں سے قتال کرنا تبلیغ اسلام کا سبب ہے جو رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے' اس کے برخلاف زندہ کفار پر لعنت کرنا ان کو رحمت سے دور کرنے کی دعا ہے۔ مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت: امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ثابت بن ضحاک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے مسلمان کو لعنت کی تو یہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ [۱]

حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں عبداللہ نام کا ایک شخص تھا جس کا لقب حمار تھا اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہنسایا کرتا تھا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو شراب نوشی پر حد لگایا کرتے تھے ایک دن اس شخص کو حد لگائی جا رہی تھی کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر' اس کو کتنی بار حد لگائی گئی ہے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو بہ خدا! تم کو معلوم نہیں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ [۲]

البتہ گناہ کبیرہ کرنے والوں پر بلا تعیین نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لعنت فرمائی ہے: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت کرے' وہ بیضہ (لوہے کا گولہ) چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ (جہاز کی) رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ [۳]

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: جو کفر پر مرے اس پر سب انسان لعنت کرتے ہیں' حالانکہ کافر تو اس پر لعنت نہیں کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ کافر اس پر آخرت میں لعنت کریں گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان سے مراد کامل انسان ہے اور کامل انسان مسلمان ہے۔

﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔

کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات

نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے' ایمان کے بغیر نیکیاں اکارت ہوجاتی ہیں' قرآن مجید میں ہے: (آیت) "من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون"۔ (النحل: ۹۷)

ترجمہ: مرد یا عورت جس نے کوئی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے' اور ان کے اچھے کاموں کا ان کو ضرور اجر دیں گے۔

(آیت) "وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنہ ھبآء منثورا"۔ (الفرقان: ۲۳)

ترجمہ: اور انہوں نے جو بھی (نیک) کام کیے ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے' پھر ہم انہیں باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرات بنا دیں گے۔

(آیت) "ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ"۔ (المائدہ:٥) ترجمہ: اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو بیشک اس کا عمل ضائع ہو گیا

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا' اور مسکین کو کھانا کھلاتا تھا' آیا اس کو یہ عمل نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے اللہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ [١]

قرآن مجید کی ان آیات اور اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ کفار کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی' ان پر اجر ملے گا نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی' لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ "صحیح بخاری" میں ہے کہ پیر کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔ [٢]

اور "صحیح مسلم" میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابوطالب کو آگ سے کھینچ کر نکال لیا اور صرف اس کے ٹخنوں تک آگ رہ گئی کیونکہ وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرتے تھے۔۔۔ [٣]

١۔ (صحیح مسلم ج١ ص ١١٥' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

٢۔ ١ (امام محمد اسماعیل بخاری (رح) متوفی ٢٥٦ھ صحیح بخاری ج٢ ص ٧٦٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

٣۔ (صحیح مسلم ج١ ص' ١١٥ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

علامہ نووی ؒ لکھتے ہیں کہ حفاظ بیہقی نے "کتاب البعث النشور" میں کہا ہے کہ کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا اس میں تخفیف نہیں ہوگی اور باقی جرائم پر جو عذاب ہوگا اس میں نیکیوں کی وجہ سے تخفیف ہوجائے گی۔۔۔ (۱)

لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو کافر کی نیکیاں ضائع نہ ہوئیں' حالانکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ اس کی نیکیاں ضائع ہوجائیں گی' اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت اور آپ کی وجاہت کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابوطالب اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کردینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق مدت سے ہے یعنی عذاب کی غیر متناہی مدت میں کمی نہیں ہوگی اور جن کے عذاب میں تخفیف کی ہے ان کا تعلق عذاب کی کیفیت سے ہے یعنی عذاب کی شدت میں کمی کردی جائے گی' چوتھا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق عذاب آخرت سے ہے اور تخفیف کرنے کا تعلق عذاب برزخ سے ہے۔

﴿ وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾ ﴾

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمن ہے، رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

شانِ نزول:

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ قریش کے کفار نے یہ کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنے رب کی صفت اور نسب بیان کیجئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ اخلاص اور یہ آیت نازل فرمائی۔ [۱]

تشریح: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر تھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت ورحمت کا ذکر فرما کر کافروں پر واضح فرمادیا کہ وہی ایک معبود ہے جو رحمن ورحیم ہے، اس کے سوا کہیں پناہ نہیں جو تمہیں اس کی لعنت سے چھڑا سکے رحمت عامہ اور خاصہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کی رحمت کے سوا لعنت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، اگر اس کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو شاید وہ تمہیں اس کی لعنت سے نکال لیتا اور تم پر رحمت کرتا لیکن اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو رحمن بھی ہو اور رحیم بھی لہٰذا تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اہل کتاب کو تہدید اور عتاب ہو کہ باوجودیکہ تورات وانجیل میں اللہ تعالیٰ کی توحید صراحتاً مذکور ہے پھر بھی تم حضرت عزیز اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہو، اور شرک کرتے ہو اور تم اس توحید کو چھپاتے ہو جو تمہیں معلوم ہے۔

واحد کا معنی اور لا الہ اللہ پڑھنے کی فضیلت:

اس سے پہلی آیات میں حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا بیان کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے اس آیت میں اللہ کی الوہیت اور توحید کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر فرمایا ہے یہود اللہ تعالیٰ کی توحید کو چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ

۱۔ (مظہری ۱۵۹۔۱)

الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبادت کا مستحق ہونے میں وہ متفرد ہے اور اس کی کسی صفت میں کوئی اس کا مثیل' شبیہ اور نظیر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہم البقرہ:۲۱ میں دلائل بیان کر چکے ہیں: امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں: حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام ہو۔لا الہ الا اللہ" وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (۱)

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: شبلی سے منقول ہے کہ وہ صرف اللہ کہتے تھے' "لا الہ الا اللہ نہیں کہتے تھے' جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے خوف ہے کہ میں نے "لا الہ" کہا اور اسی وقت مر گیا اور "الا اللہ" پر نہ پہنچ سکا تو خدا کی نفی کرتا ہوا مروں گا' لیکن یہ انکی محض علمی موشگافی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' مقصود دل سے اللہ کو ماننا ہے اگر کوئی شخص دل سے اللہ کو مانتا ہو اور "لا الہ الا اللہ" کہنے کا ارادہ رکھتا ہو اور صرف لا الہ پر اس کو موت آ جائے تو وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشارت کے مطابق اہل جنت میں سے ہوگا' اس لیے وہی پڑھنا چاہیے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تعلیم دی ہے اور اپنی طرف سے باریکیاں نہیں نکالنی چاہیے۔ (۲)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے کہا ہے کہ مجھے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور

۱۔(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۸۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰۵ھ) اس حدیث کا امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔(جامع ترمذی ص ۱۶۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایات نہیں کیا' لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۳۵۱' مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع' مکہ مکرمہ)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

جس کے لیے پڑھا گیا اس کی بھی مغفرت کردی جائے گی' میں نے ستر ہزار بار یہ کلمہ پڑھ لیا تھا اور کسی کے لیے خصوصی نیت نہیں کی تھی' ایک مرتبہ میں ایک کھانے کی دعوت میں پہنچا' وہاں ایک نوجوان کشف میں مشہور تھا' کھانے کے دوران وہ رونے لگا میں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا : میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے' میں نے دل ہی دل میں ان ستر ہزار کلمات کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا اور اب وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا: اب میں نے اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھا ہے' تو مجھے اس حدیث کی صحت کا اس نوجوان کے کشف سے یقین ہوا اور اس کے کشف کی صحت کا اس حدیث سے یقین ہو گیا۔ (۱)

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾ ﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں وہ چیزیں لے کر چلتی ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اس

۱۔(مرقات ج ۳ ص ۹۹-۹۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کیا ہوا ہے، ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔

شان نزول

سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن اور فریابیؒ نے اپنی تفسیر اور امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں ابو الضحیٰؒ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت) "والھکم الہ واحد (الخ) نازل ہوئی تو مشرکین نے اظہار تعجب کیا اور کہنے لگے کہ وہ وحدہ لاشریک ہے اگر وہ اپنے قول میں سچا ہے تو کوئی دلیل لائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے (آیت) "ان فی خلق السموت" سے (آیت) "یعقلون" تک آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردویہؒ نے متصلا حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قریش مکہ نے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دے تاکہ ہم اس کے ذریعے اپنے دشمنوں پر قابو پاسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرمایا کہ آپ ان سے وعدہ فرما لیں، میں ایسا ہی کر دوں گا لیکن اگر انہوں نے اس کے بعد کفر کیا تو ان لوگوں کو ایسی سزا دوں گا کہ پوری دنیا میں سے ویسی سزا کسی کو بھی نہ دی ہوگی۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرماں روائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی

1۔ تفسیر ابن عباس

لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو، پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے، جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بہ فلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع واقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو، پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی دن گیا رات آگئی۔ نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر۔ ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں، کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آجائے، پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال واسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں، جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں، یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا، چاروں طرف ریل پیل کر دینا، زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا ان سب کی حفاظت کرنا، انہیں روزیاں پہنچانا ان کے لیے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا، ہواؤں کو پورب پچھّم چلانا، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم کبھی کم کبھی زیادہ، بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنا، انہیں ایک طرف سے دوسری کی طرف لے جانا، ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقل مند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں، جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں

عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی پیدائش میں غور فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں آپ نے فرمایا پختہ وعدے کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو، آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت (والھکم) الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے ایک اللہ تمام جہاں کا بندوبست کیسے کریگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے، بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کئے گئے۔ [1]

1۔ تفسیر ابن کثیر

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ‌ؕ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡٓا اِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَۙ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعَذَابِ‏ ﴿١٦٥﴾ ﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں، کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔

گزشتہ آیت میں بیان کردہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے

کرنی چاہیے۔ بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے۔ انھوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماویٰ وملجا اور قبلہ حاجات بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح دکھتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی۔ تاہم اہل ایمان کو مشرکین کے برعکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ وہ توحید باری تعالیٰ کا صحیح علم رکھنے کی بدولت اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی پر توکل کرتے ہیں اور زندگی کے تمام امور میں صرف اللہ کی جناب میں پناہ لیتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا : " اَنۡدَادًا " سے مراد وہ فوت شدہ بزرگ ہیں جن کے بت بنا کر وہ انھیں پکارتے اور پوجتے تھے، جیسا کہ سورہ نوح میں مذکور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے متعلق ہے کہ یہ ان کی قوم کے نیک لوگ تھے، جن کے فوت ہونے پر انھوں نے ان کے بت بنا لیے، بعد میں یہی بت عرب میں بن گئے۔ گویا بت پرستی بھی دراصل بزرگ پرستی ہی ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ فتح ہونے پر کعبہ سے بت نکالے تو ان میں ابراہیم اور اسماعیل (علیہ السلام) کے بت بھی تھے۔ " اَنۡدَادًا " میں ہر وہ چیز شامل ہے جو انسان کے دل پر مسلط ہو کر وہ مقام بنا لے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: " یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ " (١)

١۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (فلا تجعلوا للہ أندادا): ٧٥٢٠۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون الشرک أقبح الذنوب: ٨٦]

یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ: یعنی ایمان والے اللہ کی محبت اوراس کی رضا کو ہر دوسرے کی محبت اور رضا سے مقدم رکھتے ہیں۔ کسی دوسرے کی محبت ان کے دل میں یہ مقام حاصل نہیں کرسکتی کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا پر قربان نہ کرسکیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ)[التوبۃ: ٢٤] ”کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس نے ایمان کی مٹھاس پالی: 1 اسے اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ 2 جب وہ کسی بندے سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ 3 جب اسے اللہ کفر سے نجات دے دے تو پھر وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا برا سمجھے جتنا آگ میں گرائے جانے کو۔“ [١]

اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا: مشرکین کے لیے دھمکی ہے کہ جب وہ ظالم، عذاب کو اپنی

١۔ [بخاری، کتاب الإیمان، باب من کرہ أن یعود فی الکفر: ٢١۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الإیمان: ٤٣]

آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اپنے آپ کو اس میں گرفتار پائیں گے، تب شاید انھیں یقین آئے گا کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے اور آسمان وزمین کے درمیان ایک تنکا بھی اس کی قوت تصرف سے خارج نہیں۔

﴿ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ ﴾

جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی۔ اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گے ان کے آپس کے تعلقات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن (لوگوں) کی (دنیا میں) پیروی کی گئی تھی۔ (البقرہ:۱٦٦)

گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا: قتادہ‘ عطاء اور ربیع ؒ نے کہا ہے کہ جن رائیسوں اور سرداروں کے حکم سے دنیا میں مشرکین نے کفر کیا تھا جب وہ دونوں آخرت میں عذاب کو دیکھ لیں گے تو اپنے متبعین کے کفر سے بری ہو جائیں گے‘ سدیؒ نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین انسانوں سے بری ہو جائیں گے‘ اور ایک قول یہ ہے کہ ہر گمراہ کرنے والا متبوع اپنے تابع سے بری ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے اسباب منقطع ہو جائیں گے۔۔ (البقرہ:۱٦٦)

سبب کے معنی ہیں: وہ رسی جس سے کسی چیز کو باندھ کر کھینچتے ہیں‘ پھر اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ

جس سے کسی چیز کو کھینچا جائے' یہاں اسباب سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:
مجاہدؒ نے کہا: اس سے مراد ہے: دنیا میں جن کے ساتھ کافر مل جل کر رہتے تھے' ابن جریجؒ نے کہا: جن رشتہ داروں کے ساتھ وہ دنیا میں شفقت کرتے تھے' سدیؒ نے کہا: جن اعمال کو وہ نیکی سمجھ کر لازماً کرتے تھے' حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ایک دوسرے ساتھ دینے کا جو وہ عہد و پیمان کرتے تھے اور حلف اٹھاتے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں اور جن چیزوں کو وہ نجات کا سبب سمجھتے تھے' آخرت میں وہ سب ان سے منقطع ہو جائیں گی۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ ﴾

اور جن لوگوں نے پیروی کی تھی کہیں گے کاش! ہمارے لیے ایک بار دوبارہ جانا ہوتو ہم ان سے بالکل بے تعلق ہو جائیں، جیسے یہ ہم سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ اس طرح اللہ انھیں ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا اور وہ کسی صورت آگ سے نکلنے والے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (ان کی) پیروی کرنے والے کہیں گے: کاش! ہمارے لیے لوٹنا (ممکن) ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے۔ (البقرہ: ١٦٧)

تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں کہیں گے کہ کاش! دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے ہیں جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو باعث حسرت بنا کر انہیں دکھائے گا۔ (البقرہ: ۱٦۷)

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ نے اپنی سندوں کے ساتھ اس آیت کی دو تفسیریں نقل کی ہیں۔ (۱) سدیؒ بیان کرتے ہیں کہ کافروں کو جنت دکھائی جائے گی اور جنت میں ان کے مکان دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کر لیتے تو یہ مکان ان کو دے دیئے جاتے' پھر وہ مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور وہ کافروں کے وارث ہوں گے' اس وقت کافروں کو ندامت اور حسرت ہو گی۔

(۲) ابن زید اور ربیعؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال دکھائے گا' پھر ان کو حسرت اور پشیمانی ہو گی کہ انہوں نے کیوں برے عمل کیے اور کیوں نہ اچھے عمل کیے تا کہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے۔ امام ابن جریرؒ نے کہا ہے کہ یہ دوسری تاویل آیت کے زیادہ مناسب ہے۔[۱]

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱٦۸ ﴾

اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، یقین جانو کہ وہ تمہارے لیے ایک کھلا دشمن ہے۔

۱۔ (جامع البیان ج۲ ص ٤۵۔ ٤٤' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

حلال وطیب غذا

(خطوت): یہ خطوۃ کی جمع ہے، چلنے والے دونوں قدموں کی درمیانی مسافت کا نام خطوۃ ہے، یہاں شیطانی اعمال وافعال اور راستے مراد ہیں۔ (الفحشآئ): فحش کام، بے حیائی کا کام۔ [۱]

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پاک وحلال چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ نفس کی خواہش پر شیطان کی پیروی کرتے ہوئے حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، تمہیں گناہ اور بے حیائی کی طرف لیجاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان کا بھی اثر ہے اور فرشتے کا بھی، شیطان کا اثر تو یہ ہے کہ وہ شرک کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتے کا اثر یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے، پس جو شخص اپنے دل میں ملکوتی (فرشتے کا) خیال پائے تو وہ جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کی حمد کرے اور اگر کسی دل میں برائی کا وسوسہ آئے تو وہ جان لے کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ [۲]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن وقاصؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا اے سعد پاک وحلال لقمہ کھاتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہاری

۱۔(مظہری ۱۶۵۔۱)

۲۔(مظہری ۱۶۵۔۱)

دعائیں قبول فرماتا رہے گا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی (شومی کی) وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ [1]

معارف ومسائل

حَلٰلًا طَیِّبًا الفظ حل کے اصلی معنی گرہ کھولنے کے ہیں جو چیز انسان کے لیے حلال کر دی گئی گویا ایک گرہ کھول دی گئی اور پابندی ہٹا دی گئی۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں میں منحصر ہے، حلال کھانا، فرائض ادا کرنا، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی اتباع کرنا اور لفظ طیب کے معنی ہیں پاکیزہ جس میں شرعی حلال ہونا بھی داخل ہے اور طبعی مرغوب ہونا بھی خُطُوٰتِ خطوہ کی جمع ہے اتنی مقدار کو خطوہ کہتے ہیں جو دونوں قدموں کے درمیان کا فاصلہ ہے خطوات شیطان سے مراد شیطانی اعمال وافعال ہیں۔

مسئلہ: سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا اور کوئی جانور مرغا بکرا وغیرہ کسی بزرگ یا اور کسی غیر اللہ کے نامزد کر دیا جاتا ہے اس کا حرام ہونا ابھی چار آیتوں کے بعد وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت آنے والا ہے اس آیت یٰٓاَیُّھَا النَّاس میں ایسے جانور کے حرام ہونے کی نفی کرنا منظور نہیں جیسا کہ بعضوں کو شبہ ہو گیا بلکہ مقصد اس فعل کی حرمت وممانعت ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانوروں کو چھوڑ دینا اور اس عمل کو موجب برکت وتقرب سمجھنا اور ان جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا معاہدہ کر لینا اس کو دائمی سمجھنا یہ سب افعال ناجائز اور ان کا کرنا گناہ ہے۔

۱۔(ابن کثیر ۲۰۳۔۱)

تو حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حلال بنایا ہے ان کو بتوں کے نام کر کے حرام نہ بناؤ بلکہ اپنی حالت پر چھوڑ کر کھاؤ پیو اور اگر ایسی حرکت جہالت سے ہو جائے تو اصلاح نیت کے ساتھ تجدید ایمان اور توبہ کر کے اس حرمت کو ختم کرو اس طرح ان جانوروں کو تعظیماً حرام قرار دینا تو گناہ ہوا مگر غیر اللہ کے نام پر کر دینے سے یہ مردار اور نجس کے حکم میں ہو گیا، نجاست کی وجہ سے حرمت ثابت ہوگئی،

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے ساتھ نامزد کر کے چھوڑ دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس خیال حرمت سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا، واللہ اعلم۔

﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾﴾

وہ تم کو صرف برائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کو تم نہیں جانتے۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ (بس وہ تم کو برائی اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے) سُوء اصل میں اس شے کو کہتے ہیں جو آدمی کو غم گین کرنے والی ہو فَحْشَاءُ بَاْسَاء کے وزن پر مصدر ہے۔ سُوء اور فحشاء دونوں سے مراد گناہ ہے وصف کے اختلاف سے ایک کا دوسرے پر عطف کر دیا گیا چنانچہ گناہ سوء بھی ہے اس لیے کہ عاقل اس سے مغموم ہوتا ہے اور فحشاء بھی کہا ہے کیونکہ آدمی اسے قبیح سمجھتا ہے۔ بعض نے

کہا ہے کہ سوء سے مطلق گناہ مراد ہے اور فحشاء سے کبیرہ۔ بعض نے کہا کہ جس میں عد واجب ہوتی ہو وہ گناہ مراد ہیں۔ شیطان کے حکم کرنے کے یہ معنی کہ برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے اور اس وسوسہ ڈالنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اسے غلبہ بھی حاصل ہو غلبہ تو اسے اس کے متبعین کے سوا اور کسی پر ہوتا ہی نہیں۔ جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ابلیس علیہ اللعنۃ اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنے لشکر کے لوگوں کو بہکانے کے لیے بھیجتا ہے اس کے یہاں ادنیٰ ادنیٰ مرتبہ کے شیطان بھی عالم میں بڑے بڑے فتنے پھیلا دیتے ہیں چنانچہ جب وہ بہکا کر آتے ہیں تو ہر ایک اپنی اپنی کارگذاری بیان کرتا ہے ایک کہتا ہے کہ میں نے آج فلاں برا کام کرا دیا ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک اور آتا ہے وہ کہتا ہے میں نے بہت بڑا کام کیا ہے ایک شخص اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دی ابلیس سن کر خوب خوش ہوتا ہے اور اس کو مقرب بناتا ہے اور کہتا ہے تو نے خوب کام کیا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان کا بھی اثر ہے اور فرشتہ کا بھی۔ شیطان کا اثر تو یہ ہے کہ شر کا وعدہ دلاتا اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتہ کا اثر یہ ہے کہ بھلائی کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے تو جو شخص ملکوتی خیال اپنے جی میں پائے تو جانے کہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی حمد کرے اور جو برائی کا وسوسہ آئے تو شیطان کے مکر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ پھر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آیت: اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (شیطان تم سے فقر کا وعدہ کرتا ہے اور تم کو برائی کا حکم کرتا ہے) تلاوت فرمائی۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ شیطان کے امر کو وسوسہ ہی پر ٹالا اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا

لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اس بات کا کہ اللہ پر بہتان باندھو جو تم نہیں جانتے) وَ اَنْ تَقولوا کا عطف بالسوء پر ہے اور محلاً مجرور ہے۔ ما لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی جس کی خبر نہیں وہ اللہ پر باندھنے لگو مثلاً اللہ تعالیٰ نے کھیتی چوپائے اور سانڈھ وغیرہ حرام نہیں فرمائے تم اپنی طرف سے حرام ٹھہراؤ۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝١٧٠ ﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی تابعداری کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں۔

شانِ نزول:

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور جنت کی رغبت دلائی اور عذاب سے ڈرایا تو رافع بن حریملہ یہودی نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ جس پر

ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اسی پر چلیں گے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عالم اور ہم سے اچھے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [۱]

گمراہی اور جہالت کیا ہے

یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے پانی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے حق کہنے سے بے زبان ہے حق کے راہ چلنے سے اندھی ہے عقل وفہم سے دور ہے، جیسے اور جگہ ہے آیت (صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ) 6۔الانعام:39) یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے، گونگے اور اندھیرے میں ہیں جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھی راہ لگا دے۔ [۲]

۱۔(مظہری ۱٦٥۔۱٦٦۔۱)

۲۔تفسیر ابن کثیر

معارف ومسائل

اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید واتباع کی مذمت ثابت ہوئی اسی طرح جائز تقلید و اتباع کے شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہوگیا جس کی طرف دو لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے لَا یَعۡقِلُوۡنَ اور لَا یَہۡتَدُوۡنَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباء واجداد کی تقلید واتباع کو اس لیے منع کیا گیا ہے کہ انھیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نازل کئے گئے اور عقل سے مراد وہ جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے۔

تو وجہ ان کے اتباع وتقلید کے عدم جواز کی یہ ہے کہ نہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے ہوئے احکام ہیں اور نہ اس کی صلاحیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے احکام نکال سکیں اس میں اشارہ پایا گیا کہ جس عالم کے متعلق یہ اطمینان ہوجائے کہ ان کے پاس قرآن وسنت کا علم ہے اور اس کو درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے کہ جو احکام صراحۃً قرآن وسنت میں نہ ہوں ان کو نصوص قرآن وسنت سے بذریعہ قیاس نکال سکتا ہے تو ایسے عالم مجتہد کی تقلید واتباع جائز ہے نہ اس لیے کہ اس کا حکم ماننا اور اس کا اتباع کرنا ہے بلکہ اس لیے کہ حکم اللہ کا ماننا اور اسی کا اتباع کرنا ہے مگر چونکہ ہم براہ راست اللہ کے حکم سے واقف نہیں ہوسکتے اس لیے کسی عالم مجتہد کا اتباع کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہوسکے،

جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمہ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیات پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔

امام قرطبیؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورہ یوسف میں اس طرح آئی ہے،

(آیت) اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ (۱۲:۳۷:۳۸) میں نے ان لوگوں کی ملت و مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں، اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اسحاق اور یعقوب کا،

اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے،

امام قرطبیؒ نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کے متعلق بھی مسائل و احکام بیان کئے ہیں اور فرمایا ہے،

تعلق قوم بھذہ الایۃ فی ذم التقلید (الیٰ) وھذا فی الباطل صحیح اما التقلید فی الحق فاصل من اصول الدین وعصمۃ من عصم المسلمین یلجاء الیھا الجاھل المقصر عن درک النظر۔ [۱]

کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ

۱۔ (قرطبی ص ۱۹٤: ج ۲)

دین کے معاملہ سے تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔

﴿ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ ﴾

اور مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بلاوے کے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

"نعق" کا معنی:

"نعق" کا معنی ہے: چرواہے کا اپنی بکریوں کو ڈانٹنا اور للکارنا۔ اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے' اس کی حسب ذیل تفسیر کی گئی ہیں:

(۱) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کفار کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ اس دعوت پر کان نہیں دھرتے اور لبیک نہیں کہتے' اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی مویشیوں کو چرانے والا اپنی بکریوں اور

اونٹوں کو آوازیں دے کر بلا رہا ہو اور وہ جانور اس کی صرف آواز سن رہے ہوں اور ان کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ عکرمہؒ، سدیؒ زجاج، فراء اور سیبویہ وغیرہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

(۲) کفار اپنے باطل معبودوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آدھی رات کو چلا رہا ہو اور اس کی آواز گونج رہی ہو۔

(۳) کفار اپنے بتوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے گم شدہ مویشیوں کو پکار رہا ہو اور اس کو پتا نہ ہو کہ وہ مویشی کہاں ہیں۔ "صم بکم عمی" کی تفسیر البقرہ:۱۸ میں گزر چکی ہے۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ ﴾

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ ہی کے شکر گزار بنو اگر تم اس کی بندگی کرنے والے ہو۔

حلال اور حرام کیا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو، لقمہ حلال دعا عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا، مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول

فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں فرمان ہے آیت (يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا) 23۔ المؤمنون: 51) اور فرمایا آیت (يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) 2۔البقرۃ:172) پھر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کے ہیں اس لیے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (۱)

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾ ﴾

اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز حرام کی ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، پھر جو مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر

حرام کیے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان

"میتۃ" (مردار) ذبح کیے جانے والے جانوروں میں سے جو جانور بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر گیا ہو اس کو مردار کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی اس نص قطعی سے ہر مردار کا کھانا حرام ہے تاہم اس کے عموم سے سمندر کے مردہ جانوروں کو خاص کر لیا گیا ہے قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ"۔ (المائدہ:٩٦) ترجمہ: تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مچھلی ہو یا کوئی اور سمندری جانور سب بغیر ذبح کے حلال ہیں' امام مالکؒ کے نزدیک سمندری خنزیر کے علاوہ سب حلال ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے باقی سمندری جانور حرام ہیں' امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانوروں سے گھن آتی ہے اور گھناؤنے جانور حرام ہیں۔

قرآن مجید میں ہے: (آیت) "ویحرم علیہم الخبٰٓئث"۔ (الاعراف:١٥٧) اور ناپاک چیزیں آپ ان پر حرام کرتے ہیں"۔

امام احمدؒ نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے' اور اس حدیث سے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔[١]

امام احمدؒ نے فرمایا: یہ حدیث سو حدیثوں سے بہتر ہے' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: سمندر کے طعام

١۔ (سنن ابوداؤد ج ١ ص ١١' مطبع مجتبائی' لاہور)

سے مراد سمندر کے مردار جانور ہیں' البتہ جو جانور طبعی موت سے مر کر سطح آب کے اوپر آ جائے وہ بدبودار ہو جاتا ہے' اس کا کھانا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (۱)

علامہ قرطبی ؒ لکھتے ہیں: امام مالکؒ کے نزدیک قرآن مجید کے حکم عام کی سنت سے تخصیص جائز نہیں ہے' اس لیے اگر ٹڈی اپنی طبعی موت سے مر جائے تو اس کا کھانا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ وہ خشکی کا شکار ہے اور بغیر ذبح کے اللہ تعالیٰ نے صرف سمندر کا شکار حلال کیا ہے' اور امام ابوحنیفہؒ ' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مچھلی اور ٹڈی کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (۲)

امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں' رہے مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔ (۳)

عنبر کی تحقیق: علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: اسی طرح حضرت جابرؓ کی عنبر کے متعلق حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور وہ عموم قرآن کی تخصیص کرتی ہے' اس کو امام بخاری اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ (۴)

ان حدیثوں کو بیان کرنے سے پہلے ہم عنبر کا معنی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

'(ازھری نے کہا:) یہ ایک سمندری مچھلی ہے' بعض نے کہا: یہ زعفران ہے' بعض نے کہا: یہ سمندری کی

۱۔(المغنی ج ۹ ص ۳۱۵۔۳۱٤ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱٤۰۵ھ)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

۳۔(سنن ابن ماجہ ص' ۲۳۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام احمد۔۱ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص، ۲۹۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) اور امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ٤ ص' ۲۷۲ مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۴۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

مچھلی کی ڈھال ہے۔ (۱)

علامہ زبیدی رحمہ اللہ سمندری مچھلی کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس مچھلی کا طول پچاس ذراع (پچھتر فٹ) ہوتا ہے۔ (۲)

امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عنبر دفینہ نہیں ہے' وہ ایک چیز ہے جس کو سمندر نکال کر (ساحل پر) پھینک دیتا ہے۔ (۳)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے عنبر کے متعلق جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں' امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا' ہم قریش کے قافلہ کو تلاش کر رہے تھے' زادراہ میں ہمارے پاس صرف کھجوروں کی ایک تھیلی تھی' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں ہر روز ایک ایک کھجور دیتے تھے' روای نے پوچھا: آپ اس ایک کھجور کو کس طرح کھاتے تھے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اس کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ چوستا ہے' پھر ہم اس کے بعد پانی لیتے تھے تو وہ ہمیں ایک دن اور رات کے لیے کافی ہوتی تھی' اور ہم لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے' پھر ان کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ ایک دن ہم ساحل سمندر پر گئے' وہاں کنارے پر ایک بڑے ٹیلے کی مانند کوئی چیز پڑی ہوئی تھی' ہم اس کے پاس گئے' دیکھا تو وہ ایک جانور ہے' جس کو عنبر (مچھلی) کہا جاتا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مردار ہے' پھر کہا نہیں! ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نمائندے ہیں اور اللہ کے راستے میں ہیں اور تم لوگ حالت اضطرار میں

۱۔ (قاموس ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوع داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

۲۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۴۲۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱۴۰۶ھ)

۳۔ (صحیح بخاری ج ص' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ہو سو اس کو کھالو ہم لوگ تین سو تھے اور وہاں ایک ماہ ٹھہرے تھے اور اس کو کھا کر ہم موٹے ہو گئے تھے مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے مشکوں سے بھر بھر کر اس جانور سے چربی نکالی تھی اور اس میں سے بیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو لے کر اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں بٹھا دیئے اور اس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور سب سے بڑے اونٹ کی پیٹھ پر کجاوہ کس کر اس کے نیچے سے گزار لیا' اور اس کے گوشت کو ابال کر ہم نے زادراہ تیار کر لیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: یہ ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے' کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ اگر ہے تو ہمیں کھلاؤ' حضرت جابرؓ کہتے ہیں: پھر ہم نے اس میں سے کچھ گوشت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اس کو تناول فرمایا۔ [1]

سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم

جو مچھلی طبعی موت سے پانی کے اندر مر جائے اور بدبودار ہو کر سطح آب پر ابھر آئے' امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو بھی کھانا جائز ہے' اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں ہے' امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ حدیث ہے: امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس کو سمندر پھینک دے یا جس جانور سے پانی منقطع ہو جائے

۱۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص' ۸۲۵-۸۲۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس کو کھالو اور جو جانور پانی میں مر کر اوپر آ جائے اس کو مت کھاؤ۔ (۱)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب' مردار خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے' آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! مردار کی چربی کے متعلق بتایئے کیونکہ اس چربی سے کشتیوں پر روغن کیا جاتا ہے اور اس کا تیل کھالوں پر لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: نہیں! وہ حرام ہے' پھر اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے' جب اللہ نے مردار کی چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھایا۔ (۲)

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُو۟لَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِى بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ ﴾

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے، قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

شان نزول

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ (آیت) ان الذین یکتمون (الخ) اور وہ آیت جو کہ سورہ آل عمران میں ہے (آیت) "ان الذین یشترون"۔ یہ دونوں آیات یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

اور ثعلبیؒ نے بواسطہ کلبیؒ، ابو صالحؒ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ہے کہ یہ آیت کریمہ یہودیوں کے علماء اور ان کے رؤسا کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ اپنے غریبوں سے ہدیہ اور تحفے لیا کرتے تھے اور اس بات کی امید رکھتے تھے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان ہی میں سے نازل ہونگے، جب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے علاوہ دوسروں میں تشریف لے آئے تو انھیں اپنی ریاست کے زوال اور اپنے تحائف کے ختم ہوجانے کا ڈر ہوا، تو انہوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف میں (جو کہ تورات میں بیان کیے گئے تھے) تبدیلی کردی اور پھر وہ تبدیل شدہ اوصاف اپنی قوم کے سامنے بیان کرنے لگے اور بولے کہ وہ نبی جو اخیر زمانہ میں مبعوث ہونگے، ان کی یہ صفت ہے یہ اوصاف ان نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نہیں پائے جاتے، اس پر اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ (آیت) "ان الذین یکتمون" الخ نازل فرمائی۔ [1]

تورات میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا' اور پاک اور صاف چیزوں کو نہ کھانا جس طرح گمراہی اور گناہ ہے' اسی طرح تورات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کو چھپانا اور ان کے عوض دنیا کا قلیل مال حاصل کرنا گمراہی اور گناہ ہے۔ جس چیز سے بعینہ فائدہ حاصل نہ کیا جاسکے بلکہ اس کو خرچ کر کے کوئی فائدہ کی چیز حاصل کی جاسکے اس کو ثمن کہتے ہیں' علماء یہود تورات کی آیات کو چھپا کر جو دنیا فوائد اور نذرانے حاصل کرتے تھے اس کو ثمن قلیل اس لیے فرمایا کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی مدت قلیل ہے اور دنیا کی متاع بجائے خود قلیل ہے۔ یہ فرمایا کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں' تاکہ کھانے کا معنی موکد ہوجائے اور یہ وہم نہ ہو کہ یہاں آگ کھانا مجاز ہے' اس آیت کی تفصیل البقرہ:٤١ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ

امام مسلم رح روایت کرتے ہیں: حضرت ابوذر رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کو تین بار پڑھا' حضرت ابوذر رض نے کہا: یہ لوگ نقصان اٹھانے والے اور نامراد

---

[1] ۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

ہیں۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: (تکبر سے) چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا' احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا' نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے اور روایت میں ہے: جو شخص جنگل میں مسافر کو فالتو پانی دینے سے (بھی) منع کرے' جو شخص عصر کے بعد کسی کو جھوٹی قسم کھا کر سودا فروخت کرے اور یہ کہے کہ خدا کی قسم! اس نے وہ چیز اتنے کی لی تھی حالانکہ اس طرح نہ ہو' اور وہ شخص اس کو سچا سمجھے' اور جو شخص کسی امام سے مال دنیا کی خاطر بیعت کرے اگر وہ اس کو مال دے تو وہ اس سے وفا کرے اور مال نہ دے تو اس سے وفا نہ کرے۔ (۱)

اس وعید کے متعلق امام مسلم نے تین مختلف روایت کی ہیں' ہر حدیث میں تین مختلف شخصوں کا بیان ہے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا' خلاصہ یہ ہے کہ یہ نو ایسے گناہ ہیں جن کی وجہ سے قیامت کے دن انسان اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے محروم ہوگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس امت میں ان کبائر میں مبتلا رہیں گے اور بغیر توبہ کے مرجائیں گے' اور قرآن مجید میں اس عذاب کا مصداق ان یہودیوں کو قرار دیا ہے جو تورات میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آیات کو چھپاتے تھے۔

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۰ھ)

بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے' ان کا کتنا حوصلہ ہے کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے پر تیار ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ (یہی ہیں جنھوں نے خریدی گمراہی ہدایت کے بدلے اور قہر مہر کے بدلے۔۔) یعنی یہ لوگ حق بات کو اپنی اغراض فاسدہ کی وجہ سے مخفی رکھ کر سود مند نہ ہوئے ہر طرح سے خسارہ ہی خسارہ میں رہے دنیا میں تو یہ خسارہ کہ ہدایت کی دولت چھوڑ کر چاہ ضلالت میں گر گئے اور آخرت کا یہ نقصان کہ مغفرت سے روگردانی کر کے عذاب دائمی میں گرفتار ہوئے۔

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (سو کس قدر سہار ہے ان کو آگ کی) یہ مومنوں کے تعجب دلانے کے لیے فرمایا۔ حاصل یہ ہے کہ اے مومنوں دیکھو تو یہ لوگ کیسے جرات سے جہنم میں جانے کے اسباب کو جان بوجھ کر اختیار کر رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ پر بڑا صبر ہے۔

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ﴾

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے حق کے ساتھ کتاب اتاری تھی اور بیشک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔

ذٰلِكَ : ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ عذاب ہے۔ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (اس لیے کہ اللہ ہی نے اتاری کتاب سچی) کتاب سے یا تورات مراد ہے اور یا مطلق کتاب مراد ہے کہ جو تورات اور قرآن اور دیگر کتب سماویہ کو شامل ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ نے تو اپنی سچی اور حق کتاب نازل فرمائی تھی لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے کفر اختیار کر لیا کسی نے گمراہی کو شیوہ بنا لیا کوئی راہ راست پر رہا اس سبب سے مستوجب عذاب ہوئے اور بعض مفسرین نے کہا ہے: بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ میں الکتاب سے مراد آیت: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ الخ ہے یعنی خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کو سب برابر ہے ایمان نہ لائیں گے مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر۔ حاصل آیت کا اس صورت میں یہ ہے کہ یہود کو ارتکاب معاصی اور اخفاء حق کی اس لیے جرات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھی سچی دوٹوک بات فرمادی ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے یہ سن کر جری ہو گئے کہ جب ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے تو آؤ خوب دل کھول کر شرارتیں کریں۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ (اور جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں بیشک وہ پرلے درجہ کی مخالفت میں ہیں) الکتاب میں الف لام یا تو جنس کا ہے اور اختلاف کے یہ معنی ہیں کہ کتاب کے بعض حصے پر تو ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا اور یا الف و لام عہد کا ہے اس صورت میں اشارہ یا تو تورات کی جانب ہے اور اس میں اختلاف کرنے کے یہ معنی ہیں کہ بعض احکام تو مانتے ہیں اور بعض پر مطلق کان نہیں دھرتے مثلاً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ یہ بھی تورات کا ہی حکم ہے اور یا الف و لام سے قرآن پاک کی طرف اشارہ ہے اس میں یہ

اختلاف کرتے ہیں کہ کبھی اس کو سحر سے تعبیر کرتے ہیں کبھی اس کا کلام بشر ہونا گاتے پھرتے ہیں کبھی بکتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ یعنی حق سے مرحلوں اور منزلوں دور ہیں۔ (۱)

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ ﴾

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کو آزاد کے بدلے۔ اور غلام کو غلام کے بدلے، اور عورت کو عورت کے بدلے، سو جس شخص کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کردی جائے تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقہ پر اس کی ادائیگی ہو۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف

۱۔ تفسیر معارف القرآن ادریس کاندھلوی ؒ

سے اور رحمت ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لیے درد ناک عذاب ہے۔

اس سے پہلے عبادات اور معاملات کے متعلق احکام بیان کیے گئے تھے اب فوجداری معاملات سے متعلق احکام شرعیہ بیان کیے جا رہے ہیں۔

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ روایت کرتے ہیں: زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے' ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ اور پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کر دیتا تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے' اسی طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی' اللہ تعالیٰ نے اس تکبر اور بغاوت سے منع کیا اور فرمایا: آزاد کے بدلہ میں آزاد کو' غلام کے بدلہ میں غلام کو اور عورت کے بدلہ میں عورت کو قتل کیا جائے گا' اور سورہ مائدہ میں فرمایا: جان کا بدلہ جان ہے' آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے' ناک کا بدلہ ناک ہے' کان کا بدلہ کان ہے' دانت کا بدلہ دانت اور ہر زخم کے بدلہ میں زخم ہے۔ [۱]

غلام اور ذمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسلمان کو کافر کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۶۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

قاضی بیضاوی شافعیؒ لکھتے ہیں: امام مالک اور امام شافعیؒ نے آزاد شخص کو غلام کے بدلہ میں قتل کرنے سے منع کیا ہے خواہ وہ غلام اس قاتل کا ہو یا اس کے غیر کا' کیونکہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام کو قتل کر دیا' تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس شخص کو کوڑے مارے' اس کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا' اور اس سے اس کے غلام کا قصاص نہیں لیا۔ (۲)

نیز حضرت علیؓ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے اور نہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ (۳)

اور اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ محضر صحابہ میں آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کرتے تھے' اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ (۴)

نیز اس پر اتفاق ہے کہ غلام کے اعضاء کے بدلہ میں آزاد کے اعضاء نہیں کاٹے جاتے' اور قرآن مجید میں جو ہے: "النفس بالنفس" جان کا بدلہ جان ہے" خواہ غلام کی جان ہو یا آزاد کی ہو' اس سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ یہ تورات کا حکم ہے اور تورات کا حکم قرآن کے اس حکم کے لیے ناسخ نہیں ہو سکتا کہ آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ (۵)

۱۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۴٦ المغنی ج ۸ ص ۲۴۱)

۲۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۴)

۳۔(سنن کبری ج ۸ ص ۳۴' مطبوعہ ملتان)

۴۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۵)

۵۔(انوار التنزیل ص ۳۷۔۳٦ مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' بیروت)

اس آیت میں مفہوم مخالف سے استدلال نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ شروع میں قاضی بیضاوی ؒ نے بھی اعتراف کیا ہے' پھر قاضی بیضاوی کا اپنے مذہب کو قرآن کا حکم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ حدیث بھی دلیل ہے۔امام بخاری ؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو جحیفہ ؓ نے حضرت علی ؓ سے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا مرقوم ہے؟ فرمایا دیت اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

غلام اور ذمی کے قصاص کے متعلق امام ابوحنیفہ ؒ کا مذہب

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی ؒ لکھتے ہیں: آزاد کو آزاد اور غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' چھوٹے کو بڑے کے بدلہ میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور مسلمان اور ذمی کو مستامن کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور مستامن کو مستامن کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور صحیح الاعضاء کو اپاہج' اندھے' مجنون اور ناقص الاعضاء کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور کسی شخص کو اس کے بیٹے' اس کے غلام اس کے بیٹے کے غلام' اور اس کے مکاتب کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔ (۲)

آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل:

ائمہ ثلاثہ نے امام ابوحنیفہ ؒ سے دو صورتوں میں اختلاف کیا ہے' پہلا اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک جائز ہے امام ابوحنیفہ ؒ

۱۔(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔(الاختیار ج ٤ ص ۲۷۔۲٦۔مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: (آیت) "یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی"۔(البقرہ:١٧٨) ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے: اس آیت میں مقتول کا لفظ عام ہے' یہ ہر مقتول کو شامل ہے' خواہ آزاد ہو یا غلام' مسلمان ہو یا ذمی' اس کا بدلہ اس کے قتل کرنے والے سے لیا جائے گا' خواہ وہ آزاد ہو یا غلام' لہذا اگر آزاد شخص نے کسی کے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کا قصاص اس آزاد سے لیا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے: (آیت) "ان النفس بالنفس"۔(المائدہ:٤٥) ترجمہ: بیشک جان کا بدلہ جان ہے۔ اس آیت میں بھی مطلقا فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آزاد یا غلام کا فرق نہیں کیا گیا اور اس پر علامہ بیضاوی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید نے یہ تورات کا حکم بیان کیا ہے' یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا رد کیا ہوتا' اور سابقہ شریعتوں کے جو احکام قرآن اور سنت میں بلانکیر بیان کیے گئے ہیں وہ ہم پر حجت ہیں۔ اس آیت کے ہمارے حق میں حجت ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو مسلمان شخص اس کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' اس کا خون صرف تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے بہانا جائز ہے: جان کا بدلہ جان' شادی شدہ زانی اور دین سے مرتد ہونے والا اور جماعت کو ترک کرنے والا۔ [١]

اس حدیث میں بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مطلقا فرمایا: جان کا بدلہ جان ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ سورہ مائدہ کی مذکور الصدر آیت ہمارے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ تورات کے ساتھ خاص

١۔ (صحیح بخاری ج ٢ ص ١٠١٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ ھ) اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ٢ ص ٥٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ ھ)

نہیں ہے' نیز ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے (آیت) "ولکم فی القصاص حیوۃ،
(البقرہ:۱۷۹) ترجمہ: اور قصاص کے حکم میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ اس آیت میں بر سبیل عموم فرمایا
ہے کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اور اس کو آزاد یا غلام کے ساتھ خاص نہیں کیا' قصاص کی وجہ
سے مسلمان کسی کو قتل کرنے سے باز رہیں گے' آزاد غلام کو قتل کرے گا نہ غلام آزاد کو۔ امام ابوحنیفہؒ کے
موقف کے ثبوت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے' حافظ الہیثمیؒ بیان کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہؓ
بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' اس سے
خیانت کرے نہ اس کو ذلیل کرے' ان کا خون ایک دوسرے (کے کفو) کی مثل ہے' الحدیث۔ اس
حدیث کو امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی کا نام قاسم بن ابی
الزناد لکھا ہے حالانکہ اس کا نام ابوالقاسم بن ابی الزناد ہے' اس کے علاوہ حافظ الہیثمیؒ نے اس حدیث پر
اور کوئی جرح نہیں کی۔ [1]

آزاد سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب: قاضی بیضاویؒ نے ائمہ ثلاثہ
کے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو رسول اللہ (صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس سے قصاص نہیں لیا۔ [2]

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے موقف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا
مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' اختلاف اس صورت میں
ہے جب کوئی آزاد شخص کسی دوسرے شخص کے غلام کو قتل کر دے۔ دوسری حدیث میں جس سے قاضی

۱۔ (مجمع الزوائد ج۱ ص ۲۸۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)
۲۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ ص ۳۰۴)

بیضاوی نے استدلال کیا ہے اس کو امام بیہقی ؒ نے "سنن کبریٰ" میں از جابر از عامر حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہ قتل کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی ؒ نے خود "کتاب المعرفۃ" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں جابر جعفی متفرد ہے اور اس کے معارض حضرت علیؓ سے دو روایتیں ذکر کی ہیں کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس میں قصاص ہے ہر چند کہ ان روایتوں کو بھی انہوں نے منقطع لکھا ہے۔ (۱)

قاضی بیضاوی ؒ نے تیسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کرتے تھے اور اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی آزاد شخص اپنے غلام کو قتل کر دے کیونکہ اسی صورت میں قصاص نہ لینے پر اتفاق ہے' حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی "معجم اوسط" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ نہ سنا ہوتا کہ مملوک کا قصاص مالک سے نہیں لیا جائے گا اور نہ بیٹے کا باپ سے تو میں تم سے قصاص لیتا۔ (۲)

نیز متعدد صحابہ اور تابعین کا یہ موقف ہے کہ اگر آزاد کسی کے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ابراہیم ؒ نے کہا کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور غلام کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ سعید بن المسیب ؒ نے کہا کہ اگر آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا

۱۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۹۸ ص ۱۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

۲۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۸۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

'پھر کہا: بہ خدا! اگر تمام یمن والے مل کر ایک غلام کو قتل کریں تو میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

شعبیؒ نے کہا: آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ سفیانؒ نے کہا: اگر کوئی شخص دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اپنے غلام کو قتل کرے تو پھر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ [1]

ان روایات سے قطع نظر امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب قرآن مجید کی صریح آیات پر مبنی ہے اور امام اعظم کے مذہب میں انسانیت کی تکریم ہے کیونکہ آپ نے آزاد اور غلام مسلمانوں کے خون میں کوئی فرق نہیں کیا۔

مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کی طرف سے "صحیح بخاری" کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا' امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کافر حربی پر محمول ہے' اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے: ایمان والو! تم پر قتل (مقتول) میں قصاص فرض کیا گیا ہے' مقتول کا لفظ عام ہے مسلمان اور ذمی دونوں کو شامل ہے' اور حربی کافر' قرآن مجید کی ان آیتوں سے مستثنیٰ ہے جن میں کفار اور مشرکین کو قتل کرنے حکم دیا گیا ہے' اسی طرح سورہ مائدہ میں ہے: جان کا بدلہ جان ہے اور "صحیح بخاری" اور صحیح مسلم" میں یہ حدیث ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ نیز امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں: عبدالرحمن سلیمانیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک مسلمان شخص کو لایا گیا جس نے ایک

۱۔ (المصنف ج ۹ ص ۳۰۷۔۳۰۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

ذمی شخص کو قتل کر دیا تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کی گردن مار دی اور فرمایا: میں ذمی کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہو۔ عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح حضرمیؒ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا جس نے ایک کافر کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور فرمایا: میں اس کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔ (۱)

امام بیہقیؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔۔۔ (۲)

نیز امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ذمی کو عمداً قتل کر دیا' یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پیش کیا گیا' حضرت عثمانؓ نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پر بھاری دیت مقرر کی جیسے مسلمان کے قتل ناحق پر مقرر کی جاتی ہے۔ امام بیہقیؒ نے کہا: یہ حدیث متصل ہے۔ (۳)

یہ حدیث بھی امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کیونکہ دیت قصاص کی فرع ہے' فریقین میں صلح یا کسی اور وجہ سے قصاص کی جگہ دیت فرض کی گئی۔ انسانیت کی تکریم اور عدل و انصاف کے قریب امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ جب ذمی سے اس کی جان اور مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا اور اس سے اس کی جان اور مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا اور اس سے اس کے بدلہ میں جزیہ لیا گیا تو اس کا یہی تقاضا ہے کہ اگر ذمی کو مسلمان بھی قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے' اس سے اسلام میں اخلاق کی بلندی' اصول کی برتری

۱۔ (مراسیل ابوداؤد ص ۱۲' مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز' کراچی)

۲۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۳۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۳' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

اور تکریم انسانیت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے قصاص لینے کا بیان:

ظاہر یہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر چند آدمیوں کی جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کر دے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا' کیونکہ ظاہر آیت نے قصاص اور مساوات کی شرط لگائی ہے اور واحد اور جماعت میں مساوات نہیں ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا خواہ قاتل واحد ہو یا متعدد۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر اس کے قتل میں (تمام) اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا' اور مغیرہ بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ چار آدمیوں نے مل کر ایک بچے کو قتل کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کی مثل فرمایا۔ [۱]

سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق احادیث اور آثار:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان اگر اپنی رعیت میں سے کسی شخص پر زیادتی کرے تو وہ خود اپنی ذات سے قصاص لے گا' کیونکہ سلطان اللہ تعالیٰ کے احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مقتول کے سبب سے تمام مسلمانوں پر قصاص کو فرض کیا ہے اگر سلطان کسی شخص کو بے قصور قتل کر دیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ خود کو قصاص کے لیے پیش کرے' امام نسائیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوئی چیز تقسیم کر رہے تھے' ایک شخص آپ پر جھک گیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو ایک چھڑی چبھوئی' اس نے ایک چیخ ماری' رسول اللہ (صلی اللہ

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: آؤ بدلہ لے لو؛ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔ ①

امام ابوداؤد ؒ نے روایت کیا ہے کہ اس کے چہرہ پر زخم لگ گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: آؤ مجھ سے بدلہ لے لو؛ اس نے کہا: میں نے معاف کر دیا۔ ②

امام نسائی ؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا ہے۔ ③

امام ابوداؤد ؒ روایت کرتے ہیں: ابوفراس ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: میں عاملوں کو اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ لوگوں کے جسموں پر ضرب لگائیں اور نہ اس لیے کہ وہ ان کا مال لیں، جس شخص کے ساتھ کسی حاکم نے ایسا کیا وہ مجھ سے شکایت کرے، میں اس سے قصاص لوں گا، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے کہا: اگر کوئی شخص اپنی رعیت کو تادیبا مارے آپ پھر بھی اس سے قصاص لیں گے؟ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں اس سے قصاص لوں گا، اور بیشک میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا ہے، آپ نے اپنے نفس کو قصاص کے لیے پیش کیا تھا۔ ④

۱۔(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۴۔۲۴۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۲۔(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۶۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۳۔(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔(مسند احمد ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

۴۔(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ) اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔(سنن کبری ج ۸ ص ۴۸، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں: ابونصر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیکھا کہ ایک شخص نے (سرخ رنگ کی) خوشبو لگائی ہوئی تھی' آپ نے وہ تیر اس کو چبھو کر فرمایا: کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس شخص نے کہا: رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اور بیشک آپ نے مجھے زخمی کر دیا ہے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تیر اس کے آگے ڈال دیا اور فرمایا: تم اپنا بدلہ لے لو' اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب آپ نے مجھے تیر چبھویا تھا تو میرے بدن پر کپڑا نہیں تھا اور آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پیٹ سے کپڑا اہٹا دیا' اس شخص نے جھک کر آپ کے بدن مبارک کا بوسہ لے لیا۔ حضرت سواد بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت میں نے سرخ رنگ کی خوشبو لیپی ہوئی تھی' جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اے سواد بن عمرو! تم نے درس (ایک خوشبودار گھاس جس سے سرخ رنگ ہو جاتا ہے) کا لیپ کیا ہوا ہے' کیا میں نے تم کو اس خوشبو سے منع نہیں کیا تھا؟ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی' آپ نے مجھے وہ چبھوئی جس سے مجھے درد ہوا' میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے بدلہ دیں' آپ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اہٹا دیا اور میں آپ کے پیٹ کو بوسہ دینے لگا۔ ابو یعلیٰؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیرؓ بہت ہنسانے والے تھے' ایک دن وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کرر ہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے انگلی اس کی کوکھ میں چھوئی' انہوں نے کہا: آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے' آپ نے فرمایا: بدلہ لے لو' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے اور میں نے قمیص نہیں پہنی ہوئی' رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قمیص اٹھا دی وہ آپ کے بدن سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کا بوسہ لے لیا اور کہنے لگے: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' میرا یہی ارادہ تھا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک حبشی شخص کو لشکر میں بھیجا' اس نے واپس آ کر کہا کہ لشکر کے امیر نے بغیر کسی قصور کے میرا ہاتھ کاٹ دیا' حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو میں اس سے ضرور تمہارا بدلہ لوں گا۔ الحدیث ملخصا۔ جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوموسیؓ کے ساتھ مل کر دشمن پر غلبہ پایا اور مال غنیمت حاصل کیا' حضرت ابوموسی ؓ نے اس کو اس کا حصہ دیا اور تمام مال غنیمت نہیں دیا' اس نے منع کیا اور کہا: وہ تمام مال غنیمت لے گا' حضرت ابوموسیؓ نے اس کو بیس کوڑے مارے اور اس کا سر مونڈ دیا' اس نے وہ تمام بال جمع کیے اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور حضرت ابوموسیؓ کی شکایت کی اور وہ بال نکال کر دکھائے' حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیؓ نے کے نام خط لکھا: سلام کے بعد واضح ہو کہ فلاں شخص نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے اور میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ اگر واقعی تم نے اس شخص کے یہ زیادتی لوگوں کے مجمع میں کی ہے تو میں لوگوں کے مجمع میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا اور اگر تم نے تنہائی میں اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی کی ہے تو میں تنہائی میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا' لوگوں نے سفارش کی اور کہا: ابوموسی کو معاف کر دیجئے' حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں! خدا کی قسم! میں کسی شخص کے ساتھ رعایت نہیں کروں گا' جب حضرت عمرؓ نے اس شخص کو وہ خط دیا اور قصاص لینے کے لیے تیار ہو گئے تو اس شخص نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: میں نے ان کو اللہ کے لیے معاف کر دیا۔ [۱]

۱۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۵۰' ۴۸ مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

قصاص لینا حکومت کا منصب ہے

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود قصاص لے' قصاص لینے کے لیے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس مرافعہ کیا جائے' پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کے لیے مقرر کرے گا' قانون پر عمل کرنے کا منصب صرف حکومت کا ہے' ہر شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے' اسی طرح جادوگر اور مرتد کو قتل کرنا اور حدود اور تعزیرات کو جاری کرنا حکومت کا منصب ہے۔

کیفیت قصاص اور آلہ قتل میں ائمہ مذاہب کی آراء اور ان کے دلائل

امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا راجح مذہب یہ ہے کہ جس طرح اور جس کیفیت سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے اسی طرح اور اسی کیفیت سے قاتل کو قتل کیا جائے اور یہی قصاص کا تقاضا ہے کیونکہ قصاص کا معنی ہے: بدلہ' اور بدلہ اسی صورت میں ہوگا' نیز حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے پتھر مار کر ایک باندی کو قتل کیا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی اس یہودی کا پتھر سے سر پھاڑ کر اس کا بدلہ لیا' امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے دو پتھروں کے درمیان ایک باندی کا سر پھاڑ دیا' اس باندی سے پوچھا گیا: کس نے تمہارا سر پھاڑا ہے' کیا فلاں نے' یا فلاں نے حتیٰ کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس باندی نے سر ہلایا' اس یہودی کو بلایا گیا' اس نے قتل کرنے کا اقرار کر لیا تو اس کا سر بھی پتھر سے پھاڑ دیا گیا۔[1]

امام ابوحنیفہؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور اس

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶۔۱۰۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حدیث میں مثلہ کرنے کی ممانعت سے پہلے کے واقعہ کا بیان ہے جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مثلہ کرنے سے منع فرمادیا تو پھر اس کیفیت سے قصاص لینا منسوخ ہوگیا' امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے' امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں؛ حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا (جائز) نہیں ہے۔ ①

امام ابن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تلوار کے بغیر کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ ابراہیمؒ نے کہا: جس شخص کو پتھروں سے قتل کیا جائے یا اس کا مثلہ کیا جائے اس کا قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا' اس کو مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ شعبیؒ نے کہا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ قتادہؒ نے کہا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ ②

علامہ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں: جس کیفیت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس کو قتل کیا جائے گا اگر اس نے غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا اور اگر اس نے پتھر سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھر سے قتل کیا جائے گا' امام مالک اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے' البتہ اگر اس کیفیت سے زیادہ عذاب ہو تو پھر اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور جس نے آگ سے جلا کر قتل کیا اس کے متعلق امام مالکؒ کے مختلف قول ہیں۔ ③

۱۔(سنن ابن ماجہ ص ۱۹۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۲۔(المصنف ج ۹ ص ۳۵۵۔۳۵٤' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

۳۔(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: جو شخص کسی کو عمداً قتل کرے گا تو جس کیفیت سے اس نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس سے قصاص لیا جائے گا' اگر کسی نے تلوار سے قتل کیا ہے تو اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے پتھر یا لکڑی سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھر یا لکڑی سے قتل کیا جائے گا۔ ①

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے دوسرے شخص پر متعدد وار کر کے زخمی کر دیا' پھر زخم مندمل ہونے سے پہلے اس کو قتل کر دیا تو اس کی گردن پر تلوار مار کر اس کو صرف قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے۔ بغیر تلوار کے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ عطاءؒ، ثوری' امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس صفت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی صفت سے اس کو قتل کیا جائے گا حتی کہ اگر اس نے آگ میں جلایا ہے تو اس کو بھی جلایا جائے گا' اور اگر اس نے دریا میں غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں ہے: (آیت) " وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ "۔ (النحل: ۱۲۶) ترجمہ: اور اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جس طرح تمہیں تکلیف پہنچائی گئی تھی۔ (آیت) " فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل مااعتدی علیکم "۔ (البقرہ: ۱۹۴) ترجمہ: جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر اسی طرح زیادتی کرو جس طرح اس نے تم پر زیادتی کی تھی۔ امام احمدؒ نے یہودی کا پتھر سے قصاص لینے پر بھی استدلال کیا ہے اور تلوار سے قصاص لینے والی حدیث کے متعلق کہا ہے: اس کی سند درست نہیں ہے۔ ②

علامہ المرغینانی الحنفیؒ لکھتے ہیں: قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے: تلوار کے

۱۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ ھ)
۲۔ (المغنی ج ۸ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۰۵)

بغیر قصاص لینا جائز نہیں ہے۔[1]

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو مثلہ کر کے قتل کیا یعنی اس کے جسم کے مختلف اعضاء کاٹ ڈالے اور اگر پھر قاتل سے اسی کیفیت سے قصاص لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اس قاتل کو مثلہ کیا جائے حالانکہ احادیث صحیحہ میں مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو' جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ قتال کرو خیانت نہ کرو' عہد شکنی نہ کرو' مثلہ نہ کرو (کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کے جسم کو نہ بگاڑو)۔[2]

ولی مقتول کے معاف کرنے کی تفصیل:

یعنی مقتول کے ولی نے قاتل کو معاف کر دیا' قاتل کو مقتولل کے بھائی سے تعبیر فرمایا ہے تاکہ ولی کی مقتول کو معاف کرنے میں رغبت ہو اور وہ قصاص کا مطالبہ ترک کر دے اور دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ کیا جائے یعنی شریعت میں جو دیت کی مقدار مقرر کی گئی ہے ولی مقتول اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے اور قاتل کے عصبات دیت کی ادائیگی کی مدت میں تاخیر اور مقدار میں کمی نہ کریں اور معاف کرنے اور دیت ادا کرنے کا حکم تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور اس میں تم پر رحمت ہے کیونکہ یہود کی شریعت میں صرف قصاص واجب تھا اور نصاری کی شریعت میں صرف دیت واجب تھی' اور تمہارے لیے یہ آسانی ہے کہ مقتول کا ولی قاتل سے قصاص لے' یا دیت لے یا بالکل معاف

۱۔ (ہدایہ اخیرین ص ۵۶۳' مطبوعہ مکتبہ علمیہ' ملتان)

۲۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اس حدیث کو امام ترمذیؒ امام ابن ماجہ' امام مالک' امام دارمی اور امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

کر دے۔ تمہیں ہر طرح اختیار کی وسعت دی گئی اور کوئی شق واجب نہیں کی گئی اور جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا یعنی اگر ولی مقتول نے معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کیا تو اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوگا' دنیا میں اس کو قتل کیا جائے گا اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔

دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان

(١) دیت کی مقدار سو اونٹ یا ہزار دینار (٤٫٣٧٤ کلو سونا) یا دس ہزار درہم (٣٠٫٦١٨ کلو چاندی) ہے۔ (ب) دیت کو تین سال میں قسط وار ادا کرنا قاتل کی عاقلہ پر لازم ہے۔ (ج) عاقلہ سے مراد قاتل کے حمایتی اور مددگار ہیں' یہ اس کے اہل قبیلہ' اہل محلہ اور اہل صنعت وحرفت ہو سکتے ہیں' جو شخص کسی مل یا کارخانہ میں ملازم ہو اس مل یا فیکٹری کے مالکان اور کارکنان کو بھی عاقلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔